دُرُودِ تاج

(تحقیق، تشریح)

سید حسین علی ادیب رائے پوری

قوسین

15۔ سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور
فون 7355353

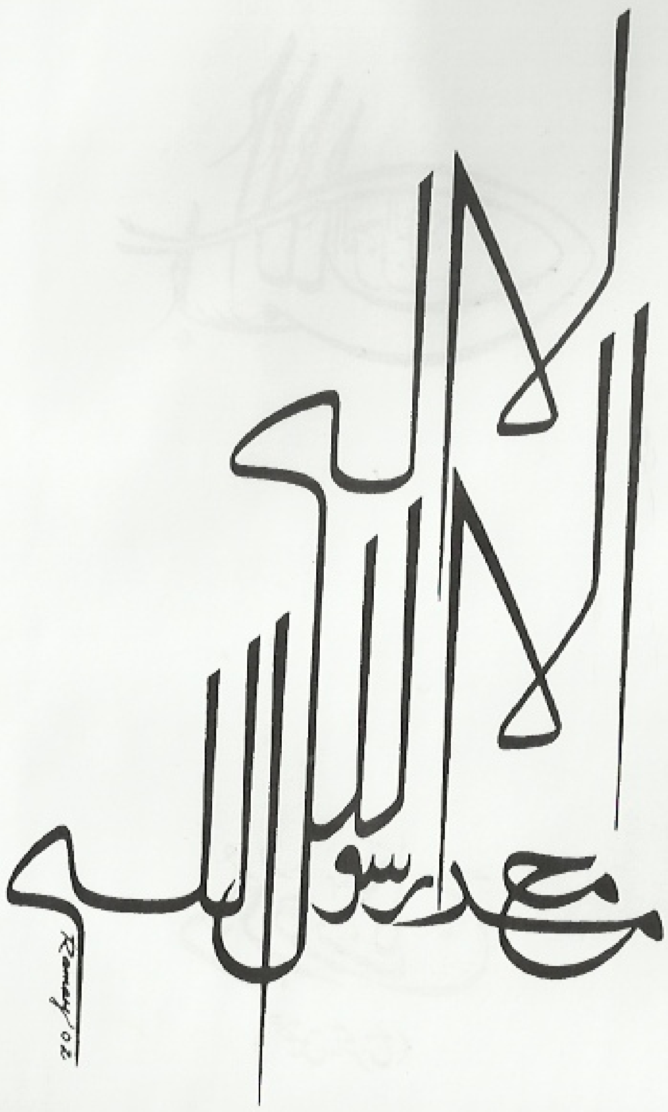

دُرُودِ تاج

(تحقیق، تشریح)

سیّد حسین علی ادیب رائے پوری

قوسین
15- سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور
فون: 7355353

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

باردوم : ۲۰۰۸ء
تعداد : ۱۰۰۰
مطبع : الثغر پرنٹرز، لاہور
ناشر : محمد سلیم الرحمٰن، ریاض احمد

-/۹۰۰ روپے

ترتیب

یادِ یارِ مہرباں	ریاض احمد	۲۷
انتساب	ادیبؔ	۲۹
منظوم نذرِ عقیدت	طارق سلطانپوری	۳۱
درود تاج (عربی متن اور ترجمہ)		
اعتراف	ادیبؔ رائے پوری	۳۳
شروح کا سرتاج، شرح درود تاج (تبصرہ)	سیّد محمد اظہار اشرف اشرفی جیلانی	۳۷
درود تاج پر ایک تاریخی کارنامہ (تبصرہ)	عبدالسبحان قادری	۳۹
شرح درود تاج میری نظر میں (تبصرہ)	مولانا محمد حسن حقانی اشرفی	۴۱
پیغامِ سرمدی (تبصرہ)	ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی	۴۷
درود تاج اور شرح درود تاج (تبصرہ)	ریاض مجید	۵۵
مقدمہ درود تاج	ادیبؔ رائے پوری	۶۳
قارئینِ محترم!		۶۳
فنِ تنقید کے مسلّمہ اصول		۶۵
واقدی کا مقام		۶۵
عطائے کبریا کو مسائل کی فہرست میں لا ڈالا		۶۶
علمی تحقیق میں اختلاف جرم نہیں		۶۷
مفسرین کے گروہ		۶۸
تعصب پر ماتم کیجیے		۷۰
تعصب کی پہلی مثال		۷۰

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر تہمت سازی کا جواب ۷۲

دوسری تہمت اور اس کا جواب ۷۳

سر سیّد احمد کے افکار ۷۷

سر سیّد احمد کا جواب ۸۱

تفسیر بالرائے ۸۴

حجاب علم کی چار اقسام ۸۶

پہلا حجاب ۸۶

دوسرا حجاب ۸۶

تیسرا حجاب ۸۶

چوتھا حجاب ۸۷

واقعہ غرانیق اور مفسرین کا فتنۂ عظیم ۸۷

علامہ ابنِ حیان مزید فرماتے ہیں ۹۲

درود تاج پر اعتراض بھی فتنۂ عظیم ہے ۹۴

درود تاج کا مصنف کون ہے؟ ۹۵

بدعت ۱۰۱

کیا درود تاج بدعت ہے؟ ۱۰۱

بدعت کی مزید تاریخی مثالیں ۱۰۴

آخری حوالہ ۱۰۷

مقام ابراہیم علیہ السلام کی تبدیلی ۱۰۹

جمعے کے دن پہلی اذان کا اضافہ ۱۰۹

ہدیہ صلوٰۃ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۱۱۰

تشہد میں اضافہ ۱۱۰

مزید بدعات کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں ۱۱۰

سَیِّدِنَا ۱۱۳

اعتراض اور اس کا جواب ۱۲۲

وَمَوْلٰنَا ۱۲۷

لفظ مولنا پر بھی اعتراض ۱۳۰

اعتراض کے جواب ۱۳۰

لفظ ولی کی لغوی تحقیق ۱۳۲

ولی کے معنٰی قرب اور اقسام قرب ۱۳۲

صوفیائے کرام کی اصطلاح ۱۳۳

مرتبہ ولایت کی تشریح ۱۳۴

من کنت مولاہ ۱۳۵

اس حدیث کی شانِ ورود ۱۳۷

مُحَمَّدٍ ﷺ ۱۳۹

حضور ﷺ کے مختلف نام ۱۴۳

تعریفِ نبی ﷺ کی عقلی دلیل ۱۴۳

سورہ کہف کی آیات کی تشریح ۱۴۴

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح ۱۴۵

بعثت سے پہلے نام محمد ﷺ ۱۴۹

اسمِ محمد ﷺ کا پھیلاؤ زمان ومکاں کی قید سے آزاد ہے ۱۵۱

محمد ﷺ ۱۵۵

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ۱۵۵

صَاحِبِ التَّاج ۱۵۹

تاج علامت ہے شرف خاص کی ۱۶۱

دلوں کی زمین پر حکمرانی کا تاج	۱۶۲
سرِ عرش را نعلینِ اُو ﷺ تاج	۱۶۴
صاحب التاج سے مراد	۱۶۸
وَالْمِعْرَاج	۱۷۱
سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی	۱۷۳
اعتراض اور اس کا پہلا حوالہ	۱۷۵
انجیل مرقس اور انجیلِ لوقا	۱۷۶
وَالْبُرَاق	۱۸۱
براق کی تعریف	۱۸۳
وَالْعَلَم	۱۸۷
ترمذی شریف کی حدیث اور مناقبِ رسول ﷺ	۱۸۹
لواءُ الحمد کی شان	۱۹۰
دَافِعِ الْبَلَاءِ	۱۹۳
کاشفِ سرِّ ازل ﷺ کی بارگاہ کے آداب	۱۹۵
مخلوق کی حاجت روائی کا ذریعہ	۱۹۶
حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کا واقعہ	۱۹۷
حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر دعوت کا واقعہ	۱۹۸
بلاء کا مفہوم اور الخصائص الکبریٰ کا حوالہ	۱۹۹
کیا دافع البلاء کہنا شرک ہے، بدعت ہے؟	۲۰۱
وَالْوَبَاءِ	۲۰۵
غبارِ مدینہ میں شفاء ہے	۲۰۷
قبیلۂ بنی اسد اور نظرِ بد	۲۰۸
حضور ﷺ ہر بلا کا رد ہیں	۲۰۹

وَالْقَحْطِ	۲۱۱
حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بارش کے لیے دعا	۲۱۴
حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار واقعہ بارش پر	۲۱۴
حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ اور ابنِ ہشام	۲۱۵
بارانِ رحمت پر حضور ﷺ کا اپنے چچا رضی اللہ عنہ کو یاد کرنا	۲۱۵
ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی تحقیق	۲۱۶
ابن نباتہ مصری کا تذکرہ	۲۱۸
دادا علیہ السلام نے پوتے ﷺ کا وسیلہ لے کر بارانِ رحمت کی دعا مانگی	۲۱۹
وَالْمَرَضِ	۲۲۱
حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بن سعد کا بیان	۲۲۳
حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کا بیان	۲۲۳
بخاری اور شفا شریف کے حوالے	۲۲۴
نہ جانے کتنے عالم ہیں، ہر اک عالم انھیں کا ہے	۲۲۵
اختیاراتِ مصطفےٰ ﷺ	۲۲۶
جسے چاہیں جیسا نواز دیں	۲۲۷
وَالْاَلَمِ	۲۲۹
اپنا ایمان سلامت رکھیے	۲۳۱
فلسفۂ رحمتِ باری	۲۳۲
اعلانِ حق اور قریش کا غیض وغضب	۲۳۳
ہم نے دامن جو ترا تھام لیا، تھام لیا	۲۳۴
اشاعتِ دین میں کامیابی اور ناکامی کے اسباب	۲۳۴
گریہ حنانہ پر اعتراض	۲۳۵
دو اسلام کی بجائے ایک اسلام	۲۳۶
استن حنانہ کا واقعہ جو ڈاکٹر برق کی فہم سے بالاتر ہے	۲۳۷

اِسْمُہٗ مَکْتُوْبٌ مَّرْفُوْعٌ مُّشَفَّعٌ مَّنْقُوْشٌ فِی اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ ۲۳۹

نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے ۲۴۱

قصیدہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ۲۴۷

پھلواروی صاحب کا پہلا غیر علمی اعتراض ۲۴۸

علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب ۲۴۹

مشفوع کی لغوی بحث ۲۴۹

پھلواروی کا دوسرا اعتراض منقوش پر ۲۵۱

اب حضرت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اس کا بھی جواب مرحمت فرماتے ہیں ۲۵۱

لوحِ محفوظ پر کیا کیا تحریر ہے ۲۵۳

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، مجدّدِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور لوحِ محفوظ کا ذکر ۲۵۴

سَیِّدُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ ۲۵۷

سیّدِ اولادِ آدم ﷺ مشرق و مغرب ترے ۲۵۹

لفظ عجم اور لغت ۲۶۰

عربی و عجمی کی تفریق اور اہلِ عرب ۲۶۰

شعراء اور فلسفۂ عرب و عجم ۲۶۱

درود تاج کی نغمگی اور حسنِ ترتیبِ الفاظ ۲۶۲

جِسْمُہٗ مُقَدَّسٌ ۲۶۵

جس نے جسدِ اطہر ﷺ کا لمس پایا وہ شے صاحبِ کرامت ہوگئی ۲۶۷

حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن المسیب کی روایت ۲۶۸

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ۲۶۹

ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ اور اُمِّ معبد رضی اللہ عنہا: یزداں دگرے نہ آفریدہ ۲۶۹

ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ کا بیانِ حلیہ مبارک حبیبِ خدا ﷺ ۲۷۰

اُمِّ معبد رضی اللہ عنہا کا نثری قصیدہ ۲۷۴

اوصاف و کمالاتِ جسدِ اطہر ﷺ ۲۷۸

بے سایہ و سایہ بانِ عالم ۲۷۸

مُعَطَّرٌ ۲۸۳

رنگ و بو کے قافلوں کا رخ ہے طیبہ کی طرف ۲۸۵

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ۲۸۶

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن سمرہ کا بیان ۲۸۶

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ۲۸۸

جس راہ چل دیے ہیں کوچے بسا دیے ہیں ۲۸۹

شیخ الاسلام علامہ السمہودی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ۲۹۰

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ۲۹۰

غسلِ میّت کا واقعہ اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا بیان ۲۹۱

مُطَهَّرٌ ۲۹۳

طہارتِ بدنی اور طہارتِ قلبی ۲۹۵

اقسامِ طہارت تین ہیں ۲۹۶

جب معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے ۲۹۶

سجدہ گاہ بندگانِ ربّ ہوئی ساری زمیں ۲۹۷

آگ اور پانی پر بھی آپ ﷺ کی رحمت ۲۹۸

مکھی جسمِ اطہر ﷺ پر کبھی نہ بیٹھی ۳۰۱

چیونٹی کی "لاء آف نیچر" سے بغاوت ۳۰۲

مُنَوَّرٌ فِی الْبَیْتِ وَالْحَرَمِ ۳۰۵

افصح العرب کی صحبت کے اثرات ۳۰۸

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور سورہ نور ۳۱۰

شمسِ الضحیٰ ۳۱۱

جلوۂ محبوب ربّ ﷺ اور چشمِ اصحاب رسول ﷺ ۳۱۳
شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اور جمال مصطفےٰ ﷺ ۳۱۵
حسن و جمال پر حدیث ۳۱۵
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور جمال مصطفےٰ ﷺ ۳۱۶
امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی بحث تشبیہات پر ۳۱۶
رُوئے انور ﷺ کو آفتاب سے تشبیہ دینے کی بحث ۳۱۸
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بن نعمان کا واقعہ ۳۲۰

بدرِ الدجیٰ ۳۲۳

وہ بدر الدجیٰ جب مدینے میں آیا ۳۲۵
شانِ حق آشکار زشانِ محمد ﷺ است ۳۲۶
لفظ طٰہٰ کی تشریح ۳۲۷
سورہ طٰہٰ کی تفصیلی بحث ۳۲۹

صدرِ العلیٰ ۳۳۳

اس اوج تک نہ جائے گی پستی شعور کی ۳۳۵
حضور ﷺ کے اختیارات خاص ۳۳۶
سونا پہننے کی خصوصی اجازت ۳۳۸
خدا سے ہم کلامی پر سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ ۳۳۹
حضرت آدم علیہ السلام اور افضل الانبیاء ﷺ ۳۴۳
حضرت ادریس علیہ السلام اور افضل الانبیاء ﷺ ۳۴۴
حضرت نوح علیہ السلام اور افضل الانبیاء ﷺ ۳۴۴
حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور افضل الانبیاء ﷺ ۳۴۴

حضرت یوشع علیہ السلام اور افضل الانبیاء ﷺ ۳۴۵
حضرت داؤد علیہ السلام اور افضل الانبیاء ﷺ ۳۴۵

نُورِ الہُدیٰ ۳۴۹

ہدایتِ بندگانِ خدا اور انبیائے کرام علیہم السلام ۳۵۱
بخشا گدائے راہ کو تو نے شکوہ قیصری ۳۵۲
نور انسان کے اندر بھی اور باہر بھی ہے ۳۵۳
لعاب دہن نے کھویا ہوا نور واپس لا دیا ۳۵۴
بابا نانک صاحب اور ہدایت کا نور ۳۵۴

کہفِ الوریٰ ۳۵۷

ظلم کی چکی میں انسان پس رہا تھا ۳۵۹
فتح مکّہ کا دن: مظلوموں اور ظالموں سب پر رحمت ۳۶۰
تاریخ عالم میں عفو و درگزر کی ایسی کوئی مثال نہیں ۳۶۰
ہر شے کو پناہ بخشی ۳۶۲

مِصباحِ الظُّلَم ۳۶۷

لفظ مصباح کی لغوی بحث ۳۶۹
مصنف درود تاج کا کمال انتخاب الفاظ ۳۷۰
بول بالا کر دیا ۳۷۰

جمیلِ الشِّیَم ۳۷۳

رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور اُن کے اطوار بے مثل نمونہ تھے ۳۷۵
حضور ﷺ نے اپنا نسب خود بیان فرمایا ۳۷۶
حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اور طبرانی کے اقوال ۳۷۶

محبوب ﷺ کے نسب کی حفاظت خدا نے کی ۳۷۷

آپ ﷺ کے اطوار پر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ۳۷۸

شَفِیعَ الْأُمَمِ ۳۷۹

حضور ﷺ نے اپنے ہر لقب کی لاج رکھی ۳۸۱

اُن ﷺ کی رحمت نے کسی کو مایوس نہیں کیا ۳۸۳

واقعے کے ظہور میں آنے سے پہلے تاریخ لکھ دی گئی ۳۸۴

صَاحِبِ الْجُودِ وَالْكَرَمِ ۳۸۵

عربوں میں فطری جذبہ سخاوت ۳۸۷

یہاں سخاوت اپنے سخی پر ناز کرتی ہے ۳۸۷

ایک اعتراض اور جواب ۳۹۰

سخاوت کے ذریعے تالیفِ قلوب اور تزکیہ نفس کی تربیت ۳۹۰

تالیفِ قلوب کا سبق آموز واقعہ ۳۹۱

مالِ غنیمت کی تقسیم کا مطالبہ ۳۹۳

حضور ﷺ کے ساتھ ایک افسوس ناک واقعہ ۳۹۴

وَاللّٰهُ عَاصِمُهُ ۳۹۹

قرآن کی نگہبانی اور صاحبِ قرآن کی نگہبانی ۴۰۱

تحریفِ قرآن کی ہر کوشش ناکام رہی ۴۰۱

چند متعصب مستشرقین کے نام ۴۰۲

قرآن کی حفاظت سیرت مصطفیٰ ﷺ کی حفاظت ہے ۴۰۳

مستشرقین کیا کہتے ہیں ۴۰۳

محمد حسین ہیکل کا بیان ۴۰۳

علامہ شبلی نعمانی اور سر ولیم میور کے حوالے ۴۰۳

اُمِّ جمیل کا واقعہ ۴۰۵

واقعہ ہجرت ۴۰۷

غارِ ثور میں حفاظت ۴۰۹

نظرِ بد سے نقصان پہنچانے کی کوشش پر آیت کا نزول ۴۱۱

نظرِ بد سے حفاظت کی دعا حضور ﷺ نے اپنے نواسوں کو تعلیم فرمائی ۴۱۲

وَجِبْرِيلُ خَادِمُهُ ۴۱۳

مقامِ روح القدس علیہ السلام سے کوئی واقف نہیں ۴۱۵

لفظ خادِمُہٗ پر اعتراض ہے ۴۱۶

حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۴۱۸

عربی اشعار میں روح الامین علیہ السلام کا ذکر ۴۱۸

قصیدہ ذو قافیتین کس نے لکھا؟ اس میں اختلاف ہے ۴۲۰

قرآنِ کریم میں ذکرِ جبریل علیہ السلام ۴۲۰

جو جبریل علیہ السلام کا دشمن اللہ اس کا دشمن ہے ۴۲۱

جمال الدین اصفہانی کے اشعار میں جبریلِ امین علیہ السلام ۴۲۱

دیگر ملائکہ کا ذکر قرآن کریم میں کہاں کہاں آیا ۴۲۴

وَالْبُرَاقُ مَرْكَبُهُ ۴۲۵

حقیقتِ بُراق پر تحقیقی بحث (حدیث کی روشنی میں) ۴۲۷

سیرت ابنِ ہشام کی تاریخی حیثیت ۴۲۸

وَالْمِعْرَاجُ سَفَرُهُ ۴۳۱

واقعہ معراج کا ابتدائی تعارف ۴۳۳

حقیقتِ واقعہ پر شکوک پیدا کیے گئے ۴۳۴

مفسرِ قرآن پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں	۴۳۶
منکرین کا حلقہ بگوش تیسرا گروہ آج بھی ہے	۴۳۷
اعتراضات اور جوابات	۴۳۷
واقعۂ معراج کی تفصیل	۴۳۹
آیاتِ کبریٰ کا مشاہدہ	۴۴۰
دورانِ سفر مکاشفات	۴۴۱
جبریل علیہ السلام نے دعا سکھائی	۴۴۲
مدینہ منورہ کی سرزمین کی بزرگی و عظمت ہجرت سے پہلے	۴۴۳
نیک اور برے کاموں کے انجام دکھا دیے گئے	۴۴۴
بیت المقدس میں حضور ﷺ کی آمد اور امامتِ انبیاء علیہم السلام	۴۴۵
نماز کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مختصر خطبہ	۴۴۵
رحمت للعالمین ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا	۴۴۶
ممکنہ سوال اور اس کا جواب	۴۴۷
وَسِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى مَقَامُهٗ	۴۴۹
اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ کی بات	۴۵۱
سورہ النجم اور اس کا ترجمہ	۴۵۲
وہ کتب جن کے حوالوں سے یہ بحث کی جائے گی	۴۵۴
اختلاف کے دو گروہ اور ان کے نام	۴۵۵
وہ آیات جن پر اختلاف نہیں	۴۵۵
وہ آیات جن کے مفہوم پر اختلاف ہوا	۴۵۶
پہلے گروہ کا بیان	۴۵۷
دوسرے مکتبِ فکر کا بیان	۴۵۸
قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں	۴۶۰
بحث کا نتیجہ حاصل کرنے والی حدیث	۴۶۰

ایک اور حدیثِ مبارکہ کا حوالہ	۴۶۳
جعفر شاہ پھلواروی کا اعتراض	۴۶۴
وَقَابَ قَوْسَيْنِ مَطْلُوبُهٗ	۴۶۷
مطلوب دید جلوہ شرف کلام ہے	۴۶۹
پھلواروی کا اعتراض اور اس کا جواب	۴۷۰
وَالْمَطْلُوبُ مَقْصُودُهٗ وَالْمَقْصُودُ مَوْجُودُهٗ	۴۷۳
محب کو محبوب ﷺ کا حال معلوم ہے	۴۷۵
شاہدِ رعنا کے دیدار کا اذنِ عام ہوگا	۴۷۶
اولیاء اللہ کا مقصود لقائے رب ہوگا	۴۷۷
معین الکاشفی کے لفظوں میں مقصود کا بیان	۴۷۷
رؤیتِ باری میں اختلاف ہے	۴۸۲
رؤیتِ باری کا انکار کرنے والوں کے دلائل	۴۸۳
امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خیال	۴۸۳
مسلم شریف کی روایت	۴۸۵
دیدارِ الٰہی ہونے کے حق میں دلائل	۴۸۶
نسائی، بخاری و مسلم کی روایتیں	۴۸۷
مزید حوالے رؤیتِ باری کے حق میں	۴۹۰
اشاعرہ اور معتزلہ کے نظریات	۴۹۴
سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ	۵۰۱
آپ ﷺ کا سردار ہونا بلاتردید ہے	۵۰۳
امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان	۵۰۳
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی مرتبہ	۵۰۵

آپ ﷺ کی قبر شریف تمام قبور کی سردار ہے ۵۰۶

تمام انبیاء علیہم السلام رسول اللہ ﷺ کے تابع ہیں ۵۰۷

خَاتَمِ النَّبِیّٖن ۵۰۹

النبی کی لغوی تعریف ۵۱۱

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور حقیقتِ انبیاء علیہم السلام کا بیان ۵۱۲

نبوت کے اظہار اور رسالت کے آغاز میں فرق ۵۱۴

خاتم کے لغوی معنی پھر اصطلاحات ۵۱۴

اس طویل بحث کا خلاصہ اور نتیجہ ۵۱۵

بعد از خدا بزرگ محمد ﷺ کی ذات ہے ۵۱۵

ختمِ نبوت پر بخاری کی حدیث ۵۱۶

انبیاء علیہم السلام پر فضیلت اور ختمِ نبوت پر مسلم، ترمذی اور ابنِ ماجہ کی حدیث ۵۱۷

شَفِیعُ الْمُذْنِبِیْن ۵۱۹

میدانِ حشر اور مقام محمود ۵۲۱

حضور ﷺ کا غم امت میں رونا اور جبریل علیہ السلام کا خوشخبری لانا ۵۲۲

حضور ﷺ پانچ شفاعتیں فرمائیں گے ۵۲۳

محشر کا منظر قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے ۵۲۳

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار ۵۲۴

محشر سے پہلے شفاعت کی خوشخبری ۵۲۵

جنت میں بغیر حساب کے جانے والے ۵۲۶

شفاعت کے امیدواروں کے لیے بڑی خوشخبری ۵۲۷

شفاعت کا ایک نسخہ حضور ﷺ دنیا میں ہی بتا گئے ۵۲۷

سرسیّد احمد کی شفاعت سے مایوسی ۵۲۹

سرسیّد کا دعویٰ کہ شفاعت ناممکن ہے ۵۳۰

وہ آیات قرآنی جن سے شفاعت کی تصدیق ہوتی ہے اور انکار شفاعت کا رد ہوتا ہے ۵۳۱

مرض الموت میں بھی فکرِ امت ۵۳۴

قبر شریف کی زیارت اور شفاعت کا مژدہ ۵۳۸

اَنِیْسُ الْغَرِیْبِیْن ۵۴۱

لفظ غریبین پر پھلواروی کا اعتراض اور اس کا جواب ۵۴۳

تنوین کے ساتھ پڑھنے کی قرآنی آیات سے مثالیں ۵۴۵

غریب کے معنی محتاج (پھلواروی) ۵۴۶

رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن ۵۵۱

لغت میں رحمت کے معنی ۵۵۳

رحمت للعالمین ﷺ کی شرح ۵۵۴

مکی و مدنی سورتوں میں ۱۱۸ مقام پر لفظ رحمت آیا ہے ۵۵۶

شعراء کا رحمت للعالمین ﷺ کے حضور نذرانۂ عقیدت ۵۵۸

رَاحَةُ الْعَاشِقِیْن ۵۶۳

متاعِ عشقِ محمد ﷺ مذاقِ عام نہیں ۵۶۵

لفظ عشق پر پھلواروی کا انتہائی گھٹیا اعتراض ۵۶۵

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کا غلط حوالہ اور پھلواروی ۵۶۶

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اصل اشعار اور معترض کی خیانت ۵۶۶

لطیف میلانِ قلب اور علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال ۵۶۸

اہلِ لغت عشق کے معنی "فرطِ محبت" قرار دیتے ہیں ۵۶۸

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی روح پھلواروی کو جواب دیتی ہے ۵۶۹

فارسی شعراء اور مضامینِ عشق ۵۷۱

مُرادُ المُشتاقِین ۵۷۵
مشتاق زیارت ہیں دل و جاں بھی، نظر بھی ۵۷۷
عاشق کی محبت محبوب کی محبت کا سبب ہوتی ہے ۵۷۸
ہجرت کے واقعات اور مشتاقانِ جمال ۵۷۹
عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ۵۸۲
شمس العارفین ۵۸۳
مقام معرفت کب ملتا ہے ۵۸۵
سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کی موت پر عرش ہل گیا ۵۸۵
نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي ۵۸۷
خزانہ ہمیشہ ویران جگہ پر ہوتا ہے ۵۸۷
سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ۵۸۸
شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ۵۸۹
حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ۵۹۰
ایک آخری حوالہ ۵۹۱
سراج السالکین ۵۹۳
سلوک، راہ طریقت میں ایک مقام ہے ۵۹۵
راہ سلوک میں صعوبتیں اور شیطان سے جنگ ۵۹۶
یہ کمائی سربازار لٹ جاتی ہے ۵۹۷
حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ۵۹۷
مصباح المقربین ۵۹۹
قرب کی دو قسمیں ہیں ۶۰۱
سلطانِ ہمت کا گروہ ۶۰۲

لفظ مصباح کی تشریح ۶۰۳
سورہ واقعہ میں تین گروہوں کا ذکر ۶۰۳
مقربین میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام اور واقعہ ۶۰۴
مُحِبُّ الفُقَراء ۶۰۹
حضور ﷺ دو عالم کے محبوب اور فقراء حضور ﷺ کے محبوب ۶۱۱
فقر کیا ہے؟ فقراء کون ہیں؟ ۶۱۱
احادیثِ نبوی ﷺ میں مقام فقر ۶۱۲
فقر کی تعریف شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۶۱۳
حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فقر کی تعریف بیان فرمائی ۶۱۴
فقر کے ستر ہزار مقامات ہیں ۶۱۶
حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فقر کی تعریف کس طرح فرماتے ہیں ۶۱۷
حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۶۱۹
اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور فقر کی تعریف اشعار میں ۶۲۰
والغُرَباءِ والمساکین ۶۲۳
لغوی تحقیق ۶۲۵
غریب کسے کہتے ہیں؟ ۶۲۵
حضرت ضمرہ رضی اللہ عنہ بن عیض کا واقعہ ۶۲۷
غریب الوطن حضرات کا پہلا قافلہ ۶۲۷
سَیِّدِ الثَّقلَین ۶۲۹
جن کے لغوی معنی ۶۳۱
جنوں کا وجود اور تاریخ ۶۳۱
سرسیّد جن کے وجود کو نہیں مانتے ۶۳۲
قرآنِ کریم میں واضح بیان ۶۳۳

نَبِیِّ الْحَرَمَیْنِ ٦٣٧
حرم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف ٦٣٩
مدینہ حرم کیسے بنا؟ ٦٤٠
مدینہ کو حرم قرار دینے کی احادیث ٦٤١
دونوں حرم میں امامت کی فضیلت کسی اور نبی علیہ السلام کو نہیں ملی ٦٤٢
حضور ﷺ کعبہ ہیں اور کعبے کا کعبہ ہیں ٦٤٣
اِمَامِ الْقِبْلَتَیْنِ ٦٤٥
بیت المقدس میں امامت کا منظر ٦٤٧
تحویلِ قبلہ کے واقعے کا پس منظر ٦٤٧
تحویلِ قبلہ کے لیے حضور ﷺ کی بے قراری کے اسباب ٦٥٠
انسائیکلو پیڈیا میں تحویلِ قبلہ کے اسباب میں غلط بیانی ٦٥١
وَسِیْلَتِنَا فِی الدَّارَیْنِ ٦٥٣
علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل تعارف ٦٥٥
حدیثِ رسول ﷺ سے بے پناہ عشق کا واقعہ ٦٥٧
وسیلہ کی تعریف اور ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ ٦٥٨
جنگِ احد...... درگزر کا وسیلہ حضور ﷺ کی ذات تھی ٦٦٠
حضور ﷺ کی آمد سے پہلے یہودیوں میں وسیلہ کا دستور ٦٦٣
صَاحِبِ قَابَ قَوْسَیْنِ ٦٦٧
لفظ قاب قوسین کو درود تاج میں دو مرتبہ پیش کرنے کی وجہ ٦٦٩
قاب قوسین اور عرب کا دستور ٦٧٠
قاب قوسین کی تعریف صاحب قاب قوسین ہی کر سکتے ہیں ٦٧٠

مَحْبُوْبِ رَبِّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَیْنِ ٦٧٣
مشرق ومغرب کا ذکر سنتِ الٰہیہ ہے ٦٧٥
اس کی ربوبیت مشرق ومغرب، ان ﷺ کی نبوت مشرق ومغرب ٦٧٥
پھلواروی نے یہاں بھی اعتراض کیا ہے ٦٧٨
علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب ٦٧٨
جَدِّ الْحَسَنِ علیہ السلام وَالْحُسَیْنِ علیہ السلام ٦٨١
حضور ﷺ کی اہل بیت علیہم السلام سے بے پناہ محبت ٦٨٣
پھلواروی کا اعتراض: حسنین علیہم السلام کا نانا ﷺ ہونا کوئی شرف نہیں ہے ٦٨٤
اعتراض کے الفاظ میں گستاخانہ جملے ٦٨٤
گستاخانہ اعتراض کا جواب اور حوالے ٦٨٥
اہلِ بیت علیہم السلام کی تعریف ٦٨٩
بنو ہاشم کی تعریف بھی ملاحظہ فرمائیں ٦٨٩
علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور تعظیم اہلِ بیت علیہم السلام ٦٩٤
مَوْلٰنَا وَمَوْلَی الثَّقَلَیْنِ ٦٩٧
کیا جنّ بھی رحمت کے سائبان میں ہیں؟ ٦٩٩
یہ مخلوق تمام اعزازات سے محروم تھی، حضور ﷺ نے نواز دیا ٦٩٩
جنّ سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شامل تھے ٧٠٠
آیات قرآنی کا مذاق اڑانے والے لوگ ٧٠١
اَبِی الْقَاسِمِ ٧٠٣
ابی القاسم کا خاندانی پس منظر ٧٠٥
عربوں میں کنیت کا رواج ٧٠٦
حضور ﷺ کا نام اور کنیت کوئی رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ ٧٠٦

بخاری سے حدیث کے حوالے ۲۰۶

ایک حدیث محمد بن کثیر کے حوالے سے ہے ۲۰۷

ایک روایت علی بن عبداللہ کی بھی ہے ۲۰۷

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت پر علمی بحث ۲۰۷

اس بحث کا خلاصہ ۲۰۹

مُحَمَّدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ ۲۱۱

خاندانِ بنی ہاشم کی پاک دامن ہستیاں ۲۱۳

حضور ﷺ کے والدین صاحبانِ ایمان تھے ۲۱۳

اس نازک مسئلے پر تین جدا جدا مسلک ہیں ۲۱۴

پہلا مسلک: زمانۂ فترۃ سے تعلق تھا ۲۱۴

دوسرا مسلک: ان کا دامن شرک اور کفر سے کبھی داغدار نہیں ہوا ۲۱۶

یہ دلیل دو مقدموں پر قایم ہے ۲۱۷

احادیث کے حوالے سے......بہترین خاندان تھا ۲۱۸

تیسرا مسلک ۲۲۰

نُوْرٌ مِّنْ نُّوْرِ اللهِ ۲۲۵

ذکر میں اُن کے جو لکھا ہر سطر پُرنور ہے ۲۲۷

نور من نور اللہ خاص علمی بحث ہے ۲۲۸

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضور ﷺ حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوے ۲۲۸

اللہ نے سب سے پہلے نور نبی ﷺ کو پیدا کیا (حدیث) ۲۲۹

سورہ نور میں نورِ ثانی سے مراد نورِ مصطفیٰ ﷺ ہے ۲۳۰

نورِ قلبِ ابراہیم علیہ السلام پر نورِ قلبِ مصطفیٰ ﷺ ہے ۲۳۱

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد رحمۃ اللہ علیہ کا خواب ۲۳۲

یٰاَیُّهَا الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِهٖ ۲۳۵

ان آنکھوں کا مصرف لقائے محمد ﷺ ۲۳۷

حضرت زید عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بینائی واپس لوٹا دی ۲۳۷

حضور ﷺ کا دیدار نور خدا نما ہے ۲۳۸

جامی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق اور تڑپ دیدار مصطفیٰ ﷺ کے لیے ۲۳۹

قدسی رحمۃ اللہ علیہ اور عطار رحمۃ اللہ علیہ بھی لقائے مصطفیٰ ﷺ کے لیے بے قرار ہیں ۲۴۱

حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر کیا گزری ۲۴۲

مسجد نبوی ﷺ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان ۲۴۳

ہجر میں ان ﷺ کے گئے جان سے جانے والے ۲۴۵

یاایہاالمشتاقون پھلواروی کی نظر میں بھونڈی غلطی ہے ۲۴۸

بھونڈے اعتراض کا جواب ۲۴۹

صَلُّوْا عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۲۵۱

درود شریف پڑھنے کا حکم کب آیا؟ ۲۵۳

درود شریف کی لغوی اور اصطلاحی تعریف ۲۵۳

درود تاج پر ایک بڑا اعتراض اور جواب ۲۵۴

ماخذ کتاب ۲۵۹

یادِ یارِ مہرباں

اسمِ سرورِ کائنات ﷺ ورد و وظیفہِ صاحبِ کائنات ہے۔ جملہ ملائکہ بھی پیہم اسی عمل میں مصروف رکھے گئے ہیں۔ وحدہٗ لاشریک لہٗ نے تمام اہلِ ایمان کو بھی اس عبادت میں اپنے ساتھ شرکت کی دعوت دے رکھی ہے۔

صاحبانِ ایمان، درود شریف کی فضیلت پر، بعدہٗ، کس دلیل کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟
برادرم مغیث احمد نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ قبل سیّد حسین علی ادیب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی، صدرو بدرِ کائنات ﷺ کی محبت سے سرشار، اپنی نوعیت کی بے مثل و بے مثال کتاب: ''درود تاج : تحقیق، تشریح''، کو، سیّدِ محترم کی اجازت سے، لاہور سے زیور طبع سے آراستہ کرنے کی ذمے داری راقم الحروف کو سونپی تھی — زہے نصیب!

مغیث احمد رحمۃ اللہ علیہ سرورِ کائنات ﷺ کی محبت میں دنیا و مافیہا سے دستبردار ہو چکے تھے۔ یہ محبت ان کا ازلی نصیب تھی۔ ان کی رفاقت میں یہ راز بھی کھلتا تھا کہ حبیبِ ربّ العالمین ﷺ کے شیدائیوں کی آن اور شان کیا ہوتی ہے اور درود پاک کی مشعلِ فروزاں ان کے قلوب و اذہان کو اپنی جوت سے کیسے کیسے جگمگائے رکھتی ہے۔

صاحبِ درود تاج و معراج ﷺ سے قلبی و روحانی وابستگی ہی کا ثمرہ تھا کہ برادرم مغیث احمد رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ساتھ اپنی بالوجود موجودگی کے آخری ایام میں ایک جان لیوا مرض کا سامنا انتہائی ہمت اور حوصلے کے ساتھ ہنس ہنس کر کرتے رہے تھے اور ان کے معمولات میں بال برابر بھی فرق نہ آیا تھا۔

ان کی ازبس آرزو تھی کہ درود تاج کا یہ نذرانہ آقائے نامدار ﷺ کی بارگاہ ناز میں یوں بنا سنوار اور جی جان سے سجا کر پیش کیا جائے کہ اوراق زرناب کے ہوں تو الفاظ لُولُو اور مرجان کے۔ روشنائی کی جاء مشک وعنبر و زعفران اور عبیر و گلال کا زلال ہو۔ کتاب کیا ہو خُلدِ بریں اور جنت الفردوس کے رنگارنگ چمنستانوں کی کوئی سدا بہار کیاری ہو جس کی آبیاری کے لیے ان کے قلبِ تپاں کا لہو روزِ ازل کی مستی میں صَلِّ علیٰ کے جاں فزا ترانے لٹا رہا تھا۔

جو وہ چاہتے تھے اسے صرف چاہا جا سکتا ہے۔ خواب صرف دیکھے جا سکتے ہیں۔ ہمارے بس میں صرف یہی ہے —اور یہ کیا کم ہے!

الحمدللہ! درود تاج کا لاہوری نسخہ، جو راحت العاشقین ﷺ سے مغیث احمد رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت، شیفتگی اور محبت کا آئینہ بردار ہے، ہدیۂ ناظرین ہے۔

شمعِ درود پاک کے پروانوں سے التماس ہے وہ برادرم مغیث احمد رحمۃ اللہ علیہ اور جناب سیّد حسین علی ادیبؔ رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

میں برادرم سیّد امتیاز علی تاجؔ نقشبندی کی محبت اور جناب پروفیسر محمد جمیل اقبال قادری کی معاونت کے لیے ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔

اس نسخے کی تزئین و آرایش کے لیے محترم حنیف رامے کے تعاون کا تذکرہ بھی لازم ہے اور ان کا شکریہ بھی واجب ہے۔

صحتِ متن کے سلسلے میں برادرم خورشید رضوی اور برادرم معین نظامی میرے دلی شکریے کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر دے۔ آمین!

ریاض احمد

انتساب

درود تاج کے الفاظ جن کی مِدحت ہیں
انھی کے نام سے منسوب میری ہر تحریر
دعا یہ کی تھی کہ صدقہ درود کا پاؤں
وہ میرا خواب تھا، یہ میرے خواب کی تعبیر

ادیبؔ

منظوم نذرِ عقیدت

طارق سلطانپوری
(حسن ابدال، حال کراچی)

قطعہ سالِ تکمیل و طباعت
کتاب موسوم بہ درود تاج

نتیجۂ فکرِ محترم، مکرمی جناب سیّد حسین علی ادیبؔ رائے پوری مدظلہ العالی
صدر پاکستان نعت اکادمی، نارتھ ناظم آباد، کراچی

"خُلدِ صدق و عقیدت" (۱۴۱۸ھ)

"فضیلتِ محمد ﷺ، شاہِ جود و کرم" (۱۹۹۷ء)

درود تاج ، حبیبِ ﷺ خدا کا ذکرِ سعید
زمانے میں ہے خواص و عوام میں مقبول
یہ ہے وظیفۂ اربابِ شوق صدیوں سے
خدائے پاک نے بخشا ہے اس کو حسنِ قبول
کیے ہیں پیش بہ غایت ادب مصنف نے
نبی ﷺ کی خدمتِ ذی شان میں خلوص کے پھول

اس اہتمام ثنائے رسولِ رحمت ﷺ کا
ضرور اس نے کیا ہوگا حق سے اجر وصول
فروغ بزم محبانِ مصطفٰے ﷺ ہے یہ
پڑھائی اس کی ہے عشاق خواجہ ﷺ کا معمول
جو اُن ﷺ کا شیفتہ ہے ، وہ ہے ارجمند و سعید
حضور ﷺ کا جو مؤدب نہیں وہ ہے مخذول
خدا کے بعد خدا کے حبیب ﷺ ہیں افضل
یہی ہے جانِ حقایق ، یہی ہے اصلِ اصول
ادیب بھی ہے ، وہ شاعر بھی ہے ، حسین علی
ازل سے اس کو ودیعت ہوئی ہے نعتِ رسول ﷺ
درود تـــاج کی تحریر کی حسیں تفسیر
عطائے خاصِ محمد ﷺ ہے اس شرف کا حصول
یہ ہے مدارج و مشکوٰۃ سے ہویدا بات
بیانِ وصفِ نبی ﷺ میں وہ ہے سدا مشغول
اگر ہے ذہن میں راسخ محبتِ سرکار ﷺ
بدیع و پاک مضامیں کا ہوگا اس پہ نزول
کریں گے لازمی سعیِ ادیب کی تحسین
جنونِ عشق سے ممتاز ہیں جو اہلِ عقول
کہا ہے یوں سنِ تکمیل اس کا طارق نے
ہمیں نصیب ہوئی : ''زیبِ باغِ یمنِ رسول ﷺ''

۱۴۱۸ھ

۱۸ جون ۱۹۹۷ء

دُرُودِ تاج

درود تاج

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ، نہایت رحم والا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ

الٰہی! ہمارے آقا و مولیٰ محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما

صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَ

جو صاحبِ تاج و معراج اور براق والے اور

الْعَلَمِ دَافِعِ الْبَلَآءِ وَالْوَبَآءِ وَالْقَحْطِ

جھنڈے والے ہیں۔ جن کے وسیلے سے بلا اور وبا اور قحط

وَالْمَرَضِ وَالْاَلَمِ اِسْمُهٗ مَكْتُوْبٌ مَّرْفُوْعٌ

اور مرض اور دکھ دور ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کا نام نامی لکھا گیا ، بلند کیا گیا ،

مَّشْفُوْعٌ مَّنْقُوْشٌ فِى اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ سَيِّدِ

قبول شفاعت کیا گیا اور لوح و قلم میں کھدا ہوا ہے۔ آپ ﷺ

الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ ط جِسْمُهٗ مُقَدَّسٌ مُّعَطَّرٌ

عرب و عجم کے سردار ہیں۔ آپ ﷺ کا جسم نہایت مقدس، خوشبودار،

مُّطَهَّرٌ مُّنَوَّرٌ فِي الْبَيْتِ وَالْحَرَمِ ط شَمْسِ

پاکیزہ اور خانہ کعبہ و حرم پاک میں منور ہے۔ آپ ﷺ چاشتگاہ

الضُّحٰى بَدْرِ الدُّجٰى صَدْرِ الْعُلٰى نُوْرِ

کے آفتاب ، اندھیری رات کے ماہتاب ، بلندیوں کے صدر نشین ، راہ ہدایت

الْهُدٰى كَهْفِ الْوَرٰى مِصْبَاحِ الظُّلَمِ ط

کے نور ، مخلوقات کی جائے پناہ ، اندھیروں کے چراغ ،

جَمِيْلِ الشِّيَمِ ط شَفِيْعِ الْاُمَمِ ط صَاحِبِ الْجُوْدِ

نیک اطوار کے مالک ، اُمتوں کے بخشوانے والے ، بخشش و کرم سے

وَالْكَرَمِ ط وَاللّٰهُ عَاصِمُهٗ وَجِبْرِيْلُ خَادِمُهٗ

موصوف ہیں۔ اللہ آپ ﷺ کا نگہبان ، جبریل علیہ السلام خدمت گزار ،

وَالْبُرَاقُ مَرْكَبُهٗ وَالْمِعْرَاجُ سَفَرُهٗ وَسِدْرَةُ

براق آپ ﷺ کی سواری ، معراج آپ ﷺ کا سفر ، سدرۃ المنتہیٰ

الْمُنْتَهٰى مَقَامُهٗ وَقَابَ قَوْسَيْنِ مَطْلُوْبُهٗ

آپ ﷺ کا مقام اور (قرب خداوندی میں) قاب قوسین کا مرتبہ آپ ﷺ کا مطلوب ہے

وَالْمَطْلُوْبُ مَقْصُوْدُهٗ وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُهٗ

اور مطلوب ہی آپ ﷺ کا مقصود ہے اور مقصود آپ ﷺ کو حاصل ہے۔

سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ شَفِيْعِ

آپ ﷺ رسولوں کے سردار، نبیوں علیہم السلام میں سب سے پیچھے آنے والے، گنہگاروں کے

الْمُذْنِبِيْنَ اَنِيْسِ الْغَرِيْبِيْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ

بخشوانے والے ، مسافروں کے غمخوار ، دُنیا جہان کے لیے رحمت ،

رَاحَةِ الْعَاشِقِيْنَ مُرَادِ الْمُشْتَاقِيْنَ شَمْسِ

عاشقوں کی راحت ، مشتاقوں کی مراد ، خدا شناسوں

الْعَارِفِيْنَ سِرَاجِ السَّالِكِيْنَ مِصْبَاحِ الْمُقَرَّبِيْنَ

کے آفتاب ، راہ خدا پر چلنے والوں کے چراغ ، مقربوں کے رہنما ،

مُحِبِّ الْفُقَرَآءِ وَالْغُرَبَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ سَيِّدِ

محتاجوں ، غریبوں اور مسکینوں سے محبت رکھنے والے ، جن و

الثَّقَلَيْنِ نَبِيِّ الْحَرَمَيْنِ اِمَامِ الْقِبْلَتَيْنِ

انس کے سردار ، حرمین کے نبی ، دونوں قبلوں (بیت المقدس و کعبہ) کے پیشوا

وَسِيْلَتِنَا فِي الدَّارَيْنِ صَاحِبِ قَابَ قَوْسَيْنِ

اور دُنیا و آخرت میں ہمارا وسیلہ ہیں۔ وہ جو مرتبہ قاب قوسین پر فائز ہیں۔

مَحْبُوْبِ رَبِّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَيْنِ جَدِّ

دو مشرقوں اور دو مغربوں کے ربّ کے محبوب ہیں۔ حضرت

الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ مَوْلٰنَا وَمَوْلَى الثَّقَلَيْنِ

امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے جدِّ امجد اور ہمارے اور (تمام) جن وانس کے آقا ہیں

اَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ

یعنی ابی القاسم محمد ﷺ بن عبداللہ علیہ السلام جو اللہ کے نور میں سے ایک نور

اللّٰهِ يٰاَيُّهَا الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِهٖ صَلُّوْا

ہیں۔ اے نور جمال محمدی ﷺ کے مشتاقو! آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ

عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

کی آل علیہ السلام پر اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر دُرود و سلام بھیجو جو بھیجنے کا حق ہے۔

اعتراف

ادیب رائے پوری

جن حضرات نے درود تاج کی تحقیق میں رہنمائی فرمائی ان میں کچھ وہ احباب و کرم فرما ہیں جن کی خدمت میں حاضر ہوکر درود تاج سے متعلق معلومات اور موضوعات پر بہ نفسِ نفیس تبادلہ خیال ہوا، کارآمد اور نتیجہ خیز گفتگو ہوئی۔ ان کے علاوہ کچھ وہ کرم فرما ہیں جن سے نہ ملاقات ہوئی نہ ہی خط و کتابت، لیکن ان کی تفسیر و تصانیف نے قدم قدم پر میری رہبری کی اور بہت سے موضوعات سامنے آئے اور بہت سے ایسے جواب جن کے لیے ابھی سوال بھی قایم نہ کر پایا تھا۔ ان میں وہ تمام بزرگ و محترم ہستیاں شامل ہیں جن کی تصانیف کے حوالوں سے اس کتاب کے اوراق آراستہ ہیں لیکن ان میں ایک نام پیر محمد کرم شاہ الازہری، سجادہ نشین بھیرہ شریف، جسٹس وفاقی شرعی عدالت کا ہے جن کی مشہور زمانہ تفسیرِ قرآن موسوم بہ ''ضیاء القرآن'' کئی برس سے میرے مطالعے میں رہی اور نہ جانے کتنی بار میں نے اس کا مطالعہ کیا اور اپنے حلقۂ احباب میں پُر زور سفارش کے ساتھ اس کا تعارف بھی کراتا رہا۔ حضرت قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''سنّتِ خیر الانام ﷺ'' میرے مطالعے میں بہت پہلے آچکی تھی، جب ''ضیاء القرآن'' میرے سامنے آئی تو ان کے انداز تحریر نے دل میں جگہ بنالی۔ ہر ہر سطر سرکار مدینہ ﷺ کے ذکر میں ادب اور عشق میں ڈوبی ہوئی ہے۔ میری نظر سے کئی تفاسیر گزریں لیکن جیسی عشقِ رسول میں ڈوبی ہوئی تحریر ''ضیاء القرآن'' میں دیکھی کوئی اور تفسیر اس کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ ''ضیاء النبی ﷺ'' بھی منظرِ عام پر آگئی جس نے میری رہنمائی میں میرا بھرپور ساتھ دیا، چنانچہ

میں نے بعض مقامات پر درود تاج میں ان کے افکار کو اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے اور بعض مقامات پر انھی کے الفاظ میں حوالے پیش کیے ہیں۔

چراغ سے چراغ جلنے کی یہ اعلیٰ مثال ہے۔ اکثر میں اپنے واعظینِ کرام سے کہا کرتا ہوں کہ آپ کے پُر جوش اور انقلابی اندازِ تقریر میں زبان سے نکلنے والے الفاظ ہوا میں تحلیل ہو کر گوشۂ گمنامی میں چلے جائیں گے، آپ تحقیق کے میدان میں قدم رکھیے کہ ایک عرصے سے یہ میدان شہسواروں کا منتظر ہے۔ ان چراغوں سے پھر نئے چراغ روشن ہوں گے اور اس طرح ذکرِ سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ چراغاں مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر بادِ مخالفت سے بے خوف ہو کر پوری دنیا کو روشن رکھے گا۔

میں حضرت قبلہ پیر محمد کرم شاہ الازہری کا بے حد شکر گزار ہوں اور ان کی روشن اور ایمان افروز تحریروں کا جنھوں نے مجھ جیسے نہ جانے کتنے طالبانِ علم کو سیراب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی قبرِ پُر انوار پر تا قیامت رحمتوں کی بارش کرے، آمین۔

حضرت مولانا علامہ عبدالسبحان خان صاحب، مولانا محمد حسن حقانی صاحب، مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب، ڈاکٹر جلال الدین نوری صاحب، مولانا نسیم احمد صدیقی صاحب نوری قادری وہ حضرات ہیں جنھوں نے درود تاج کی اس تحقیق پر تحقیقی نظر ڈالی، آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوالِ سلف کا مطالعہ کیا اور جہاں ضروری سمجھا رہنمائی فرمائی۔ یہ تمام ہمارے ملک کے جید و مشاہیر علمائے کرام سے ہیں۔ ان حضرات نے میری حوصلہ افزائی فرمائی، جس کے لیے میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔ یہ اظہارِ تشکر نامکمل ہوگا اگر میں فیصل آباد کی عظیم شخصیت ڈاکٹر پروفیسر محمد اسحاق قریشی (پی ایچ ڈی عربی نعت) کا ذکر نہ کروں جن کا تبصرہ، جن کی پر خلوص دعائیں اور جن کی محبت میرے شاملِ حال رہی۔ ساتھ ہی ڈاکٹر پروفیسر ریاض مجید (پی ایچ ڈی نعت اردو) فیصل آباد، جن کی تحقیق نے میری راہ نمائی میں حصہ لیا۔ کراچی سے جناب انوار احمد زئی کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ نے بھی اس تحقیق پر اپنے مخصوص انداز میں تبصرہ فرمایا اور حوصلہ افزائی بھی بہت کی۔

طارق سلطانپوری نے حسن ابدال سے قلمی رابطہ قایم کیا اور پھر اپنی عقیدت و محبت کو اور اس جذبۂ عالی کو، جو درود تاج سے ہے اور ان کا اثاثۂ ایمان ہے، اس کی نسبت

سے مجھ ناچیز کی خدمت کو خراجِ تحسین جس منظوم انداز میں پیش کیا میں ان کے لیے بھی دعا گو ہوں۔

کوئی نام اگر سہواً رہ گیا ہو تو ان سے معذرت خواہ ہوں اور وہ میری معذرت کو قبول فرمالیں۔

اس کتاب کی اشاعت میں کتابت، طباعت، جلد سازی اور دیگر فنی مراحل میں جن حضرات نے رہنمائی کی اور عملی تعاون کیا ان میں سیّد تجمل علی تاج، جناب عابد علی صاحب، جناب فاروق امین صاحب، جناب رؤف گاندھی صاحب کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ بعض حضرات نے اپنے ناموں کی اشاعت سے منع فرما دیا ہے۔ میں ایسے تمام مخلص احباب کا بے حد شکر گزار ہوں۔ ساتھ ہی ان محترم شخصیات کا جنھوں نے اس کتاب پر تبصرہ فرمایا۔

ولایت آباد نعت اکیڈمی نے، جس کے بانی رفیق انصاری صاحب ہیں، درود تاج کی اشاعت میں عملی طور پر جو خدمات انجام دی ہیں ان کا ذکر کیے بغیر تشکر کا یہ باب مکمل نہیں ہو سکتا۔ میں دل کی گہرائیوں سے ان کے خلوص اور خدمات کا شکر گزار ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہوں کہ وہ ان تمام حضرات کے دین و دنیا میں درجات بلند فرمائے اور اجرِ عظیم عطا کرے، آمین۔

شروح کا سرتاج، شرح درود تاج

تبصرہ از مجاہدِ ملّت، پیرِ طریقت مخدوم اشرف سمنانی کے نورِ نظر، سرکار کلاں کے فرزند
علامہ سیّد محمد اظہار اشرف اشرفی جیلانی دامت برکاتہم

حضرت ادیبؔ رائے پوری خوش عقیدہ، خوش خلق ادیب، مفکّر و محقق ہونے کے علاوہ عربی اور فارسی ادب میں بہت عمدہ درک رکھتے ہیں۔

درود تاج کی شرح میں جو مساعی ادیبؔ صاحب نے فرمائی، اگرچہ جستہ جستہ دیکھنے کا موقع ملا، مگر نہ صرف پسند آیا بلکہ ادیبؔ صاحب کے بارے میں ان کے متصوفانہ خیالات سے بھی کافی معلومات ہوئیں۔

میں یہاں (کراچی، پاکستان) آیا ہوا تھا، مولانا حسن حقانی اشرفی، ہاشم رضا صاحب اشرفی اور خود ادیبؔ صاحب کی خواہش پر صاحبِ سلسلہ بزرگ کے درود تاج اور اس کی شرح میں ان چند سطور کے ذریعے اپنا حصہ بھی بنا لیا۔

شرح جامع، عمدہ اور مدلّل اور قرآن و حدیث اور اجماع امت کے حوالے سے مکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس اعلیٰ کاوش پر جزائے خیر اور آخرت کے لیے ذخیرہ اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے تقرب اور فیوضِ روحانی کا سبب بنائے، آمین۔

یکے از خادمانِ مخدوم اشرف سمنانی، سیّد محمد اظہار اشرف اشرفی جیلانی، سجادہ نشین و جانشین سرکار کلاں، کچھوچھہ مقدسہ، یوپی، بھارت۔

درود تاج پر ایک تاریخی کارنامہ

(حامداً وّ مصلیاً وّ مسلما)

فقیر عبدالسبحان القادری
بانی و مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم قادریہ سبحانیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی، پاکستان

حمد وصلوٰۃ وسلام کے بعد واضح ہو کہ کاتب الحروف فقیر عبدالسبحان القادری نے پاکستان کے مشہور و معروف اور نامور ادیب ونعت گو شاعر الحاج سیّد حسین علی ادیبؔ رائے پوری کی تصنیف: تحقیق وشرح درود تاج کا باقاعدہ اول تا آخر مکمل مطالعہ نہایت غور کے ساتھ کیا اور بحمد اللہ تعالیٰ بالکل صحیح پایا۔ موصوف نے درود تاج کی شرح میں نہایت عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ اپنی عقیدتوں اور جذبے کو کمال تک پہنچانے میں ان کی کاوش لائقِ صد تحسین ہے۔ یوں تو ہر تفسیر کے بعد ایک تفسیر اور شرح کے بعد ایک شرح آتی ہے لیکن فی زمانہ حضرت ادیبؔ رائے پوری نے، جنھیں میں اپنے حج کے زمانے سے بلبلِ پاکستان کہہ رہا ہوں جب موصوف میرے ساتھ سعادتِ حجِ بیت اللہ شریف حاصل کرنے میں شریک تھے، درود تاج پر اتنا موادِ علمی فراہم کردیا ہے کہ مزید تحقیق نہ بھی کی جائے تو یہ مکمل ہے۔ درود تاج کے قائلین میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کا تعلق دیو بند سے ہے۔ مولوی حکیم محمد یٰسین خواجہ دیو بندی، ساکن موضع کرم علی والا، تحصیل شجاع آباد، ملتان نے اپنی کتاب ”بیاضِ مدنی“، جو کہ عملیات کی مشہور کتاب ”شمس المعارف“ کے آخر میں ضمیمے کے طور پر دار الاشاعت، کراچی سے شایع ہوئی ہے، اس میں اکابر علماء دیو بند کے عملیات جمع کیے گئے ہیں۔ اس کے صفحہ ۶۲۷ پر لکھتے ہیں:

”مجھے ۲۹ جمادی الاول ۱۳۹۰ھ / ۳۱ اگست ۱۹۷۰ء بروز سوموار مولوی محمد عبداللہ پہلوی، شجاع آبادی (دیوبندی) نے درود تاج پڑھنے کی اجازت دی اور اُن کو قاری طیّب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے طالب علمی کے دورہ حدیث کے موقعے پر اجازت دی اور ان کو مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے اور ان کو مولوی قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے اجازت دی۔“

لیکن یہ بھی لکھا کہ درود تاج میں یہ الفاظ: ”دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم“ بعد میں کسی نے شامل کردیے ہیں، اصل درود تاج شریف میں نہیں ہیں، ان الفاظ کو نہ پڑھیں۔

(بحوالہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور درود تاج شریف)

اس وقت سے یہ اعتراض بڑے زور وشور سے چلا آرہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ حضرت ادیبؔ رائے پوری کے درجات بلند فرمائے کہ اس اعتراض کی تمام عمارت کو موصوف نے اپنی تحقیقی کاوش سے، جو مستند حوالوں پر مشتمل ہے، مسمار کردیا۔

حضرت علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے جعفر شاہ پھلواروی کے اسی اعتراض کا نہایت عالمانہ انداز میں جواب تحریر فرمادیا لیکن ادیبؔ رائے پوری نے درود تاج میں تحریر اٹھاون القاب ”سیّدنا ومولٰنا“ سے ”نور من نور اللہ“ تک ایک ایک لفظ کی جس طرح تشریح فرمائی وہ ان کا عظیم علمی کارنامہ ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی علمی وتحقیقی کوششوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آپ کی علمی وتحقیقی کوششیں جاری وساری رہیں، اس کے لیے اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ نئی نئی تحقیق، جس پر موصوف مزید کام کررہے ہیں، منظرِ عام پر آئیں اور یہ کوششیں ان کی نجات کا ذریعہ بن جائیں۔

اللّٰھم آمین یا ربّ العالمین بحرمة سیّد الانبیاء والمرسلین
صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم

شرح درود تاج میری نظر میں

تبصرہ نگار: حضرت علامہ مولانا محمد حسن حقانی اشرفی

شخصیت:

محترم سیّد حسین علی ادیبؔ رائے پوری سے میری ملاقات پہلی بار قاری رضا المصطفٰے صاحب، خطیب جامع مسجد بولٹن مارکیٹ، کراچی کے یہاں ہوئی تھی۔ یہ اب سے تقریباً تیس برس قبل کی بات ہے، گویا یہ اب سے تیس سال چھوٹے تھے۔ پھر وقتاً فوقتاً ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ میں ایک ادیب و پروفیسر سے زاید واقف نہیں تھا۔ کئی سال اس اثناء میں گزرے کہ کہیں باہمی ملاقات کی نوبت نہ آئی۔ ۸۲ء میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کانفرنس کے حوالے سے ادیبؔ رائے پوری کو ایک دوسری حیثیت سے دیکھنے کا موقع ملا جب موصوف نے امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کارنامے اور عظیم اجتہادی بصیرت کو مختلف کتبوں وغیرہ کی شکل میں نشتر پارک میں نمایش کا خوبصورت انتظام کیا تھا۔ وہ ان کا ایک اور رُخ تھا۔

اور پھر میرے مرشدِ گرامی، تاجدارِ طریقت، رہبرِ شریعت حضرت سیّدنا ابوالمسعود سیّد محمد مختار اشرفی جیلانی کچھوچھوی (بھارت) پاکستان تشریف لاکر اپنے محبوب خلیفہ شیخ ہاشم رضا صاحب اشرفی کے یہاں قیام فرما ہوے اور ایک تقریب کے سبب ادیبؔ رائے پوری کا کلام نعت ومنقبت اردو، فارسی میں سنا تو طبیعت نے ایک اور زاویہ تلاش کرلیا۔ یوں ہاشم رضا صاحب کے یہاں ہر تقریب میں میری ان کی ”مڈبھیڑ“ ہوتی رہی۔ میں نے ان کو کیسا پایا، یہ تو آیندہ تبصرہ وتاثرات کے ضمن میں آشکار ہوجائے گا، مجھے درود تاج کی تشریح پر تبصرے کے لیے جو پابند کیا تو میں حیران تھا کہ ان کو اس عظیم کارنامے پر تبصرے کے لیے کوئی اور نہ مل سکا۔ میرے خیال میں میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار یا ظاہری ٹیپ ٹاپ سے دھوکا کھا گئے۔ بہرحال جب میں نے درود تاج کی تشریح وتفسیر پڑھی تو اوّلاً

میرا خیال تھا کہ سرسری دیکھ کر دو چار جملے رسمی لکھ دیے جائیں گے، اور یہی کچھ توقع ادیبؔ رائے پوری صاحب کو بھی تھی، مگر جب پڑھنا شروع کیا تو پڑھتا رہا، سر دھنتا رہا۔ انہماک اتنا بڑھا کہ دو چار دن کی چھٹی بھی کرنا پڑی کہ بڑے ذوق و جستجو کا سامان مل گیا بلکہ تسلی و اطمینانِ قلب کی دولت ہاتھ آ گئی۔ بالاستیعاب پڑھا اور وقفے وقفے سے۔ تا کہ ہر بار ایک نئی لذت سے بہرہ ور ہوتا رہوں۔ مجھے اس بات کا کھٹکا یا خدشہ ہے کہ تبصرہ از خود کوئی متوازی کتاب نہ بن جائے اس لیے جذباتِ قلبی کو کافی باندھ کر اور قابو میں رکھ کر تاثرات لکھے ہیں۔ اس میں کوئی خود تحسینی پہلو نہیں ہے بلکہ ادیبؔ رائے پوری کی علمی و ادبی، تحقیقی، تدقیقی اور شاعرانہ شخصیت کا رعب و دبدبہ ہے کہ شعوری اور غیر شعوری طور پر خوب داد و تحسین دینے کے لیے اپنے آپ کو بے چین پاتا ہوں۔ بہرحال ادیبؔ رائے پوری کی شخصیت ظاہری حسن سے زیادہ باطنی اور روحانی حسن کا مرقع ہے۔ ان کی یہ کتاب دراصل اوّل خلایق رسول اللہ ﷺ کے سمندری فیض سے لے کر قادری، چشتی، سہروردی و نقشبندی دریاؤں کے فیض کا نچوڑ اور ناموسِ مصطفیٰ ﷺ، محبتِ مجتبیٰ ﷺ اور عشقِ لاثانی کا خلاصہ ہے۔ **اللّٰھم زد فزد**، آمین۔

درود تاج — تحقیق، تشریح:

یہ کسی بزرگ کے عاشقانہ قلبی واردات کا نتیجہ ہے، جذباتِ بے چین کا ثمرہ ہے۔ اس مسجع اور مقفیٰ نثری شاعری کا کون موجد ہے؟ اس کو ادیبؔ رائے پوری صاحب نے بڑے بہترین انداز سے ثابت کیا ہے کہ قدیم زمانے سے یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ نایاب و نادر کتب و تصانیف کے مصنفین کے اسمائے گرامی پردہ اخفا میں رہے ہیں کہ غالباً جس سے اجر لینا ہے وہ خوب جانتا ہے، جس کی نظرِ توجہ اور نگاہِ کرم کی ضرورت ہے وہ خوب جانتا ہے، اور جانتے ہیں کہ نام نہ بھی آئے تو پہچان لیے جاتے ہیں۔ اسی بناء پر یہ **درود تاج** بھی اسی لحاظ سے زیرِ بحث ہے کہ کس ذاتِ والا صفات کی کاوشوں کا ثمر ہے۔ جن کو عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی چنگاری بھی نہ ملی وہ تو اس پر عربی زبان و ادب اور صرف و نحو کے حوالے سے تنقید و انکار کے بھالے چلاتے رہے اور فصاحت و بلاغت کے حوالے سے کوئی بھی مقام دینے کے لیے تیار نہ تھے مگر ایک طرف غزالیِ زماں، رازیِ دوراں علامہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و ادبی، صرفی و نحوی تشریح اور فصاحت و بلاغت کی تفسیر سے اس **درود تاج** کا حسن نکھرا تو دوسری طرف ادیبؔ رائے پوری کی ''ہمہ جہت'' توضیح سے بہت سے

نادیدہ گوشے بے حجاب ہوگئے۔

ادیبؔ رائے پوری کی تحقیق کا یہ نچوڑ مجھے بہت ہی اچھا لگا کہ سیّدنا ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خصوصی درود کو حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر کے سندِ قبولیت حاصل کی ہے۔

مثلاً آپ نے **درود تاج** کے لیے بارگاہ نبوی ﷺ میں پیش ہو کر جو اجازت طلب کی وہ آپ کی تصنیف ہی کے لیے ہو سکتی ہے۔ یہ خیال کسی طرح کمزور نہیں ہے کیوں کہ عرب کے دستور اور روایات کی ایک ''طویل'' داستان اس کے پیچھے رہنمائی کرتی نظر آتی ہے۔

درود تاج کا مصنف کون ہے؟ چنانچہ یہ **درود تاج** کسی عام شخص کا نہیں بلکہ خواجہ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس کی تشریح و توضیح ادیبؔ رائے پوری نے فرمائی ہے۔ زیرِ نظر تبصرہ کتاب میں **درود تاج** میں وارد ہر لفظ کی علیحدہ علیحدہ تحقیق کر کے اس کو دلایلِ قاہرہ اور براہینِ کثیرہ سے درست بلکہ فصیح و بلیغ معانی کا دریا، مطالب کا سمندر ثابت کیا ہے اور ''مقدمہِ کتاب'' اور ''بدعت'' کے لفظ کی تحقیق کے ساتھ ہی بعض الفاظ جیسے ''نور''، ''مولنا''، ''مصباح''، ''راحت العاشقین'' وغیرہ کی تحقیق بڑی پسند آئی۔

ادیبؔ رائے پوری نے اس ضمن میں بڑی کاوش، عرق ریزی اور بڑی گہرائی میں جا کر تحقیق کے موتی نکالے ہیں۔ ان موتیوں کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

استدلال:

عام طور پر **درود تاج** کے ہر لفظ کو برمحل، مناسب اور مدح و ثناء کے لیے انتہائی تاریخی الفاظ قرار دیتے ہوئے دلایل کے انبار لگائے ہیں۔ ان سے موصوف کے علم، فہم و فراست، مہارت و ذہانت، تجربے اور گہرائی اور ہمہ گیری کا پتا چلتا ہے۔

مثلاً: (۱) ایک دلیل اردو کے مُسلّم الثبوت اساتذہ شعرائے کرام کے کلام سے، (۲) فارسی شعراء کے کلام بلاغت نظام سے، (۳) عربی شعرائے کرام کے فصاحت و بلاغت نظام اشعار سے، (۴) قرآنِ کریم کے متن، تاریخی پس منظر، شانِ نزول سے رہنمائی حاصل کر کے، (۵) احادیثِ کریمہ کے متن اور شراح کی وضاحت کی دلیل سے، (۶) عظیم صوفیاء و اتقیاء کے ملفوظات سے، (۷) عشاق اور مستانوں کی عبارات سے۔

غرض دلایل کا ایسا انبار لگا دیا کہ حقِ تفسیر و تشریح ادا کر دیا بلکہ اردو، فارسی، عربی

زبان، دینی علم سے واقفیت ہی نہیں بلکہ مہارت کا ثبوت دیا۔

پھر اس پر مستزاد ادیبؔ صاحب کے اندر کا ''ادیب'' بھی خاموش نہ رہا اور جو دلایل ایجاد بندہ کے ضمن میں آتے ہیں ان سے بھی بھرپور مزین ہو کر حقِ غلامیِ رسول ﷺ ادا کرنے کی کوشش کی بلکہ حقِ غلامی اور حقِ نمک ادا کر دیا۔ کاوش مقبول ہے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

انداز استدلال:

مثلاً لفظ ''صاحب'' (صاحب التاج) پر جو تحقیق فرمائی ہے (مقدمہ کتاب میں) اور معترض کو ''منہ توڑ'' جواب دیا ہے اس کی ایک جھلک جو مجھے بے حد پسند آئی:

''ہر لفظ میں عز و شرف اس کے لغوی معنی میں نہیں بلکہ ان کے متعلقات سے ہوتا ہے، مثلاً: ''ہجرت''، جس کے معنی ترک وطن کے ہیں، یہ عمل (ترک وطن) اپنے متعلقات کے سبب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بھی ہو سکتا ہے، تجارت کے لیے بھی اور کسی عورت سے شادی کے لیے بھی۔ لفظ ہجرت میں عز و شرف لغوی معنی کے اعتبار سے نہیں اپنے متعلقات کے سبب ہوگا۔''

کیا خوب! ادیبؔ صاحب کے طرز استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ جو لغوی معنی بھی رکھتا ہو اس کی عظمت اور وقار یا حقارت، کمتری منسوب الیہ کے حوالے سے ہی متعین ہوتی ہے۔ مثلاً لفظ ''غلام'' جب سرکار دو عالم ﷺ کی ذات سے منسوب ہوا تو معتبر، باوقار ہو گیا کہ نسبت سے غلام کو شرف مل گیا۔ اسی طرح ''عشق'' جب محبوب دو عالم ﷺ کی طرف منسوب ہوا تو توقیر پا گیا۔ خیال رہے کہ نسبت صحیح اور معتبر، ورنہ عاشق تو کیا بوالہوس کہلائے گا۔ اسی طرح قادیانی مرتد غلام کی جعلی (غیر معتبر و غیر صحیح) نسبت (احمد ﷺ کی طرف) لگا کر باتوقیر نہیں ہو سکتا، اس کے لیے صدیقیت، فاروقیت، سخاوت، شجاعت والی اصلی غلامی درکار ہے۔ ''ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی''۔

خلاصہ یہ کہ ہر دلیل وزنی، ہر انداز نرالا، ہر تحقیق قیمتی اور ہر ادا دلربا اور نرالی ہے۔

یہ ہے درود تاج کی تشریح و توضیح۔

ایسے ہی اچھوتے انداز آپ کو جا بجا اس کتاب میں، اس کاوش میں، اس شرح میں، اس عرضداشت میں مل جائیں گے۔ پڑھنے والا اور ہر قاری اپنے ذوق فہم اور شوق

طبع کے مطابق لذت پائے گا، لطف اٹھائے گا۔

ادیبؔ رائے پوری صاحب کی یہ کاوش بھی انشاء اللہ ''مشکوٰۃ النعت'' کی طرح مقبول ہوگی کہ وہ بھی قلم کاری، مضمون نگاری، معنی آفرینی اور عنوان کی مناسبت سے ایک روشن طاق (مشکوٰۃ) ہے جہاں سے عشق کی، عقیدت کی، طریقت کی اور حقیقت و معرفت کی روشنی پھوٹ رہی ہے اور تحقیق و فکر و نظر کے رنگا رنگ قمقمے جھلمل جھلمل کر رہے ہیں۔

ادیبؔ رائے پوری صاحب نے درود تاج کی تشریح پر قلم اٹھا کر، اپنے وقت کو اس طرف لگا کر بقیہ اوقات ماضیہ کو بھی بیش قیمت اور گراں بہا بنا لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس تشریح کے پڑھنے کے ساتھ جہاں اس کی اہمیت اجاگر ہوئی ہے وہاں اس کا ورد کرنا زندگی کا خلاصہ نظر آنے لگا۔ یہ بھی ایک کمال ہے کہ الفاظ کی تصویر اتنی عمدہ اور نمایاں ہو کہ اندر کے سارے خدوخال طشت ازبام ہو جائیں۔ سو ادیبؔ صاحب اس فن میں بھی کامیاب ہیں کہ ''معروف'' معانی میں عالم و فاضل نہیں مگر حقیقی اصلی معانی میں علم و فضل کا پیکر اور فہم و فراست کا مجسمہ ہیں، محقق ہیں، نقاد ہیں، ساتھ ہی کسی کے غلام ہیں، کسی کے شیدائی ہیں۔ ہر مقام کے حوالے سے جبین و نظر کی پستی و بالا قابلِ دید و قابلِ تعریف ہے۔

ہے غور طلب عشق کی پستی و بلندی
دستور جبیں اور ہے آئینِ نظر اور — سیماب اکبر آبادی

کچھ لوگ یہاں آ کر سیکھتے ہیں، کچھ وہاں سے سیکھے سکھائے بھی تو آتے ہیں کہ قدرت کا یہ بھی تو ایک کرشمہ ہے۔

حضرت ﷺ کا علم، علمِ لدنی ہے اے امیرؔ
حضرت ﷺ وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے — امیر مینائی

ان ﷺ ہی کے صدقے میں تو ولایت بھی وہبی ہوئی، فراست بھی وہبی ہوئی، تحقیق بھی وہبی، تشریح بھی وہبی، کاوش بھی وہبی، فیضان بھی وہبی، قربت بھی وہبی، محبت بھی وہبی اور عقیدت بھی وہبی۔ دینے والے کی دین، جھولی ہی اپنی تنگ ہے اس کے یہاں کمی نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا (خیبر کا دروازہ تنِ تنہا اکھاڑنے کے بعد):

ما اقتلعت بالقوۃ الجسدانیۃ بل اقتلعت بالقوۃ الروحانیۃ۔

''(یہ دروازہ) میں نے جسمانی طاقت سے نہیں روحانی طاقت سے اکھاڑا۔''

یہ کام بھی روحانی قوت اور فیضِ نورانی کا ثمرہ ہے۔

کلمات تحسین ودعا:

حق یہ ہے کہ ادیبؔ صاحب نے ایک حق ادا کر کے بہت سے حقوق ادا کر دیے اور بہت سے بلکہ بے شمار حقوق حاصل کر لیے۔ جس طرح علامہ خواجہ ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمۃ و الرضوان الف الف مرۃ نے حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر کے حقِ غلامی ادا کیا، اسی طرح اس بارگاہ سے شرف قبولیت حاصل کر کے مرضی نبوت کا حق حاصل کر لیا۔ انشاء اللہ یہ کوشش اور سعی بھی بامراد، مقبول اور منظور ہو کر حضور ﷺ سے حقِ شفاعت اور مولائے کائنات علیہ السلام سے رحمتِ عمومی وخصوصی دونوں کا حق حاصل کرادے گی۔

میں تو کہتا ہوں حق حاصل کرا دیا، رسمی کارروائی ہونا ہے۔

ہاتھ یوں تو خالی ہے، عمل کی دولت نہیں، جو کمایا سو گنوا دیا، آخری وقت میں تیرے محبوب ﷺ کے کمالات پر ڈاکا ڈالنے والوں، تیرے معجزات کے منکروں، تیرے اسمائے حسنہ میں عیب نکالنے والوں اور تجھ کو بے بس ایک سادہ سا بشر گمان کرنے والوں سے خوب قلمی بدلہ لیا، فکری مقابلہ کیا، تحقیقی مجادلہ کیا، تشریحی مناظرہ کیا، استدلالی مکالمہ کیا۔ تیری ذات، تیری صفات، تیرے حسن، تیرے جمال جہاں آرا کو بے حجاب کیا، بے غبار کیا، پاکیزہ کیا، صاف ستھرا کیا، سو مجھے بھی (ادیبؔ کو) صاف ستھرا بنادے، پاکیزہ کر دے۔ اس خدمت کو توشۂ آخرت اور فلاح دارین بنادے کہ تو نایب ہے، خلیفۂ اعظم ہے، خلاصۂ کائنات ہے، مظہرِ ذات ہے، مظہرِ صفات ہے اس خدائے لم یزل کا جس کا خزانہ کبھی خالی نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ادیبؔ رائے پوری صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس سعیِ بلیغ کا بہترین اجر بصورت رضا و دیدار خود عطا فرمائے، آمین۔ بجاہ سید المرسلین و بوسیلۃ المشائخ الکرام من السلاسل الاربعۃ واتباعھم۔

پیغامِ سرمدی

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
صدر شعبۂ عربی، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد

''محبت'' انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ یہ ایسا قلبی تعلق اور ذہنی جھکاؤ ہے جو روابط کی متضادات حیثیت کے حوالے سے مختلف افراد کے ساتھ قایم ہوتا ہے۔ نسبی تعلق، معاشرتی اخوت، ذہنی ہم آہنگی اور مقاصد کا اشتراک اس کے محرک بنتے ہیں۔ اسلام ان محبتوں کی نفی نہیں کرتا بلکہ انھیں اپنے محدود دائروں میں نشوونما دینا چاہتا ہے مگر یہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ یہ اپنے حدود سے متجاوز نہ ہوں۔ اسلام کے نزدیک محبتوں کا مرکزِ اصلی اور نقطۂ عروج اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی محبت ہے۔ اسلام اصرار کرتا ہے کہ اس محبت کو فوقیت اور برتری حاصل رہے۔ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت ہر صاحبِ ایمان پر فرض ہے۔ محبت اطاعت کی روح بھی ہے اور محرک بھی۔ جذباتِ محبت ہی اطاعت کو وقار بخشتے ہیں۔ یہ بھی کہ اطاعت ایمان کا ثمرہ ہے اور ایمان بغیر محبت متحقق ہی نہیں ہوتا۔ ارشاد نبوی ہے:

''لا یؤمن احد کم حتیٰ اکون احبّ الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔''

ترجمہ: تم میں سے کوئی صاحبِ ایمان نہیں ہے جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اور تمام انسانوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں۔

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، عن انس رضی اللہ عنہ بن مالک، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ رسول اللہ ﷺ، عن انس رضی اللہ عنہ بن مالک)

حلاوتِ ایمان کی حدیث میں "مما سواھما" ارشاد فرما کر دیگر ممکن مراکزِ محبت کا بھی ذکر کر دیا تا کہ فرار کی کوئی راہ باقی نہ رہے، اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کہیں اس مطلق حکم سے کوئی جواز کی صورت نہ نکال لی جائے اور محبتِ رسول ﷺ میں کوتاہی سرزد نہ ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اظہار کے ذریعے اس کا ازالہ کرا لیا، عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! بے شک آپ ﷺ مجھے ہر شے سے سوائے اپنی جان کے محبوب ہیں۔" رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لاوالذی نفسی بیدہ حتیٰ اکون احبّ الیک من نفسک۔"

"نہیں، اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، حتیٰ کہ میں تمھیں تمھاری جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں۔" حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فوری عرض کیا: "واللہ لانت احبّ الیّ من نفسی۔" "اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ تو مجھے میری جان سے بھی محبوب تر ہیں۔" اس پر تصدیق ہوئی: "الان یا عمر۔" "اب بات بنی اے عمر رضی اللہ عنہ۔"

(صحیح بخاری، کتاب الایمان و باب کیف کان تحسین النبی ﷺ، عن عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ)

اس واضح ارشاد نے ثابت کر دیا کہ محبت شراکت برداشت نہیں کرتی۔ محبت جذبہ صادق ہے اور صدق دوئی پسند نہیں۔ حبیبِ کبریا ﷺ کی محبت ایسی یکسوئی چاہتی ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ قرآن مجید نے محبت کو ایمان کی بنیاد قرار دیا اور ایمان شرک سے منزہ ہے۔ اس لیے محبتِ رسول ﷺ نہ کوئی شراکت برداشت کرتی ہے اور نہ ہی کسی قسم کی مداہنت۔ محبت اپنے مظاہر میں پوری زندگی کو محیط ہوتی ہے۔ ہر لحہ اور ہر رویہ محبت کی مہکار سے فروزاں ہوتا ہے۔ اگر دل محبت سے مخمور ہے تو زبان انھیں کے ترانے گانے میں لذت پاتی ہے۔ یہ محبت کی پرانی ریت ہے کہ وہ دل میں مسکن بناتی ہے تو زبان اس کے اظہار کے لیے عمدہ سے عمدہ انداز مدح اختیار کرنے کو بے تاب رہتی ہے۔ مولانا آزاد نے کہا تھا: "یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو نام دل کو محبوب و محترم ہو وہ زبان پر گزرے اور محبت و احترام سے خالی ہو۔" (الہلال، ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۲ء، ص ۱۱)

ایک محدّث سے جب حدیثِ نبوی ﷺ سے لگاؤ کا سبب پوچھا تو کہنے لگے:

"اس لیے کہ اس میں بار بار قال رسول اللہ ﷺ کا جملہ آتا ہے اور اس طرح اس اسمِ گرامی کے ذکر اور اس پر درود وصلوٰۃ عرض کرنے کی تقریب ہاتھ آ جاتی ہے۔"

(حوالہ مذکورہ)

درود ایک فریضہ بھی ہے کہ اس کا حکم دیا گیا ہے اور اظہارِ محبت کا محفوظ تر ذریعہ بھی۔ دربار خواجہ گیہان ﷺ کی حاضری ہو، جذبات مچل رہے ہوں، زبان کو عرضداشت کے الفاظ نہ مل رہے ہوں، باطن میں کہرام بپا ہو مگر اظہار پر پہرہ ہو تو ایسے لمحوں میں درود و سلام کی پناہ ہی کام آتی ہے کہ جذبات کو پابندِ آداب رکھنے کا یہی ذریعہ ہے۔ درود و سلام کا فیضان ہی سکون عطا کرتا ہے۔ یہ سکون انسانی زندگی کو ہر آن حاصل رہنا چاہیے کہ اسی سے برکات کا نزول ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا دربارِ صدیقیت سے: "قال: الصلوٰۃ علی النبی ﷺ امحق للخطایا من الماء للنار والسلام علی النبی ﷺ افضل من عتق الرقاب۔" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "نبی اکرم ﷺ پر درود گناہوں کو مٹا دیتا ہے اس پانی سے بڑھ کر جو آگ بجھاتا ہے اور نبی ﷺ پر سلام قیدی آزاد کرنے سے افضل ہے۔"

(طبقات الشافعیہ، علامہ السبکی، الجزء الاول، ص ۹۲)

اسی لیے درود پڑھنے کے مواقع تلاش کیے جاتے ہیں کہ انسانی زندگی کی ہماہمی اس سے غافل نہ کر دے۔ نام مبارک آئے تو درود ضرور پڑھا جائے کہ سماعتوں کا خراج بھی ہے اور نطق کی طہارت بھی۔ "رغم انف امرء ذُکرت عندہ فلم یصلّ علیّ۔"

"ذلیل ہوا وہ انسان جس کے پاس میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔"

(الترمذی جلد ثانی، ابواب الدعوات، ص ۶۱۲)

یہی نہیں، خود کلام کرنا ہو، گفتگو کی ابتداء کرنا ہو، نقلِ افکار کی منزل ہو یا ربطِ باہم کا کوئی مرحلہ، ابتداء درود ہی سے ہونا لازم ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ ارشادِ نبیِ رحمت ﷺ بیان فرمایا: "کلّ کلام لا یُبدأ فیہ بحمد اللہ والصلوٰۃ علیّ فھو اقطع ابتر ممحوق من کل برکۃ۔" "ہر کلام جو اللہ تعالیٰ کی حمد اور مجھ ﷺ پر درود سے شروع نہ کیا جائے وہ غیر متصل، بے نشان اور ہر برکت سے بے توفیق ہوتا ہے۔"

معلوم ہوا حمد وصلوٰۃ سے ابتداء ہو تو اتصالِ معنی، ربطِ کلام اور برکات کے نزول کی حتمیت قایم ہوگی اور رحمتوں کا ہالہ ایسے کلام کی پناہ ہوگا۔ اس لیے یہ سلیقہ سمجھایا گیا کہ "اذا صلیّ احد کم فلیبدأ بتحمید ربه والثناء علیه ثم یصلّی علی النبی ﷺ ثم یدعو بعد بما شاء۔" یعنی جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو ربّ کی حمد وثناء سے ابتدا کرے پھر نبیِ اکرم ﷺ پر درود پڑھے پھر اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے۔

(جلاء الافہام، حافظ ابنِ قیم، ص ۲۳)

صرف کلام پر کیا موقوف، اہلِ قلم جب کسی مضمون یا کتاب کی ابتداء کریں ان کو بھی اہتمام کرنا چاہیے کہ یہ دایمی برکات کا ذریعہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"من صلّی علیّ فی کتاب لم تزل صلاته جاریة له مادام اسمی فی ذلک الکتاب۔" "جس نے کسی تحریر میں مجھ پر درود پڑھا اس کا درود اس وقت تک لگاتار ادا ہوتا رہے گا جب تک میرا نام اس تحریر میں موجود ہوگا۔" (طبقات الشافعیة الکبریٰ، الجزء الاول، ص ۹۳) "جلاء الافہام" میں یہ خوشخبری بھی موجود ہے کہ جب تک تحریر یا کتاب میں میرا نام رہے گا فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔

(ص ۳۵)

یہ بھی یاد رہے کہ اگر یہ برکت حاصل کرنے میں کوتاہی ہوئی تو نقصان بہت ہے اور اس پر تنبیہ بھی روایت ہوئی ہے، ارشاد ہے: "من نسی الصلاة علیّ خطئی طریق الجنة۔" "جو مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا وہ جنت کا راستہ بھول گیا۔"

(جلاء الافہام، ص ۶۵)

علمائے امت نے ہر دور میں درودِ پاک کی کثرت کا درس دیا ہے کہ یہ پیغام سرمدی ہے جو زبانوں کو ہم سخنی، بینائی کو ہم نظری اور قلوب واذہان کو ہم مشربی کی دعوت دیتا ہے جس سے امت کا اتحاد اور ملت کی وحدت نمو پاتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تلقین فرمائی کہ "واحضر فی قلبک النبی ﷺ وشخصه الکریم وقل السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته۔"

"نبیِ اکرم ﷺ اور آپ کی کریم شخصیت کو دل میں حاضر پاؤ اور کہو: اے نبی ﷺ! آپ پر سلام، اللہ تعالیٰ کی رحمت وبرکات ہوں۔" (احیائے علوم الدین ج ۱، ص ۹۹)

ان تعلیمات کے اثرات ہی تھے کہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۴۵ھ) نے حیاتِ مستعار کے آخری لمحے میں فرمایا:

"الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول الله، الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول الله۔" یہاں تک کہ دم چھوٹ گیا۔

(مآثرِ لاہور، منشی محمد دین فوق، نقوش، لاہور، ص ۲۸۷)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ مناسب یہ ہے کہ ہر خطبہ، ہر کام شروع ہو تو حمد وثناء کے ساتھ درود پڑھا جائے (مطالعہ المسرات، ص ۹)۔ اس لیے مسلمان مصنّفین میں یہ عادت راسخ ہوگئی کہ وہ نثر یا نظم ہر ایک کی ابتداء حمد وصلوٰۃ یا نعت سے کرتے۔ مولانا مودودی فرماتے ہیں: "کثرتِ درود ایک پیمانہ ہے جو ناپ کر بتا دیتا ہے کہ دینِ محمد (ﷺ) سے ایک آدمی کو کتنا لگاؤ ہے اور نعمتِ ایمان کی کتنی قدر اس کے دل میں ہے۔"

(ماہنامہ شام وسحر، نعت نمبر، ص ۳۱۶)

صوفیائے کرام کے ہاں درود کی کثرت معمول ہے۔ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر یقین رکھتے ہیں جس میں نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "من صلّی علیّ واحدة صلّی الله علیه عشراً۔" "جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔"

(صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، ص ۱۷۵۔ الترمذی، ابواب الثاقب، ص ۲۲۴)

حضرت امام ابو محمد عبداللہ بن محمد بن سلیمان الجزولی السملالی الشریف الحسینی "دلایل الخیرات" کے مصنف ہیں۔ ہمہ وقت درود وسلام میں محویت ان کا معمول تھا۔ ۸۷۰ھ کے قریب انتقال ہوا مگر مدت تک دفن نہ کیے گئے۔ لاش تابوت میں رہی، ۸۹۰ھ کے بعد دفن کیے گئے۔ پھر ستر سال بعد وہاں سے نکال کر مراکش لے جائے گئے اور ریاض العروس میں دفن ہوئے۔ اس قدر طویل عرصے کے باوجود لاش پر کوئی تغیر نہ آیا

تھا، لوگ سمجھتے تھے کہ ابھی ابھی وصال ہوا ہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۷، ص ۲۲۸)۔ نواب صدّیق حسن خان لکھتے ہیں کہ جسم بالکل سالم تھا حتیٰ کہ ''اثرِ حلق از موی سر و ریش ظاہر شد گویا امروز اصلاحِ خط کردہ است۔'' مزید لکھتے ہیں کہ ''گویند از مزار او رائحۂ مشک می آید بسببِ کثرت صلوٰۃ بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔'' (اتحاف النبلاء ص ۲۸۲)
درودِ پاک کی فرضیت، استحباب اور خوش آیند اثرات ہی کا نتیجہ تھا کہ صوفیاء، علماء، فقہاء حتیٰ کہ عوام الناس کے ہاں درود کی محافل کا اہتمام کیا جاتا رہا اور حسبِ استطاعت درود پیش کرنے کے انداز، کلمات اور طرزِ ادا میں اضافے ہوتے رہے۔ ہر صاحبِ علم اور ہر صاحبِ منزلت نے درود کے زمزمے قالب بدل کر دربار خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیے۔ محبت کی یہ پرانی رسم ہے کہ محبوب کو خوبصورت الفاظ اور عمدہ کلمات سے یاد کیا جاتا ہے۔ عموماً اظہارِ محبت میں مروجہ اسماء اور قالب ہی کا سہارا لیا جاتا ہے مگر بعض اوقات جذبے کی شدت اور اس کی خصوصی کیفیت نئے اسماء و القاب اور جدید تر پیراہن تراشنے پر مجبور کرتی ہے تاکہ اظہار میں اپنائیت کا عنصر نمایاں ہو جائے۔ درود کی عبارات کا تنوع اسی جذبہ اپنائیت کا مظہر ہے۔ ''حزب البحر'' یا ''دلایل الخیرات'' اسی جذبے کے روشن حوالے ہیں۔ **درود تاج** بھی محبت کی رواں دواں آبشار ہے جس میں جذبے اور پیراہن میں پیوستگی کی بہار ہے۔ لفظ رواں، معانی گل بداماں اور اسلوب دریائے نور کا عکسِ جمیل۔ جب سے درود کا یہ آہنگ سامنے آیا ہے اہلِ محبت سے خراج وصول کر رہا ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ہمارے کرم فرما، راہِ محبت کے آداب آشنا ادیب اور نثر و نظم میں قلم و قرطاس کے مشاق ثناء خواں جناب ادیبؔ رائے پوری نے **درود تاج** کی تفسیر و تشریح کا کارِ عظیم سرانجام دینے کا ارادہ کر لیا اور بالفعل اس بارگراں سے بحسن و خوبی سبکدوش ہوئے تو دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ اس مردِ درویش کو مزید قوت و ہمت عطا کرے کہ دلجمعی اور سلیقے سے کام کرنا انھی کا حصہ ہے۔

جناب ادیبؔ رائے پوری نے **درود تاج** کے مصنف کے حوالے سے شاہ سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''صلوٰۃ و سلام'' سے ایک خواب نقل کیا ہے اور **درود تاج** کی اجازت کے ضمن میں حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی دربارِ رسالت سے منظوری کا ذکر کیا

ہے اور اس ضمن میں اشارۃ النص سے اس درود کی نسبت حضرت شاذلی علیہ الرحمۃ سے جوڑی ہے جب کہ مولانا جعفر شاہ پھلواروی کا انکار اور اعتراض بھی بیان کیا ہے۔ یہ ساری بحث دلچسپ ضرور ہے مگر **درود تاج** کی حیثیت متعین کرنے کے لیے لازم نہیں۔ نہ ماننے والوں کا اپنا مزاج ہے اور تسلیم کرنے والوں کا اپنا رویہ۔ یہ ایک ضمنی بحث تک محدود ہے۔ **درود تاج** کس نے تصنیف کیا؟ یہ ایک موضوعِ تحقیق مسئلہ ہے مگر اس کے اثرات کو متنِ درود پر وارد کرنا تحقیق نہیں۔ یہ شعر زہیر کا ہے یا نابغہ کا؟ یہ علمائے ادب کا مسئلہ ہوگا، قاری شعر کا نہیں۔ اسے تو حظ لینا ہے اور شعر یہ فرض ادا کرنے کے لیے موجود ہے، ہاں متن پسندیدہ نہ ہو اور کسی صاحبِ ارادت بزرگ کی بے ساکھی اس لیے مہیا کی جائے کہ جو کہا گیا وہ قبول کر لیا جائے تو یہ حقیقت کی دریافت کا مرحلہ نہیں پسندیدگی کو تحقیقی عمل کا سہارا دینا ہے۔ **درود تاج** صدیوں سے رائج ہے، علماء و صوفیاء کی محافل کی زینت ہے اور عقیدت مندی کے جذبات کی افزایش کا ذریعہ ہے۔ یہ کس کا ہے؟ ''درود'' ان لفظی موشگافیوں اور نسبت کی خیال آرائیوں سے بلند تر ہے۔ امام ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے یا کسی گوشہ نشیں مستِ الست کی قلبی پکار ہے! علماء کو اپنا کام کرنے دیجیے مگر اہلِ اسلام کو اس کے فیوض و برکات سے متمتع ہونے دیجیے اور ان بحثوں سے ان کے ذوقِ لطیف کو مکدّر نہ کیجیے۔

جناب ادیبؔ رائے پوری نے **درود تاج** کے ہر لفظ اور ہر عبارت کو واضح کرنے کا خوبصورت اہتمام کیا ہے۔ معاجم سے استشہاد، علمائے عربیہ سے استناد اور قرآن و حدیث کے متون سے استنتاج بڑی توانائیوں کا طالب ہے اور بحمد للہ ادیبؔ صاحب پیرانہ سالی میں بھی جوانوں کا سا ولولہ رکھتے ہیں، بلکہ ان سے فزوں تر قوت کے مالک ہیں۔ اس محنت کا ثمر ہے کہ اب قاری ''درود'' کی برکات کو قریب تر محسوس کرے گا اور جذبوں کی حدت عقل و فکر کو بھی لَو دینے لگے گی۔ یوں یہ محافل کا وظیفہ دلوں پر بھی دستک دے گا اور عقل و خرد کو بھی جلا بخشے گا۔ ادیبؔ صاحب نے علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سے بار بار استشہاد کیا ہے اور یہ خوشہ چینی عقل و فکر کے کئی باب وا کر گئی ہے۔ عربی کے ایک طالب علم کی حیثیت سے لغوی پیچیدگیوں کو جس سلاست سے حل کیا گیا اس سے علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور

زیادہ دل کے قریب ہوگئی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ کے تمام تحقیقی جوہر پاروں کو مکمل شکل میں درود تاج کی شرح کے ساتھ لگا دیا جائے، اس سے ایقان کی کئی منزلیں طے ہوجائیں گی۔ ادیبؔ صاحب نے درود تاج پر اعتراضات کا بار بار ذکر کیا اور عقیدتوں کی تمازت کے ساتھ جوابات دیے۔ یہ ایک علمی مباحثہ ہوا، اگرچہ میں عقیدت و محبت میں بحث و مباحثہ کا زیادہ قایل نہیں کہ اس سے محبتوں کا راستہ کٹتا ہے اور یک سوئی میں خلل پڑتا ہے۔ بیانِ عقیدت کو میدانی ندی کا خرام چاہیے مناظرانہ رنگ کے ہچکولے نہیں۔ محبت یک سوئی چاہتی ہے۔ بہرحال دل کے ساتھ ذہن و عقل کو بھی غذا ملی۔

جناب ادیبؔ صاحب نے تشریحات کو اپنے ادبی ذوق سے ادب پارہ بنا دیا ہے۔ حسنِ عبارت کی بہار بھی ہے اور ایصالِ معنی کی کاوش بھی۔ درمیان میں اشعار کی جلترنگ نے عبارت کو عطر بیز بنا دیا ہے۔ اشعار کا انتخاب عمدہ سلیقے سے کیا گیا ہے۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر:

قبلۂ ذرّاتِ عالم روئے تُست
کعبۂ اولادِ آدم روئے تُست

کہ جتنی بار بھی پڑھا رُوح کو وجد آیا اور جب گنگنایا تو سماعت چٹخارے لینے لگی۔ مجھے امید ہے قارئین اس کتاب کے حسن سے اپنے قلوب و اذہان کو بھی مہکائیں گے اور سماعت و تکلّم کو بھی حلاوتوں سے آشنا کریں گے۔ اس عمدہ کاوش پر میں جناب ادیبؔ رائے پوری کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق ارزانی فرمائے، آمین!

۱۹ ستمبر ۱۹۹۷ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

درود تاج اور شرح درود تاج

ہاتفِ غیبی نے دی آواز : لکھ ، صد مرحبا!
مرحبا، شرحِ درودِ تاج ، بے حد مرحبا! — ریاض مجید

تبصرہ نگار: ڈاکٹر پروفیسر ریاض مجید (پی ایچ ڈی) فیصل آباد

درود فارسی کا لفظ ہے جس کے مفہوم کے بارے میں لغت ناموں میں حوالوں اور مثالوں سے تفصیلی گفتگو ملتی ہے۔

درود (ز) بمعنی صلوٰت است کہ از خدائے تعالیٰ رحمت و از ملائکہ استغفار و از انسان ستایش و دعا و از حیوانات و دیگر تسبیح باشد۔ (از برہان، غیاث، آنندراج، جہانگیری) بالفظ گفتن و فرستادن و رسیدن و رساندن و دادن مستعمل است۔ (ص ۵۰، جلد ۲۲)

فردوسی سے لے کر عصرِ حاضر تک فارسی زبان و ادب میں یہ لفظ کلمۂ تحسین و تعریف کے مفہوم میں مستعمل رہا ہے۔ ''شاہنامہ'' میں اس لفظ کے استعمال کی متعدد مثالیں مل جاتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کے علاوہ یہ لفظ اپنے عمومی مفہوم تحسین و تعریف کے معنی میں ''شاہنامہ'' ہی میں بیسیوں بار استعمال ہوا ہے۔ مختلف کرداروں کی تعریف میں، ان کے اخلاق، جرأت، شجاعت اور جسارت کے حوالے سے درود کا عمومی استعمال عصرِ حاضر تک مروّج ہے۔ حالیہ انقلابِ اسلامی (ایران) میں ''درود بر خمینی'' کے الفاظ کو نعرے کا درجہ حاصل رہا ہے۔

اردو زبان و ادب میں البتہ درود کا لفظ ایک اصطلاح کے طور پر مستعمل ہے اور اس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہے۔

سورہ احزاب کی آیت (۵۶) اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۔ (تحقیق اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور پاک ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی حضور پاک ﷺ پر درود اور سلام بھیجو جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے) کے نزول سے آج تک ہر عہد، زمانے اور مزاج کے اہلِ حُب نے اپنے اپنے طور پر درود مرتب کیے ہیں اور درود کی عبارتوں کو زیادہ سے زیادہ منفرد، مؤثر اور دلآویز بنانے کے لیے نہایت محنت، محبت، شائستگی اور خوش سلیقگی کا ثبوت دیا ہے۔ اگر گزشتہ چند صدیوں میں دستیاب و مستعمل درود شریف کی عبارت کا توضیحی مطالعہ کیا جائے تو محبت، سرشاری اور حکمت و حیرت کے کئی در وا ہوتے ہیں۔ احادیثِ رسول اکرم ﷺ میں ملنے والے درود، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے منسوب درود، مختلف سلاسل سے وابستہ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے مخصوص درود، اہلِ علم اور اہلِ حُب کی جانب سے ترتیب دیے گئے چھوٹے بڑے درود شریف، جن کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی ہے۔ اہلِ مروت و محبت نے ان درودی عبارتوں کے سینکڑوں مجموعے اور ہزاروں چھوٹے چھوٹے گلدستے اور کتابچے شایع کیے ہیں تا کہ اہلِ ایمان اپنے مزاج، طبیعت اور سہولت کے مطابق اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے ان سے استناد کریں اور ان عبارتوں کو اپنے معمولات کا حصہ بنالیں۔

بعض قارئین اور درود خوانوں کے لیے شاید یہ خبر انکشاف کا درجہ رکھے کہ اس باب میں (راقم کی نظر میں) سب سے ضخیم کتاب: "**مجموعہ صلوٰۃ الرسول فی صلوٰتہ و سلامہ** ﷺ" ہے جو اڑتالیس صفحات کے تیس حصوں (پاروں) پر مشتمل ہے، جسے علامہ عبدالرحمٰن ساکن چھوہر شریف، ضلع ہزارہ نے قرآنِ کریم کے پاروں کی طرز پر تیس جزوں میں مرتب کیا ہے۔ ہر جزو میں الگ الگ موضوعات پر درود شریف مرتب کیے ہیں، مثلاً:

پہلا جزو: **فی نورہ و ظھورہ** — دوسرا جزو: **فی صلوٰتہ و سلامہ**
تیسرا جزو: **فی بدنہ و اعضائہ** — چوتھا جزو: **فی لباسہ و ملبسہ**
پانچواں جزو: **فی نسبہ و حسبہ** — چھٹا جزو: **فی شرفہ و شرافتہ**
ساتواں جزو: **فی اسمائہ وصفاتہ**

اسی طرح دیگر جزو ایک تا تیس ہیں۔ آخری دو جزو اس طرح ہیں:

انتیسواں جزو: **فی لواء حمدہ و مقامِ محمودہ**

تیسواں جزو: **فی خیر خلقہ و خیر امتہ**

یہ مجموعہ دیباچہ (اردو) کے ساتھ، بقول مرتب، بارہ سال آٹھ مہینے بیس دن میں تالیف ہوا۔ مقدمے میں اس کی ترتیبی حیثیت کے بارے میں نشاندہی کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"اس میں کچھ شک نہیں کہ نفوس کاملہ کی خاص ترتیب و تعداد و اجازت ایک کیمیائی تاثیر ہوا کرتی ہے۔ آپ (مرتب) نے اس کتاب کی ترتیب تیس پاروں پر رکھی ہے اور وصیت فرمائی ہے کہ روزانہ ایک پارہ یا نصف پارہ تلاوت کیا جائے۔ فرصت کم ہو تو ربع (چوتھائی) پارہ روزانہ ورد کیا جائے۔ اگر بلاء و مصیبت اور قحط و رجاء، طاعون و شرِ ظالم میں خلق اللہ مبتلا ہو تو ایک مجلس میں اس کا ختم کیا جائے۔ تمام آفات و بلیّات سے نجات نصیب ہوگی۔"

(ص ۲۴، جلد اول، طبع سویم، ۱۹۸۲ء، مطبوعہ رحمانیہ احمدیہ، سولہ شہر، چاٹگام، بنگلہ دیش)

اس مجموعے کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۳ء میں دوسرا ۱۹۵۳ء میں شایع ہوا۔

یہ مجموعہ درود ایک جداگانہ تفصیلی مطالعے کا موضوع ہے، فی الحال اس کا حوالہ امتِ مسلمہ کی درود شریف کے موضوع سے عقیدت و محبت اور اس باب میں اہلِ حُب کی محنت و نادرہ کاری کی نشاندہی ہے۔

درود تاج کا شمار اہم ترین درودوں میں ہوتا ہے۔ درودِ ابراہیمی علیہ السلام کے بعد جن چند درودوں کو معمولات کے وظیفوں کا درجہ حاصل ہے ان میں **درود تاج** اپنی ترتیب، معنویت، نفاست اور اثر پذیری و نتائج کے حوالے سے غالباً سب سے نمایاں ہے۔ خصوصاً برِصغیر پاک و ہند کے درود خوانوں میں سالہا سال سے اس کا وظیفہ و معمول تسلیم شدہ امر ہے۔ اس کے کچھ ظاہری و باطنی اسباب ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں نشاندہی کی گئی، اس کی ترتیب و معنویت وہ محاسن ہیں جن کی وجہ سے اس کو پڑھنے میں آسانی، سرور اور سرشاری کا احساس ہوتا ہے۔ اس کی عبارت مسجع ہے۔ سطر در سطر قوافی کے سبب اس کا حفظ کرنا بھی سہل ہے اور اس کی قرأت میں بھی خوش آہنگی اور ترنم کا وجد آفریں تاثر نمایاں ہوتا ہے۔ کچھ قوافی کے بعد دوسرے قوافی کا حصہ (بند/ٹکڑا) شروع ہو جاتا ہے، یوں اس کی ہیئت ایک بنددار

نظم ایسی ہو جاتی ہے جس سے اس کی یاد آوری، گردان اور قرأت میں دوسرے درودوں کی نسبت سہولت کا احساس ہوتا ہے۔ جہاں تک اس کی معنویت کا تعلق ہے اس میں ایسے الفاظ، ''اسمائے حسنہ''، مرکباتِ توصیفی اور حضور اکرم ﷺ کی سیرت کے پہلوؤں کا تذکار مبارک ہے جس سے آپ ﷺ کے ظاہری و باطنی جمال، جلال، علوئے کمال، اخلاق حمیدہ، فضائلِ مبارکہ واثرات اور درج و مرتبہ کے انتہا اور معراج کا گہرا، مؤثر اور منفرد تاثر ابھرتا ہے۔ اگر اس عبارت کے معنوی باطنی کا بنظرِ غایر تجزیہ کیا جائے تو یہ اندازہ ہوگا کہ اس درود شریف کے اندر حضور اکرم ﷺ کی سیرت، مقام اور معراجِ کمال کا خلاصہ آ گیا ہے۔ لفظ لفظ، ترکیب ترکیب، پرت پرت اس درود شریف کے باطن میں اترتے جائیے سیرت و مقامِ رسالت مآب ﷺ کا جہانِ معنی کھلتا جائے گا، حیرت و سرشاری کے در وا ہوتے چلے جائیں گے اور درود خواں کی روح ایک ملکوتی فضا میں تیرتی محسوس ہوگی۔

درود تاج وہ مبارک درود ہے جس نے عہد بہ عہد، نسل در نسل درود خوانوں اور اہلِ حُب وولا کے اذہان و قلوب کو متاثر و روشن کیا۔ حضرت ادیبؔ رائے پوری نے اس کی اہمیت و اثر پذیری کے پیشِ نظر اس کی مبسوط شرح کی ہے۔ اس سے قبل اردو میں (بلکہ شاید عربی و فارسی میں بھی) اس درود شریف کی اتنی وضاحتی تشریح نہیں کی گئی۔

نعت کے معاصر منظر نامے میں حضرت ادیبؔ رائے پوری کا نام نامی ایک خاص احترام اور اعتبار رکھتا ہے۔ آپ (ادیبؔ) ان چند شخصیات میں سے ہیں جنھوں نے نعت کے باب میں کثیر الجہت خدمات انجام دی ہیں۔ نعت گو شاعروں کی تعداد تو ہزاروں تک جا پہنچتی ہے مگر عہدِ حاضر میں ایسے نعت گو چند ایک ہی ہیں جنھوں نے تخلیقِ نعت کے ساتھ ساتھ اس صنفِ مبارک کی تشہیر و تبلیغ اور تنقید و تجزیے کے ذیل میں نمایاں حسنِ کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ حضرت ادیبؔ رائے پوری کا تعلق نعت کاروں کی اسی صف سے ہے۔

حضرت ادیبؔ رائے پوری نے نعت کی تخلیق، ترتیب، تنقید اور تجزیاتی مطالعات کے ساتھ ''پاکستان نعت اکیڈمی'' کے پلیٹ فارم سے فروغِ نعت کے لیے جو گراں قدر خدمات سر انجام دی ہیں وہ اردو نعت کی تاریخ میں یادگار حیثیت کی حامل ہیں۔ زیرِ نظر تالیف اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ درود شریف کو نعت کے موضوعات میں ایک بنیادی حیثیت

حاصل ہے۔ غرض و غایت اور نتائج و اثرات کے اعتبار سے بھی درود اور نعت کے درمیان حُبِ رسول ﷺ کی قدر مشترک کارفرما ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وسیع تر مفہوم میں نعت خوانی کو درود خوانی ہی کی ایک صورت سمجھا گیا ہے۔

درود تاج کی شرح کرتے ہوئے حضرت ادیبؔ رائے پوری کے درود سرشت ذہن نے جس محنت و مہارت، تفصیل پسندی، تفحص و تحقیق کا ثبوت دیا ہے وہ لائقِ صد تحسین ہے۔ درود تاج کے مؤلف کے بارے میں ان کا مؤقف ابتدائی صفحات میں واضح ہے۔ ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جو درود شریف صدیوں سے امتِ مسلمہ کے درود خوانوں میں معمول کے وظیفے کا درجہ رکھتا ہے اور جس کے اثرات عہد بہ عہد اذہان و قلوب کو منور کر رہے ہیں اسے صرف اس لیے شکوک و شبہات میں الجھا دینا، کہ کسی شخصیت سے بحیثیت مؤلف کے اس کی نسبت واضح نہیں ہوتی، یہ درست نہیں ہے۔

ادیبؔ رائے پوری کا یہ مؤقف انتہائی مناسب، قابلِ قبول اور درست ہے۔ نعت کی تاریخ میں کئی ایسے اہم نعت پارے ہیں جن کی نسبت واضح نہیں۔ وہ جن ناموں سے منسوب و مشہور ہیں ان کی نگارشات اور دواوین میں وہ کلام نہیں ملتا اور نہ ہی تحقیق و تنقید کی روشنی میں وہ کلام ان کا قرار پاتا ہے، مثلاً:

۱- حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت سے منسوب یہ شعر:

واجمل منک لم ترقط عینی
واحسن منک لم تلد النساء
خُلقت مبرّاً من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

۲- مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب یہ نعت:

نسیما ! جانبِ بطحا گزر کن
ز احوالم محمد ﷺ را خبر کن

۳- یا مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نعت:

بلبل ز تو آموختہ شیریں دہنی را

۴- یا مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نعت:

تنم فرسودہ، جاں پارہ زہجراں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۵- حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب صوفیانہ غزل جس کا مقطع ہے:

خدا خود میر مجلس بود اندر لا مکاں خسرو رحمۃ اللہ علیہ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

اسی طرح اور بہت سے نعت پارے ہیں جن کی اہمیت، اثرات، شہرت مسلّم ہے مگر جن کے مؤلفین کے بارے میں تحقیق خاموش ہے۔ یہ قطعہ بھی دیکھیے جسے قدسی رحمۃ اللہ علیہ، سعدی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ رحمۃ اللہ علیہ اور کبھی جامی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کیا جاتا ہے:

یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر
من وجہک المنیر ، لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی ، قصہ مختصر

"تفسیرِ عزیزی" میں آیہ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کی تشریح میں مولانا عبدالعزیز دہلوی نے اس کا حوالہ دیا ہے مگر اس کی وضاحت نہیں فرمائی کہ ان کا کلام ہے یا کسی اور شاعر کا۔ مولانا کے مرتب شدہ کلام میں البتہ اس کا ذکر نہیں۔ سو اس بارے میں بھی ابھی تحقیق کی ضرورت ہے۔

مذکورہ بالا نعت پاروں کی اہمیت، شہرت اور تاثیر مسلّم الثبوت ہے، کئی صدیوں سے یہ نعت پارے اہلِ حُبّ وولا کے دلوں کو گرماتے اور گداز و رقت کا سرمایہ فراہم کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں؛ نعتیہ مجالس اور نعت کے مطالعات ان کے بغیر ادھورے ہیں۔ سینکڑوں لوگوں نے ان نعت پاروں پر تضمینیں لکھیں، ان پر مثلث اور خمسے لکھے، ہم قافیہ نعتیں کہیں۔ کیا یہ سارا سرمایۂ گداز اور اثاثۂ نعت، جو ان نعت پاروں کے بطن اور حوالے سے پھوٹا، اس لیے نظر انداز کر دیا جائے یا اسے متنازعہ بنا دیا جائے کہ ان کی نسبتِ تخلیق غیر واضح، مبہم، معدوم اور تحقیق طلب ہے؟

اس سے قطع نظر کہ درود تاج کے مصنف کون ہیں اور اس کی تالیف کا زمانہ کیا ہے؟ اس کی شہرت، مقبولیت اور تاثیر کے پیشِ نظر ضروری تھا کہ اس کا توضیحی مطالعہ کیا

جائے، یہ کام حضرت ادیبؔ رائے پوری نے بخیر و خوبی انجام دیا ہے۔ ادیبؔ رائے پوری صاحب کا اسلوب ادیبانہ ہے۔ لغات ایسے تحقیقی مقامات سے گزرتے ہوئے ادیبؔ صاحب نے اظہار بیان میں دلچسپی کا عنصر شامل رکھا ہے۔ موصوف نے درود تاج کے تعارف میں بعض اہم بنیادی معلومات اور ضروری کوائف کے بعد اس کے متن کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔ ان کے طرزِ اظہار میں تجزیے اور تحقیق کے ساتھ ساتھ تشریح و صراحت کی تمام خوبیاں بھی نمایاں ہیں، اور یہی اس مطالعے کی سب سے بڑی غرض و غایت تھی کہ اس درود کو عام قاری اور مراقباتی فضاء قایم کرنے والے عامل اس کے باطن میں دور تک جھانک سکیں، کہ یہ درود شریف دیگر درودوں سے مختلف اَور محاسن سے بھی بھرپور ہے۔

ادیبؔ رائے پوری نے درود تاج کے الفاظ، اسمائے توصیفی اور دیگر اجزائے متن کا ترتیب وار بہ تفصیل جایزہ لیا ہے۔ حلِ لغات اور معانی کے بعد قرآنِ کریم، احادیثِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، کتبِ سیَر و مغازی اور ان کے تراجم و تفاسیر کی روشنی میں الفاظ کے تاریخی پہلوؤں کا سراغ لگایا ہے، نیز زیرِ بحث الفاظ کے بارے میں تحقیقی و تاریخی معلومات کی جمع آوری کے ساتھ ساتھ مختلف مثالوں سے اس کی اہمیت واضح کی ہے۔ انھوں نے اس ضمن میں قرآنی آیات، احادیثِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، نیز اشعار (اردو، فارسی) کے حوالے بھی دیے ہیں۔ اس طرح انھوں نے نہ صرف متن کو پُر معنی اور وقیع بنایا ہے بلکہ حوالوں کی تزئین سے اس کا وقار اور اعتبار بھی بڑھایا ہے۔

درود تاج کے زیرِ نظر مطالعے میں حضرت ادیبؔ رائے پوری کی محنت اور عرق ریزی جھلکتی ہے۔ انھوں نے کسی ذیلی مبحث کو سرسری انداز میں نہیں ٹالا، بلکہ ذوق و شوق اور انہماک و توجہ سے ہر مرحلۂ کار کو نمٹایا ہے۔ ان کے اظہارِ بیان میں کہیں گنجلک یا ابہام نہیں ہے، نہ وہ کہیں معنوی نکتہ کا شکار ہوے ہیں حالانکہ تخریج کا یہ کام نہایت دقت طلب اور مشکل تھا۔ انھوں نے جس آسانی سے اور جس عمدگی سے یہ مراحل طے کر لیے ہیں ان کو دیکھ کر مرزا عبدالقادر بیدلؔ کا یہ شعر یاد آیا:

بلند و پستِ خارِ راہ عجزِ ما نمی گردد
بہ پہلو قطع سازد سایہ چندیں کوہ و صحرا را

درود تاج کی زیرِ نظر تخریج وتبصرہ اور جامع تفسیر سے نہ صرف درود کی تفہیم آسان ہوگئی ہے بلکہ الفاظ کی گرہ کشائی اور ذیلی بحث میں تازہ مضامین کی فراہمی سے درود فہمی کے ساتھ درود خوانی کے ذوق کی جلاء کا سامان بھی بہم ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے اس شرح کے مطالعے کے بعد درود تاج کے عامل حضرات کے سرور و سرشاری میں اضافہ ہوگا۔

یہ شرح درود تاج کے توضیحی مطالعات میں ایک اہم پیش رفت ہی نہیں ایک رجحان ساز سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بڑے عرصے سے یہ ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ مثنویوں، قصیدہ لامیہ: "سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل"، مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے معروف سلام: "مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کی جدید ادبیانہ انداز میں تفسیر وتخریج کی جائے اور نئی نسل کے قارئین کے لیے آسان فہم، قابلِ قبول اور دلکش بنایا جائے تاکہ اردو ادب کے تازہ واردان نعتیہ ادب کے اس اہم سرمایے سے استفادہ کرسکیں۔

حضرت ادیبؔ رائے پوری کی اس مبارک کوشش نے اردو نعت کے باب میں بھی تفسیر وتخریج کے امکانات کا راستہ دکھایا ہے۔ اس حوالے سے بھی ادیبؔ صاحب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔

مجھے درود تاج کی تفسیر وتخریج کے مطالعے سے ذاتی طور پر بہت فایدہ پہنچا ہے۔ بہت سے الفاظ اور عبارات کی تشریح سے میں نہ صرف محظوظ ہوا ہوں بلکہ میرے لیے مستقل طور پر درود تاج کے باطن اور معنویت کی گہرائی میں پہنچنے کا ایک سلسلہ پیدا ہوا۔

ادیبؔ صاحب کے جایزے کی ایک بڑی خوبی ان کا ادیبانہ اسلوب ہے۔ وہ مناظراتی موشگافیوں میں نہیں الجھے اور نہ ہی انھوں نے اس باب میں فقہی مسایل میں الجھ کر اپنے اظہار کو زندہ پازند بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہ حضرت ادیبؔ رائے پوری کو صحت وتندرستی کی لمبی عمر عطا کرے تاکہ وہ درود ونعت کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ کام کرسکیں اور نعت کے معاصر منظرنامے میں رنگ بھرتے رہیں اور ہمارے قلوب واذہان کو منور کرتے رہیں، آمین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہِ درود تاج

گلِے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلِے ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

قارئینِ محترم!

اپنے افکار وخیالات کو بصد پاکیزگی واحتیاط آپ تک پہنچانے میں قرآنِ کریم کی تفاسیر وتراجم، کتبِ احادیث وسیَر سے خوشہ چینی کی ہے؛ ائمہِ اسلام، محدثینِ کرام و مفسّرین کی گرانبہا تحریروں سے، جو شب و روز اس ناچیز کے مطالعے کی زینت رہیں۔ جو پائے حق وطالبِ صداقت ہیچمدان کے کاسہِ علم میں جو کچھ بھی ہے یہ انھیں چیدہ وبرگزیدہ صاحبانِ علم کے خوانِ کرم کا گرا پڑا ہے۔ ان حوالوں سے کسی سند میں کوئی جملہ یا خیال قابلِ گرفت نکل آئے تو متقدمین سے ہی شکایت بجا ہوگی۔ اس معذرت کا سبب یہ ہے کہ

تحقیقی امور میں قدیم کتب کی طرف ہی رجوع کرنا ہوتا ہے اور جب تجزیے کے لیے قدیم کتب کی جانب مراجعت کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کے باوجود، کہ ہمارے اسلاف کا اوڑھنا بچھونا قرآن کی تفسیر اور آیات کی تعبیر ہی تھا، لیکن ان کتب میں آیات کی تفسیر و تاویل میں متعارض روایات اور متناقض افکار پائے جاتے ہیں جس کی تصدیق ہمارے عہد کے علمائے تحقیق بھی فرمائیں گے۔ متقدمین کی علمی فضیلت کے اقرار سے فرار ممکن نہیں، جن کی عدیم المثال کوشش کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے اخذ کردہ نتائج کو بے چون و چرا قبول کیا جائے۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ ہم اپنی تحقیقاتی کاوش اور علمی مباحث میں ان کے بڑی حد تک دست نگر ہیں لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ علمی انوار سے مستنیر ہونے کے لیے ان پر بصورت تحقیق اعتراض کا دروازہ بند رکھیں۔ اس ناچیز نے باوجود اپنی کم مائگیِ علم کے اس حق سے عہدہ برآ ہونے کی حتی المقدور کوشش کی ہے، وہی ہدیہ قارئین ہے۔

مطالعہِ تفاسیر میں بعض حوالے ایسے بھی نظر سے گزرے جو قصص القرآن میں اضافی تھے، جن کی کوئی سند نہ تھی۔ یہ واقعات اگرچہ دلچسپ تھے اور رنگینیِ تحریر کے لیے مناسب بھی لیکن میرے محتاط رویّے نے انھیں شاملِ کتاب نہیں کیا۔

درود تـــاج پر اگر اعتراضات نہ کیے جاتے تو یہ مقدمہِ کتاب اتنا طویل نہ ہوتا۔ چونکہ درود کا تعلق قرآنی آیات، احادیثِ نبوی ﷺ اور سلف صالحین کی عبادت و ریاضت، اوراد و وظائف سے گہرا ہے، یہ کوئی ادبی قصیدہ نہیں ہے، اس کے ایک ایک لفظ میں تاریخِ اسلام اور سیرتِ نبوی ﷺ کے پہلو نمایاں ہیں۔ اس پر معترضین نے لغات، صرف و نحو، زبان و بیان پر ہی اعتراضات نہیں کیے بلکہ اس کا سب سے نازک پہلو، جس کا تعلق عقیدے اور ایمان سے ہے، اس پر اعتراض کیا گیا ہے اور اس کے لیے کہیں قرآنی آیات، کہیں احادیث اور کہیں سلف صالحین کے اقوال پیش کیے ہیں۔ اس لیے درود تـــاج کے چہرہِ پُر انوار کو بیجا اعتراض کے غبار سے صاف کرنے اور صاف رکھنے کے لیے قرآنی آیات، احادیث اور سلف صالحین کے اقوال سے ہی رد کرنا لازم تھا۔ لیکن مشکل مرحلہ یہ بھی تھا کہ معترض نے جو سہارے لیے، وہی سہارے ہمارے بھی ہیں۔ قاری کو فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا جب ایک حدیث مخالف و معترض پیش کرتا، اس کے مقابل دوسری ہم پیش کرتے، اس لیے بہتر یہی سمجھا گیا کہ تنقید کے بنیادی اصول، تفسیر بالرائے کی اقسام، حدیثِ مرفوع اور غیر مرفوع کا فرق اور سلف صالحین کے اقوال میں معتبر اور غیر معتبر کی تمیز سمجھائی جائے جس کے لیے امثال پیش کرنا ضروری ٹھیرا۔ چنانچہ اس ساری بحث کو سلیقے سے کم سے کم الفاظ میں پیش کرنا ایک دشوار کام تھا جس کے سبب مضمون طوالت اختیار کر گیا ہے لیکن دوسری جانب اس کی افادیت پر غور کیا جائے تو یہ طوالتِ مضمون قاری کے لیے میرے خیال میں اس لیے بے حد مفید ہے کہ اس میں مستند دلایل سے اطمینان بھی نصیب ہوگا، شکوک و شبہات، جو پیدا کیے گئے، ان سے بھی نجات ملے گی اور بعض ایسے اہم واقعات بھی سامنے آئیں گے جن پر اس نقطۂ نظر سے قارئین نے پہلے غور نہ کیا ہوگا۔ تفسیر بالرائے کیا ہے، جس کا سہارا لے کر گھات لگائی گئی ہے؟ اس کے ذریعے صرف درود پر ہی نہیں خود قرآن پر کیسے کیسے الزام عاید کیے گئے، قاری کو پڑھ کر حیرت ہوگی۔ اس طرح یہ علمی مباحثہ بہترین فواید کا حامل ہوگا۔

فنِ تنقید کے مسلّمہ اصول:

فنِ تنقید کے مسلّمہ اصولوں میں بہترین رویّہ یہ ہے کہ کسی کی ہجو یا تضحیک سے اپنی خوبی نکالنا غیر مناسب ہے۔ اس کا بڑی حد تک خیال رکھا گیا لیکن جن حضرات کی تحریروں سے امت میں اضطراب پیدا ہو گیا ہے، نہ جانے کتنے معصوم ذہن جہلِ علم کا شکار ہو گئے، ایسے حضرات کے جہاں جہاں حوالے پیش ہوئے ہیں ان کا تعارف ضروری سمجھا گیا۔ اس کا افادی پہلو یہ ہے کہ ان چہروں کے بے نقاب ہو جانے کے بعد جب کسی حوالے پر ان کا نام آئے تو قاری حضرات ان کی فکری لغزشوں کے اور ان کے علمی تعصبات کے اور ان کے زعمِ علم کے گمراہ کن نتائج سے باخبر ہونے کے سبب محتاط رہیں۔ میرا یہ رویّہ تقلید ہے ان ائمہِ کرام کی جن کا بیباک قلم ایسے حضرات کے چہروں کو بے نقاب کرتا رہا ہے۔ اس بات کی دلیل میں بزرگانِ سلف کے کچھ حوالے پیشِ خدمت ہیں:

واقدی کا مقام:

واقدی، جس کا نام محمد بن عمر، کنیت ابو عبداللہ اور لقب واقدی تھا، یہ شخص اپنے عہد

کے بہت ہی ذہین، کثیر المعلومات اور فاضلِ علوم عالم کی حیثیت سے شہرت رکھتا تھا، لیکن اس شخص نے تاریخ کو اس طرح پیش کیا کہ وہ تاریخی ناول بن گئی۔ اپنی جانب سے مبالغہ آرائی سے واقعے کو کہانی بنانا اس کا کارنامہ تھا۔ مبالغہ آرائی میں کمال دسترس رکھتا تھا۔ ان بے اعتدالیوں نے اس کی قدر اور قیمت کو خاک میں ملا دیا۔ سلف صالحین کے دفترِ اعتبار سے اس کا نام جس طرح خارج ہوا وہ افسوسناک حقیقت ہے۔

''وہ بڑا دروغ گو تھا، حدیث کو پلٹ دیا کرتا تھا۔'' حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

''اس قابل نہیں کہ روایت نقل کی جائے۔'' حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

''واقدی کی روایتیں ساری کی ساری جھوٹی ہیں۔''

''وہ اسناد گھڑ کر بیان کر دیتے ہیں۔'' حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

''واقدی ایسے دروغ گویان میں سے تھا جس کے دروغ کا سب کو علم ہے۔''

حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ

''اگر واقدی سچا ہے جب بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا اور اگر وہ جھوٹا ہے تب بھی اپنی مثال آپ ہے۔'' علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

ان چیدہ و برگزیدہ ہستیوں نے مسلمانوں پر اس چہرے کو بے نقاب کر کے جو احسان کیا ہے اس کے نتیجے میں واقدی کی تحریروں سے اسلامی ذہن آزاد رہے گا۔

یہ ائمۂ اسلام وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جنھوں نے علمی اختلاف پر بڑی عالمانہ بحثیں کی ہیں اور معترضین کو شافی جواب دیے ہیں لیکن کسی پر اعتراض نہیں کیا۔ اندازہ کیجیے وہ کیا صورت حال ہوگی جب ان جیسی محتاط رویّے کی حامل شخصیات نے واقدی کے متعلق اس قدر کھل کر اظہارِ خیال فرمایا؟

عطائے کبریا کو مسایل کی فہرست میں لا ڈالا:

عقاید کے اختلاف اور فکر و نظر کی ناہمواریوں نے **درود تاج** جیسی نعمتِ عظمیٰ اور عطائے کبریا کو مسایل کی فہرست میں لا ڈالا۔ درود کے فضایل پر نظر ڈالیے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے جود و کرم، بخشش و عطا اور عفو و درگزر کا وہ بحرِ ناپیدا کنار، جس کی امواجِ نور معصیت کی سیاہ چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر رہی ہیں، مگر افسوس کہ دوسری جانب متناقض و متعارض افکار و

آراء نے مظہرِ صفات و کمالِ خداوندی کے شفاف آئینے کو غبار آلود کر دیا ہے۔

درود کی اقسام، ایجاد و موجد پر بحث و تمحیص اور تفسیر و تعبیر نے، فکرِ محکوم اور نیتِ مذموم کے عملِ تنقید نے، خصائص و فضیلتِ درود کو مستور و محجوب کر دیا ہے۔ طالبانِ رحمت چنیں و چناں کے گرداب میں پھنس کر مایوسی کے مریض ہو رہے ہیں جس کی ایک مثال **درود تاج** اور اس پر کیے گئے اعتراضات ہیں۔

اسی فکر میں میرے شب و روز گزرے کہ جذبۂ عشقِ مصطفےٰ ﷺ نے جس قوم کو سورج کی شعاعوں کا گرفتار کرنے والا اور ستاروں کی گزرگاہوں کا تلاش کرنے والا بنا دیا تھا کہیں ان کی فکر کے پیمانے بدل نہ جائیں اور ستاروں پر کمند ڈالنے والے ایسی شبِ تاریک میں زندگی بسر کرنے پر مجبور نہ ہو جائیں جس کی سحر نہیں ہوتی، کہ یہ اجالا تو عظمتِ مصطفیٰ ﷺ سے قلب کو منور کرنے سے ہوتا ہے جہاں عقلِ نا پختہ کی بیچارگی نہیں سپردگی و قبول و تسلیم کی ضرورت ہے۔

درود تاج پر تنقید تقلیدی ہے اور قاری کے ذہن کو الجھانے کے لیے، جذبۂ عشق کی تپش کو ٹھنڈا کرنے یعنی اعتقاد و ایمان کو متزلزل کرنے کی متعصبانہ لیکن بے سود کوشش ہے۔ اس مقصد کے لیے ان حضرات نے تفسیر بالرائے کی پیروی کی ہے جس میں یہ گنجایش ہے کہ اپنی خواہش کا اہتمام آیاتِ قرآنی میں پایا جاتا ہے تو یہ بہ آسانی اس کے مطابق تاویل کرتے ہیں۔

عملی تحقیق میں اختلاف جرم نہیں:

عملی تحقیق میں اختلاف کوئی جرم نہیں، یہ فکر و نظر کو شعور بخشتا ہے، جذبۂ تحقیق کو بیدار کرتا ہے اگر اس کا مقصد پہلے سے متعین کردہ ذاتی خواہش اور تعصب وغیرہ نہ ہو۔ جہاں پر فکر آوارہ منزل نہ ہو، خواہشِ مذموم نہ ہو تو یہی کام جویانِ حق اور طالبانِ صداقت کا نشان ہوتا ہے۔

اس گفتگو سے جو بات سامنے آئی وہ یہ کہ معترضین کسی ایک جادہ حق، کسی ایک منہاجِ صداقت اور کسی ایک صراطِ مستقیم پر نہیں، یہ گروہ بندی کا شکار ہیں۔ **درود تاج** کی تفسیر میں بھی ایسے مقامات آئیں گے جن میں رحمت للعالمین ﷺ کے اوصاف و کمالات

سامنے آئیں گے اور اختیارات من جانب اللہ کی مثالیں ہوں گی اور ان پر کیے گیے اعتراضات کی بحث ہوگی۔ یہاں مفسّرین کا تذکرہ دو باتوں کے پیشِ نظر آپ کے لیے مفید تصور کرتا ہوں: اول یہ کہ جس طرح واقدی سے آپ کا تعارف ہوا اسی طرح دیگر مفسّرین کی آراء اور طریقۂ استدلال کی کمزوریوں سے واقفیت درود تاج کی تمام عبارت کو بے غبار سمجھنے کے لیے کافی ہوگی۔ اس کا صحیح اندازہ ان امثال کو پیش کرنے کے بعد ہوگا۔ دوئم آپ حضرات کو تفسیرِ قرآن کے آداب سے آگہی ہوگی اور جب آپ کسی تفسیر کا مطالعہ فرمائیں گے یہ آگہی آپ کی راہ نمائی کرے گی۔

مفسّرین کے گروہ:

ناچیز نے درود تاج کی بحث کے حوالے سے مفسّرین حضرات کو تین گروہ میں تقسیم کیا ہے۔ اگرچہ علم تفسیر میں ان گروہوں کی تعداد زیادہ ہے جن کی گروہ بندیوں کے اسباب بھی مختلف ہیں۔ جن کے تعارف کا یہ موقع نہیں۔ یہاں جن سے مراد وہ گروہ ہیں جن میں پہلا گروہ اپنی خواہشات کے مطابق آیات قرآنی کی تاویل کرتا ہے، ظن وتخمین اور شکوک و شبہات کے صحراؤں میں بھٹکتا ہے اور سراب کو دریا ثابت کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ دوسرا گروہ ان کا ہے جو اپنے زعم علم میں جہلِ علم کا مظاہرہ کرتے ہیں، نہ خود قایل ہوتے ہیں نہ دوسرے کو قایل کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔ وہ اس شعر کے مصداق ہوتے ہیں:

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہلِ مرکب ابدالدہر بماند

ایک تیسرا گروہ بھی ہے لیکن یہ ان مفسرین کا گروہ ہے جو علم کی سرکشی، جہل کی خود سری، تعصب کی بد صفتی اور تقدسِ فنِ تفسیر کی پائمالی سے اپنا دامن بچا کر گزر گیا، جن کا سفینۂ جستجو ظن وتخمین کے گرداب سے بسلامت نکل آیا، بالخصوص درود شریف کی بابت ان کے اپنے ایمان کی کیفیت کچھ اس طرح ہے کہ ان کے نزدیک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اور اس کے ملائکہ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنا، درود بھیجنے والوں کی خطاؤں کا کفارہ ہونا، ان کے اعمال کو پاکیزہ بنا دینا، ان کے درجات کا بلند ہونا، خود درود کا عاصی کے لیے

مغفرت طلب کرنا، گناہوں کا معاف ہونا، اس کے نامۂ اعمال میں ایک قیراط کے برابر کا ثواب لکھا جانا (قیراط وہ جو احد پہاڑ کے برابر ہو)، اس کے اعمال کا تلنا، خطاؤں کا مٹا دینا، اس کے ثواب کا غلاموں کو آزاد کرنے سے زیادہ ثواب ہونا، خطرات سے نجات پانا، حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا درود پڑھنے والے کے لیے روز قیامت شاہد و گواہ بننا، آپ ﷺ کی شفاعت کا واجب ہونا، اللہ کی ناراضگی سے امن حاصل ہونا، حوضِ کوثر پر حاضری نصیب ہونا، جہنم کی آگ سے نجات، حشر کی گرمی میں پیاس کی شدت سے امن نصیب ہونا، نادار کے لیے صدقے کا قایم مقام ہونا، اس کی بدولت آئینۂ قلب سے کدورتوں کے غبار کا صاف ہونا، مخلوق کے دلوں سے نفاق کا مٹ جانا، خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کا ذریعہ، لوگوں کی غیبت سے محفوظ رہنا، درود کو دنیا و آخرت میں بے حد نفع دینے والا عمل سمجھنا، افضل ترین عمل سمجھنا اور وہ تمام نعمتیں، جو میرے اور آپ کے علم میں نہیں، دینے والا جاننے، دلانے والا جاننے اور درود کی فضیلت پر تمام احادیث پر ایمان ان مفسّرین کا طرّہ امتیاز ہے۔

درود تاج میں جتنے بھی القاب ہیں وہ رحمت للعالمین ﷺ کی صفات، کمالات اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے محبوب کو جو اختیارات عطا فرمائے، اگرچہ وہ بے شمار ہیں جن میں سے کچھ عقلِ انسانی کے دائرے میں آئے اور اس کچھ میں سے بھی چند صفات جلیلہ کا ذکر شامل ہے، یہ تمام مقامات بلند، درجات اعلیٰ، صفات خاص، عظمت و بزرگی، مراتب و شان کو درود کا حصہ سمجھتے ہیں۔

یہ ان مفسّرین کے ایمانِ کامل کی دلیل ہے، اگرچہ یہ حضرات محسنِ انسانیت ﷺ کے احسانات عظیم کا بدلہ تو نہیں دے سکتے لیکن ان احسانات کے تشکّر میں جن اہلِ محبت نے قلم اور روشنائی سے صفتِ بلالی رضی اللہ عنہ کا کام لیا وہ اپنی تحریروں میں ان کو شامل کر لیتے ہیں۔

یہ تھا ایک سرسری جائزہ درود تاج کے سلسلے میں اس گروہ مفسّرین کے تعارف کا جس کے بغیر اعتراضات کی نوعیت اور اس کے پسِ پردہ عوامل کو سمجھنا ممکن نہیں تھا۔ ابھی مثالیں پیش نہیں کی ہیں۔ مثال کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جو بات ذہن میں الجھ رہی ہو وہ الجھن دور ہو جاتی ہے اس لیے چند مثالیں شاملِ بحث ہیں۔

تعصب پر ماتم کیجیے:

اِس تعصب پر ماتم کیجیے، اس ہٹ دھرمی پر آنسو بہایئے کہ یہ باتیں دل سے خلوص، عقل سے فہم، زبان سے اعترافِ حق اور قلم سے اظہارِ صداقت کی جرأت سلب کر لیتی ہیں۔ انسان، علم و دانش کے بلند بانگ دعووں کے باوجود، دیوانہ پن کی باتیں کرتا ہے جنھیں سن کر شرم آتی ہے۔ درود تاج پر کیے گیے اعتراضات اس بات کی دردناک مثال ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی توفیق ہاتھ کھینچ لیتی ہے تو معقول اور غیر معقول کی تمیز جاتی رہتی ہے۔ اس کے ثبوت میں چند ایک مثالیں، کہ یہ مفسّرین آیاتِ قرآنی کی شرح و تفسیر میں کس طرح تاویل کرتے ہیں جس میں ان کے قلب میں ''پوشیدہ افکار'' ہوتے ہیں، لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ کی توفیقِ خاص سے ہم جیسے ہیچمدان کے ہاتھوں ان کا راز فاش ہو جاتا ہے تو ہمارے اسلاف کے معتبر اہلِ علم، جن کا تعارف مندرجہ بالا سطور میں ہوا، تفسیر میں ان کا کیا مقام ہو گا!

تعصّب کی پہلی مثال:

کسی صاحب نے قرآنِ کریم میں لفظ ''صاحب'' کی تشریح میں اپنے دل کا غبار اس طرح نکالا، کہتے ہیں: لغت کے اعتبار سے ''صاحب'' کے معنی ساتھی کے اور رفیق کے ہیں یا ہم نشین کے ہیں۔ اس لفظ میں نہ کوئی شرف ہے نہ فضیلت، ایک کافر مومن کا اور ایک فاسق ایک پارسا کا ساتھی، رفیق اور ہم نشین ہو سکتا ہے۔

یہ اعتراض سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت اور بزرگی پر کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں سورہ توبہ میں چالیسویں آیت ہے:

إِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ

إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

ترجمہ: اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کریم (ﷺ) کی تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے۔ آپ دوسرے تھے دو سے، جب وہ دونوں غار میں تھے (غارِ ثور میں) جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس ذہن کے پیچھے کیا ہے، ذرا ملاحظہ کیجیے:

''لغت میں صاحب کے معنی ہیں ساتھی، رفیق، ہم نشین جس میں کوئی شرف اور فضیلت نہیں کہ یہ لفظ کسی کافر کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے، ایک فاسق کے لیے بھی کہ یہ دونوں کسی مومن اور کسی پارسا کے دوست ہو سکتے ہیں۔''

ذہن میں چونکہ فتنہ تھا، اس نے ایسی آیات کی جستجو کی جن کے ذریعے وہ قاری کو مزید گمراہ کر سکے، اس لیے ایک اور آیت پیش کی:

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ أَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ

(۱۸-۳۸)

ترجمہ: یعنی اس نے جب اپنے ساتھی (صاحب) سے کہا، جب وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا، کیا تم اس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا۔

اس آیت میں صاحب کا لفظ ہے اور یہاں اس سے مراد کافر ہے۔ مزید اس حوالے کی مضبوطی کے لیے ایک اور مثال دیتا ہے:

يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ (اے قید خانے کے دو ساتھیو)۔ (۱۲-۴۲)

تاویلِ باطل کرنے والے کو آیات کا حوالہ دے کر بھی تشفی نہیں ہوئی تو لغت کا سہارا لیا:

ان الحمار مع الحمار مطية

واذا خلوت به فبئس الصاحب

ترجمہ: اور اہلِ عرب تو حیوان کو بھی انسان کا ساتھی کہہ دیا کرتے ہیں۔

قاری حضرات! بتایئے آپ اس شدّ و مد سے حوالے پر حوالے سے کیا سمجھے؟ جو صاحبانِ ایمان ہیں وہ ایسے کینہ پرور اور بد باطن شارحین سے کبھی گمراہ نہیں ہوتے لیکن عام مسلمان کے ایمان میں تشکیک ڈال سکتے ہیں۔

ان تمام حوالوں میں نیّتِ مذموم اور افکارِ فاسدہ کا مقصد سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی شانِ اقدس پر تہمت سازی ہے۔ اگرچہ موصوف ایسا تو نہ کر سکے لیکن اپنے جہلِ علم کو ضبطِ

تحریر میں لا کر سند حاصل کر لی اور ان دلایل کو اپنے حق میں نہیں بلکہ اپنی علمیت کے خلاف استعمال کیا اور یہ بتایا کہ ان کا مطالعہِ قرآن ہے ہی نہیں۔ دوئم وہ کسی لفظ کے معنی لغت تک محدود رکھتے ہیں حالانکہ اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ الفاظ کے ایک لغوی معنی ہوتے ہیں اور ایک اصطلاحی۔ ایسے تو قرآنِ کریم میں اور بھی کئی الفاظ ہیں جنھیں لغوی معنی تک ہی محدود رکھا جائے تو ان کا بھی یہی حشر ہوگا جو موصوف نے لفظ ''صاحب'' کا کیا ہے۔

سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر تہمت سازی کا جواب:

ہر لفظ میں عزّ و شرف اس کے لغوی معنوں سے نہیں بلکہ ان کے متعلقات سے ہوتا ہے، مثلاً: ''ایمان''۔ اس کے لغوی معنی ہیں تصدیق کرنا۔ اب اگر یہی لغوی معنی لیے جائیں تو یہ تصدیق اللہ جل شانہٗ کی توحید کی بھی ہو سکتی ہے اور طاغوت کی بھی۔ اس کی مثال قرآن سے ہی پیش کرتا ہوں:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (۴-۵۱)

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنھیں دیا گیا حصہ کتاب سے (وہ اب) ایمان لائے ہیں جبت اور طاغوت پر۔

ایک لفظ ''عبادت'' ہے۔ اس کی مثال دیکھیے: عبادت اللہ کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور بتوں کی پوجا کے لیے بھی یہی لفظ استعمال ہو سکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ

ترجمہ: وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کی پوجا (عبادت) کرتے ہیں جو نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔

ایک مثال لفظ ''ایمان'' کی دی دوسری لفظ ''عبادت'' کی۔ اب اس کا اندازہ ہر ذی ہوش لگا سکتا ہے کہ لفظ عبادت جب اللہ تعالیٰ کے لیے آیا تو باعثِ عزّو شرف ہو گیا اور وہی لفظ جب پوجا کے لیے آیا تو کسی عزّو شرف کا مستحق نہیں ہوا۔ لفظ ''ایمان'' کی بھی یہی کیفیت ہوگی۔ ایک اور لفظ ہے ''ہجرت''، جس کے معنی ترکِ وطن ہیں۔ یہ عمل (ترکِ

وطن) اپنے متعلقات کے سبب اللہ کی رضا کے لیے بھی ہو سکتا ہے، تجارت کے لیے بھی اور کسی عورت سے شادی کے لیے بھی۔ لفظ ہجرت میں عزّو شرف لغوی اعتبار سے نہیں اپنے متعلقات کے سبب ہوگا۔

دوسری تہمت اور اس کا جواب:

مثالوں کا یہ سلسلہ اسی لیے پیش کیا، جیسا کہ آغاز میں کہا، کہ مفسرین کا ایک گروہ زعمِ علم میں جہلِ علم کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنے ذہن میں جو تعصب ہے اس کا مظاہرہ کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت و بزرگی کو داغدار کرنے کا ارادہ رکھنے والا ابھی مطمئن نہیں ہوا لہٰذا اس نے اسی آیت (سورہ توبہ) سے ایک اور نکتہ اس کے لیے دریافت کیا: ان آیات میں ارشاد ہوا ہے: اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ۔ ''جب وہ فرما رہے تھے اپنے فریق (ساتھی) کو کہ مت غمگین ہو۔'' موصوف نے یہ نکتہ دریافت کیا کہ یہ حزن، جس سے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو منع کیا جا رہا ہے، یہ طاعت تھا یا معصیت؟ طاعت تو ہو نہیں سکتا ورنہ طاعت سے منع نہیں کیا جاتا کیونکہ اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نیک کاموں سے روکا نہیں کرتے، لازماً یہ حزنِ معصیت ہوگا۔ اس آیت سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عاصی اور گنہگار ہونا (نعوذ باللہ) ثابت ہے نہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت۔

اس پیکرِ جہلِ مرکب نے جس طرح اپنی بدنیتی، بغض اور تعصب کا بھونڈا طریقہ اختیار کیا اور یہ بتایا کہ اس کی بصیرت ہی بیمار نہیں ضعفِ بصر کا عارضہ بھی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے کیا خوب کہا:

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
مَیلش اندر طعنۂ پاکاں زند

یعنی جن کے دلوں میں خدا کے نیک بندوں سے چھپا ہوا عناد ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کو ان کی پردہ دری منظور ہوتی ہے تو وہ (اللہ) انھیں (ایسے لوگوں) اپنے نیک بندوں کے حق میں طعنہ زنی پر مایل کر دیتا ہے۔ اس بد باطن نے اپنے قلب کی تسکین کے لیے اللہ کے کلام کو جس طرح غلط معنی پہنائے، اور یہ سمجھا کہ وہ کامیاب رہا، اس کا فریبِ نظر تھا اس لیے ''ضعفِ بصر'' کا لفظ آیا۔ یعنی اس آیت میں جو حقیقتیں پنہاں تھیں وہ اللہ نے اس کی

نظر سے پوشیدہ کردیں۔ آپ تردید ملاحظہ فرمائیں:

قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر انبیائے کرام اور مرسلین کو حزن اور خوف سے روکا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى

ترجمہ: اے موسیٰ علیہ السلام! خوف نہ کرو تم ہی سر بلند ہو گے۔

حضرت لوط علیہ السلام کو فرشتوں نے کہا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ

ترجمہ: اے لوط علیہ السلام! حزن نہ کرو۔ ہم تمھیں اور تمھارے اہل وعیال کو نجات دینے والے ہیں۔

پھر ایک مقام پر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ

اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کفار کی باتیں آپ کو حزیں (غمگین) نہ کریں۔

ایک اور مقام پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ فرماتا ہے:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ۔ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم خوب جانتے ہیں کہ کفار کی باتیں آپ کو غمزدہ کر دیتی ہیں۔

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ اگر معصیت (خاکم بدہن) کے سبب منع فرماتا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور پھر تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حزن سے روکا گیا تو کیا یہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی معصیت کے سبب روکے گئے؟

اب ضعفِ بصر کی بات کرتا ہوں۔ جس شخص نے سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت وبزرگی کے دامن کو داغدار کرنا چاہا تو حق تعالیٰ نے اسے اندھا کر دیا اور اسے یہ نظر نہیں آیا کہ جس آیت کریمہ کا سہارا لے کر دو لفظوں "لِصَاحِبِهٖ" اور "لَا تَحْزَنْ" کی مذموم مقاصد کے لیے تاویل کی اسی آیت کے درمیان اور آخر میں سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے مراتب کو کلامِ الٰہی سے مزید بلند کیا جا رہا ہے۔

اسی آیت میں "ثَانِيَ اثْنَيْنِ" اور "اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" بھی ہیں۔ کسی اور آیت میں ہوتے تو عذر تھا کہ وہاں ہم نے نہیں دیکھا لیکن یہ ایک ہی آیت ہے جس میں چار لفظ جدا

جدا ہیں: "لِصَاحِبِهٖ"، "لَا تَحْزَنْ"، "ثَانِيَ اثْنَيْنِ" اور "اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دو الفاظ پر تو موصوف کی محققانہ اور عالمانہ نظر پڑی اور دو الفاظ پر نظر گئی نہیں۔

بات وہی ہے جو پہلے کہہ آیا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری کرنا چاہتا ہے تو اسے اللہ کے نیک بندوں پر طعنہ زن بنا دیتا ہے۔ وہ اندھا کر دیا گیا تاکہ دو الفاظ نظر نہ آئیں، بالکل اسی طرح جس طرح ہجرت کی شب سردارانِ قریش کو اندھا کر دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان کے درمیان سے نکل گئے بلکہ ایک ایک چٹکی خاک کی ان کے سروں پر ڈال گئے۔ اس شخص کی پردہ دری کا وقت آیا تو سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر طعنہ زن ہو گیا۔

تفسیر بالرائے اسی کو کہتے ہیں۔ یہ تفسیر بالرائے کی مختلف اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ تعارف ان اقسام کا بعد میں کراؤں گا، جو ضروری ہے، کیونکہ یہی ایک راستہ ہے جہاں بیٹھ کر گھات لگائی جاتی ہے، جس کی مثال آپ کی نظر سے گزری۔ جو آیت زیرِ بحث آئی اس کا پس منظر بھی جان لیجیے:

غلامانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ طائف اور حنین سے فرصت پا کر مدینہ منورہ پہنچے تو ملک شام سے خبریں آنے لگیں کہ قیصرِ روم اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ مدینے پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ادھر عربی النسل مگر عیسائی مذہب غستان کا بادشاہ بھی قیصرِ روم کے ناپاک ارادے میں شامل ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں اس کا انتظار کرنے کی بجائے خود اس کے ملک پر چڑھائی کا ارادہ کر لیا اور اس عزم کے ساتھ مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی۔ جو منافق تھے وہ تمام بہانے بنا بنا کر نکل گئے، مسلمان چونکہ بہت تھکے ہوئے تھے آمادۂ جہاد ہونے میں مشکل محسوس کر رہے تھے۔ اس بات کو دیکھ کر کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں کوتاہی اور اتنی، اللہ جل جلالہٗ نے پُر جلال انداز میں جہاد کی دعوت دی اور پھر اہلِ ایمان کی آنکھیں کھل گئیں۔ ربّ تعالیٰ کا انداز دیکھیے کتنا پُر جلال تھا۔ سورہ توبہ کی آیات يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تک (آیت ۴۰-۳۹-۳۸)۔ یہاں صرف ترجمہ دے رہا ہوں:

اے ایمان والو! کیا ہو گیا ہے تمھیں کہ جب کہا جاتا ہے تمھیں کہ نکلو راہ خدا میں تو بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔ کیا تم نے پسند کر لی

ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں۔ سو نہیں ہے سروسامان دنیاوی زندگی کا آخرت میں مگر قلیل۔ (آیت ۳۸)

(اب آیت ۳۹ میں جلال وغضب ہے کہ میرے محبوب ﷺ کا ساتھ دینے سے کترا رہے ہو۔)

اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ عذاب دے گا تمھیں، دردناک عذاب۔ اور بدل کر لے آئے گا کوئی دوسری قوم تمھارے علاوہ اور تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا کچھ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اب وہ آیت ہے جو زیرِ بحث آچکی ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

ترجمہ: اگر تم مدد نہ کرو گے رسولِ کریم ﷺ کی تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے، جب نکالا تھا ان کو کفار نے۔ آپ دوسرے تھے دو سے۔ جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق (ساتھی) کو کہ مت غمگین ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

جب غارِ ثور میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے قدموں کی آہٹ سنی کہ کفار کی جماعت غار کے دہانے پر کھڑی ہے تو اللہ کے محبوب ﷺ کو یوں خطرے میں محسوس کر کے بے چین ہو گئے۔ اس وقت اللہ کے محبوب ﷺ نے شانِ رسالت کے شایاں، توکل علی اللہ کے مقام سے، یہ جملہ ارشاد فرمایا:

یا ابا بکر ما ظنک باثنین، اللہ ثالثھما۔

ترجمہ: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ ان دو کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت نے اس واقعے کو اپنی شاعری میں الفاظ کا جامہ پہنا کر حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں پیش کیا۔ رحمتِ عالم ﷺ نے جب دریافت فرمایا کہ حسان رضی اللہ عنہ! کیا تم نے شانِ صدیق رضی اللہ عنہ میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں؟ انھوں نے عرض کیا:

جی ہاں۔ میں نے آپ ﷺ کے یارِ غار کی مدح سرائی کی ہے۔ فرمایا: سناؤ، میں سننا چاہتا ہوں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
طاف العدو به اذ صعّد الجبلا

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ دو میں سے دوسرے تھے اس بابرکت غار میں اور دشمن نے اس کے گرد چکر لگایا جب وہ پہاڑ پر چڑھا۔

و کان حِبّ رسول ﷺ اللہ قد علموا
من البریة لم یعدل به رجلا

ترجمہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے محبوب تھے اور لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ حضور ﷺ ساری مخلوق میں سے کسی کو آپ کا ہم پلّہ نہیں سمجھتے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے یہ شعر سن کر اللہ کے محبوب ﷺ نے تبسم فرمایا اور پھر فرمایا: اے حسان رضی اللہ عنہ! تم نے سچ کہا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے ہی ہیں۔

(ابنِ عساکر، ابنِ زہرہ عن انس رضی اللہ عنہ)

کے عقل تواں رسد بہ پایاں
ہم عشق ہنوز نا رسیدہ

(جگر مرادآبادی)

سرسیّد احمد کے افکار:

درود تاج پر اعتراض میں ایسے ہی عناصر شامل ہیں جو تفسیر بالرائے کے ذریعے اپنی خواہشِ نفس کے مطابق تاویل کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں ایک گروہ وہ ہے جو تعصب، بغض وعناد کا شکار ہے اور مقاصدِ مذمومہ کی تکمیل کے لیے تفسیر بالرائے کا سہارا لے کر تاویل کرتا ہے، جن کا احوال اور مثالیں گزشتہ اوراق میں گزریں۔ دوسرا گروہ اگرچہ بغض وعناد کی لعنت میں گرفتار نہیں لیکن بزعمِ خود مدعیانِ علم میں شامل ہے اور اپنی عقل کے ترازو میں ہر قول کو تولتا ہے اور یہی زعمِ علم ان کے لیے حجاب علم بن جاتا ہے۔ ایک گروہ کو

مثال کے ذریعے متعارف کرادیا گیا، دوسرے گروہ سے بھی تعارف ہونا ضروری ہے۔ اس میں صرف ایک ہی شخصیت مثال کے لیے کافی ہے اور وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ زمانہ انھیں سر سیّد احمد کہتا ہے۔ یہ خواہشِ نفس کے مطابق نتیجہ اخذ کرنے والے متعصب گروہ سے جدا ہیں، البتہ اپنے علم پر اتنا بھروسہ کر بیٹھے کہ یہی ان کے لیے حجاب علم بن گیا۔ ان کے اقوال اور ان کی تحقیق بڑی عجیب اور دلچسپ بھی ہے جسے یہاں مثال کے ذریعے سمجھاتا ہوں، پھر آپ خود اس دوسرے گروہ کے متعلق اپنی رائے قایم کرسکیں گے۔

قرآنِ کریم میں نزولِ عذاب کا ذکر بار بار آیا ہے۔ اگر اشارۃً بھی بتایا جائے تو ایک فہرست ترتیب پا جائے اس لیے صرف ایک ہی واقعہ پیشِ خدمت ہے۔ قوم ثمود کی بربادی کے ذکر میں قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ
هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ
رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ
اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿٦٢﴾
قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ
يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿٦٣﴾ وَ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ
نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ
فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ
اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ
الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾ وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا
رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾

(سورہ ہود، آیت ۶۱ تا ۶۸)

ترجمہ: اور قوم ثمود کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا۔ آپ علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی، نہیں ہے کوئی تمھارا معبود اس کے سوا، اس نے پیدا فرمایا تمھیں زمین سے اور بسا دیا تمھیں اس میں، پس مغفرت طلب کرو اس سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف، بیشک میرا ربّ قریب ہے اور التجائیں قبول فرمانے والا ہے۔ انھوں نے کہا: اے صالح علیہ السلام! تم بھی ہم میں کے (ایک شخص) تھے جس سے امیدیں وابستہ تھیں اس سے پہلے۔ کیا تم روکتے ہو ہمیں اس سے کہ ہم عبادت کریں ان (بتوں) کی جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا، اور بیشک اس امر کے بارے میں، جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو، ایک بے چین کر دینے والے شک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا کی ہو مجھے اپنی رحمت، تو کون ہے جو بچائے گا مجھے اللہ (کے عذاب) سے اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ تو تم نہیں زیادہ کرنا چاہتے میرے لیے سوائے نقصان کے۔ اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے، تمھارے لیے نشانی ہے، پس چھوڑ دو اسے، کھاتی پھرے اللہ تعالیٰ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے، ورنہ پکڑے گا تمھیں عذاب بہت جلد۔ پس انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں تو صالح علیہ السلام نے فرمایا: لطف اٹھالو تین دن تک اور اپنے گھروں میں، یہ (اللہ کا) وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ پھر جب آ گیا ہمارا حکم تو ہم نے بچالیا صالح علیہ السلام کو اور جو ایمان لائے تھے انھیں ان کے ساتھ، اپنی رحمت سے، نیز بچالیا اس دن کی رسوائی سے، بیشک (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) تیرا رب ہی بہت قوت والا، عزت والا ہے اور پکڑ لیا ظالموں کو ایک خوفناک کڑک نے اور صبح کی انھوں نے اس حال میں کہ وہ اپنے گھروں میں اپنے گھٹنوں کے بل اوندھے گر پڑے تھے

(انھیں اس طرح نابود کر دیا گیا) گویا وہ یہاں کبھی آباد ہی نہیں تھے۔

سورہ ہود سے یہ طویل اقتباس ختم ہوا۔ اس کی طوالت کا ایک سبب تھا۔ غالباً مستشرقین نے قرآنی آیات پر جتنے اعتراض جڑے ان کے مدلّل جواب دینے میں سر سیّد احمد، بالخصوص ''عذاب الٰہی'' کی شرح میں، مستشرقین سے مرعوب ہوگئے اور اسی حال میں انھوں نے قرآن کے مطالب بیان کیے۔ شاید اسی کو حجاب علم کہتے ہیں (حجاب علم اور ان کی اقسام آیندہ اوراق میں بیان ہوں گی)۔

قرآنِ کریم کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب بھی کسی قوم نے اپنے نبی کی دعوت قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ایسے مشاغل جاری رکھے جو ظلم اور جہل پر مبنی ہوں تو ان کی بداعمالیوں پر عذاب مسلط کر دیا گیا۔ ایسے واقعات کا قرآنِ کریم میں بار بار ذکر آیا ہے چنانچہ سورہ ہود ہی میں اس کی تفصیل ہے۔ حقیقتاً یہ عذاب ان قوموں کے جرم کی سزا ہے۔

لیکن سر سیّد کی نگاہ میں یہ واقعہ اللہ کی طرف سے ان کے جرائم کی سزا نہیں ہے بلکہ یہ وہ حادثات ہیں جو طبعی اسباب مہیا ہو جانے کے نتیجے میں ظہور میں آتے ہیں یعنی ایسے واقعات کا کسی کی نیکی یا بدی سے ذرا بھی تعلق نہیں۔ چنانچہ میں یہاں سر سیّد کی ہی تحریر سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں:

> ''آندھی اور طوفان، پہاڑوں کی آتش فشانی، ان سے ملکوں کا اور قوموں کا برباد ہونا، زمین کا دھنس جانا، قحط کا پڑنا، کئی قسم کے حشرات کا زمین میں، پانی میں، ہوا میں پیدا ہو جانا، کئی قسم کی وباؤں کا آنا اور قوموں کا ہلاک ہو جانا سب طبعی امور ہیں جو ان کے اسباب جمع ہو جانے پر ''موافق قانونِ قدرت'' کے واقع ہوتے رہتے ہیں، انسانوں کے گنہ گار ہونے یا نہ ہونے سے فی الواقع اس کو کوئی تعلق نہیں اگرچہ توراۃ میں اور دیگر صحفِ انبیاء میں اس قسم کے ارضی و سماوی واقعات کا سبب انسانوں کے گناہ قرار دیے گئے ہیں، مثل ایک پوشیدہ بھید کے سمجھ سے خارج ہے۔ اس سے ہم کو بحث نہیں ہے مگر قرآنِ پاک میں بھی ایسے واقعات کو

> انسانوں سے منسوب کرنا بلاشبہ تعجب سے خالی نہیں۔''

اس تعجب کو دور کرنے کے لیے وہ اگلے صفحے پر کہتے ہیں:

> ''پس قرآنِ پاک کے اس قسم کے بیانات کو، جن میں حوادث ارضی و سماوی کو انسانوں کے گناہوں سے منسوب کیا ہے، یہ سمجھنا کہ وہ ایک حقیقتِ اشیاء ''علی ماھی علیہ'' (جیسا کہ بتایا ویسا ہی) کا بیان ہے، ان سمجھنے والوں کی غلطی ہے نہ قرآنِ پاک کی۔''

(مقالات سر سیّد احمد، جلد چہار دہم، ص ۱۲۸ تا ص ۱۳۰)

سر سیّد احمد کے بیان پر تبصرے سے پہلے سورہ ہود کی آیات میں دو مقام پر خط کشیدہ ہے اور سر سیّد احمد کے بیان میں بھی دو جگہ پر خط کشیدہ ہے۔ ایک نظر انھیں دیکھ لیں۔ اگر سر سیّد احمد حیات ہوتے تو ہم ان سے سوال کرتے، اب جو ان کے معتقدین ہیں ان سے کہتے ہیں، کہ قرآنِ کریم نے کسی ارضی و سماوی حادثے یا واقعے کا، جو بقول ان کے موافق قانونِ قدرت واقع ہوتا ہے یا ہوا ہے، کب انکار کیا ہے یا خالقِ ارض و سماء نے کب یہ ارشاد فرمایا کہ ارض و سماء میں کوئی بھی حادثہ ایسا نہیں جو انسانوں کے گناہ کا نتیجہ اور انبیاء کی نافرمانی ہے۔ یقیناً ارض و سماء میں طبعی امور کے سبب ہونے والے ہر سیلاب، ہر آندھی اور ہر زلزلے کے لیے تو قرآن کا خطاب نہیں ہے۔ دوئم یہ بتایئے کہ جس لفظ کا سہرا یعنی ''قانونِ قدرت کے مطابق'' تو یہ قانون کس کا ہے اور وہ کون ہے جس کی قدرت کا ذکر کیا گیا ہے؟ نعوذ باللہ کیا یہ کسی اور طاقت کا نام ہے جو غیر اللہ ہے؟ قرآنِ کریم نے جن واقعات کا ذکر کیا ہے بحث انھیں واقعات کی تصدیق پر ہے اور یہ واقعات قرآنِ کریم میں حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قوموں سے متعلق ہیں۔

سر سیّد احمد کا جواب:

سر سیّد کے اس طویل بیان میں، جس میں انھوں نے ایک شبہے کے ازالے کی کوشش کی ہے، جو طریقہ اپنایا اس نے اعتراضات کی راہ ہموار کر دی۔ سر سیّد کے اس بیان پر جتنا بھی افسوس کا اظہار کیا جائے کم ہے، جس کے نتیجے میں ہم کتنی باتوں سے انکار

کرنے کی طرف راغب کیے گئے ہیں۔ اول تو انبیائے کرام علیہم السلام کا خدا کے فرمان کے مطابق تبلیغ اسلام کرنا، گناہوں سے روکنا اور عذاب الٰہی سے ڈرانا یہ تمام کا تمام بے مقصد اور لغو تسلیم کیا جائے (نعوذ باللہ)۔ اِس کے ایک اور معنی یہ ہوے کہ انبیاء علیہم السلام ان طبعی اسباب اور قانونِ قدرت کے عمل سے ناواقف تھے جب کہ جس کے قبضے میں ان کی جان تھی اس نے اپنے نبیوں کو غیب کی باتیں بتانے والا کہا تھا اور وہ حکمِ ربی سے غیب کی خبر دیتے تھے لیکن سرسیّد کے نزدیک انبیاء جس عذاب کو وحی کیے گیے وعدے کا نتیجہ سمجھ رہے تھے ویسا نہ تھا۔ اس طرح قرآنِ کریم پر کیا اعتقاد رہ جاتا ہے؟

رہ گئے طبعی اسباب تو حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں ان تین دنوں میں تم پر یقینی عذاب آئے گا، تو کیا ان تین دنوں میں ہی وہ تمام طبعی اسباب فراہم ہو گئے جو عذاب الٰہی کی بجائے کڑک اور زلزلہ بن کر رونما ہوے۔ اگر یہ طبعی اسباب ہی تھے تو پھر اس سوال کا جواب کون دے گا کہ اس کی زد میں صرف کافر اور اپنے نبی علیہ السلام سے بغاوت کرنے والے ہی کیوں آئے اور اہلِ حق کس لیے محفوظ رہے؟ بتایئے! کیا ان طبعی اسباب میں نیک و بد کی تمیز کی اہلیت بھی ہوتی ہے؟ قرآن واضح الفاظ میں جگہ جگہ کہہ رہا ہے:

وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا

ترجمہ: ہم نے ان کو غرق کیا جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔

اب اگر آپ اس غرقابی کا سبب عذاب الٰہی کو نہیں بلکہ طبعی اسباب کو تصور کریں تو قرآن کی آیت سے انکار لازم آجائے گا۔ ان تمام انبیاء علیہم السلام کے احوال کا آپ مطالعہ فرمائیں جن کی قوموں پر عذاب اسی طرح اطلاع فراہم کر کے آیا، اور ان تمام سے انکار کے بعد آپ کس مقام پر اپنے کو پائیں گے؟ ایک آخری حوالہ قرآنِ کریم کا سورہ الاعراف کی آیت نمبر ۴ اور نمبر ۵ سے جس میں عذاب کے تمام واقعات کو یکجا کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَكَمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَیَاتًا اَوْ هُمْ قَآىِٕلُوْنَ

ترجمہ: اور کتنی بستیاں تھیں، برباد کر دیا ہم نے انھیں، پس آیا ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت یا جب وہ دوپہر کو سو رہے تھے۔

سرسیّد نے واقعۂ معراج پر بھی اسی طرح کی قیل و قال کی ہے جس کے لیے آپ

"مقالاتِ سرسیّد احمد" کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ محوِ تماشائے لبِ بام ہی رہ گئے، انھیں رومیؒ تو ملا، پیرِ رومیؒ نہ ملا۔ اقبالؒ نے کیا خوب کہا:

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

سرسیّد احمد ذی علم انسان تھے، ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا، قدیم و جدید علوم دونوں پر گہری نظر تھی اس کے باوجود وہ مغربی افکار سے متاثر بھی تھے اور خوفزدہ بھی۔ سرسیّد کا عقیدہ کیا تھا؟ یہ جاننا ضروری ہے کیونکہ جب کوئی شخص اوروں سے مختلف کوئی خیال پیش کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ اوروں کے خیالات کی ضد ہوتا ہے، تو اس کے پس منظر میں کوئی فلسفہ، کوئی نظریہ ضرور ہوتا ہے جسے منوانے کے لیے وہ یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ ان کے بنیادی نظریے کے تعارف سے قارئین کو یہ آسانی ہو جائے گی کہ انھیں دیگر مدعیانِ علم کو، جو مفسّرین کی فہرست میں ہیں، سمجھنے میں دشواری نہیں ہوگی۔

عقایدِ سرسیّد احمد (اختصار کے ساتھ) تفصیل کے لیے "مقالات سرسیّد احمد" دیکھیے۔ اِن کا بنیادی مسئلہ قانونِ قدرت (نیچر) کا ہے جو ان کے اپنے خیال میں کسی طرح بھی تبدیل نہیں ہوسکتا۔ (یعنی زلزلے، سیلاب، آندھی، کسی طرح کی بھی آفات ارضی وسماوی قانونِ قدرت کی پابند ہیں حتیٰ کہ بن باپ کے بیٹا پیدا ہونا، سورج کا پلٹ آنا، چاند کا ٹکڑے ہونا، ابابیل کا کنکریاں اٹھا کر لانا، مارنا اور ہاتھیوں کا ہلاک ہو جانا اور دیگر بے شمار واقعات خلاف وعدہ ہیں۔) وعدہ کیا ہے؟ یہ بھی سمجھ لیجیے:

وہ کہتے ہیں ورک آف گاڈ (خدا کا عمل) اور ورڈز آف گاڈ (خدا کا کلام: قرآن) دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہونہیں سکتے۔ اگر کہیں، کسی مقام پر، کسی وقت پر جدا ہوگئے، مختلف ہوگئے تو ورک آف گاڈ چونکہ پہلے سے موجود ہے، ورڈز آف گاڈ، جس کو قرآن کہا جاتا ہے، اس کا (نعوذ باللہ) جھوٹا ہونا لازم آئے گا اس لیے یہ ضروری ہے کہ دونوں یعنی ورک آف گاڈ اور ورڈز آف گاڈ متحد ہوں اور دونوں میں کہیں بھی اختلاف نہ ہو۔ اب وہ (سرسیّد احمد) خود مزید اس کی تشریح میں کہتے ہیں:

ورک آف گاڈ کیا ہے؟ یہ قانونِ قدرت ہے جو خدا کا ایک ''عملی عہد'' ہے اور ورڈز آف گاڈ کیا ہے؟ یہ خدا کا ''قولی عہد'' ہے یا ''قولی معاہدہ'' ہے۔ وعدہ اور وعید، ان دونوں عہد (عملی اور قولی) میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خدا کو قانونِ قدرت کا پابند کہتے ہیں یعنی زلزلے، بجلی، سیلاب یا وبا یہ تمام قانونِ قدرت کے مطابق طے شدہ امور ہیں جو طبعی اسباب کے ساتھ وابستہ ہیں اور یہ ورک آف گاڈ، خدا کا عملی عہد، ہے تو انبیاء علیہم السلام کی امت پر بغیر کسی طبعی امور کے زلزلے یا سیلاب آنا (عذابِ الٰہی کی صورت میں) قانونِ قدرت کا، ورڈز آف گاڈ کے سبب، تصادم ہے جو ناممکن ہے۔ بنیادی اعتقاد جب یہ ہوں تو قرآنی آیات کی تاویل بھی اسی طرح ہوگی، واقعۂ معراج، شق القمر، آفتاب کا پلٹ آنا، ابابیل اور ابرہہ وغیرہ انھیں افکار کی زد پر آئیں گے۔

سرسیّد کے عہد میں مغربی تعلیم کا رخ برِ صغیر کی طرف تھا۔ مغربی افکار کی یلغار کا زمانہ تھا۔ مستشرقین قانونِ قدرت کے نظریے کی بنیاد پر قرآنی آیات پر بھی اعتراضات کر رہے تھے۔ سرسیّد مستشرقین کی تحریک سے واقف تھے۔ انھوں نے ان اعتراض کو باطل قرار دینے کے لیے یہ راستہ اختیار کیا کہ ایسے تمام واقعات کو، جو قانونِ قدرت سے متصادم تھے، ان کی تفسیر وتعبیر میں مستشرقین کے نظریہ قانونِ قدرت کے مطابق ڈھالنے کی علمی کوشش کی جو ان کی تصانیف اور نامکمل تفسیرِ قرآن سے ثابت ہے۔ اس کوششِ خام میں سرسیّد نے ماضی کی تمام تفسیروں کو، خواہ وہ کتنی ہی معتبر ہوں، محض فضول اور مملو بروایاتِ ضعیف وموضوع اور قصصِ بے سروپا قرار دیا۔ اس کے باوجود قرآنی آیات کو نیچر کے مطابق ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔

تفسیر بالرائے:

چونکہ عام قاری علمِ تفسیر کے اصولوں سے واقف نہیں، وہ بس تفسیر کو تفسیر سمجھتا ہے اس لیے اسے تفسیر بالرائے سے واقف ہونا ضروری ہے۔ گزشتہ اوراق میں سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت وشان کو غبار آلود کرنے کی کوششِ ناکام کی جو مثال پیش کی وہ تفسیر بالرائے کی قسمِ مذموم کی کامیاب مثال ہے، اب ذرا اسے غور سے سمجھ لیں:

اس کی بعض قسمیں ممدوح اور بعض مذموم ہیں۔ اگر یہ تفسیر قرآنی ہدایت کے قریب ہو تو ممدوح ہے اور اگر بعید ہو تو مذموم ہے۔

تفسیر بالرائے کے بارے میں علماء نے مختلف افکار و آراء کا اظہار کیا ہے۔ بعض اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور بعض جائز، مگر ان کے اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ تفسیر بالرائے کی وہ قسم حرام ہے جس میں بلا دلیل و برہان وثوق کے ساتھ کہا جائے کہ خدا کی مراد یہ ہے، یا یہ کہ مفسّر قواعدِ لغت اور اصولِ شرع سے بیگانہ ہونے کے باوجود تفسیرِ قرآن کی جسارت کرے یا بدعات اور اہواء کی تائید میں توڑ مروڑ کر قرآنی آیات کو پیش کرے۔ لیکن اگر مفسّر میں شروطِ مطلوبہ موجود ہوں تو تفسیر بالرائے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، قرآن خود تدبّرِ آیات کی دعوت دیتا ہے، تعلیمات کے فہم وادراک میں اجتہاد کی دعوت دیتا ہے۔

قرآنِ کریم میں فرمایا: ''اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا''

(آیا قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔)

نیز فرمایا: ''کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ''

(یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف اتارا تاکہ اس کی آیات میں غور وفکر کریں۔) (علوم القرآن ص ۴۱۷)

تفسیر بالرائے کی قسمِ مذموم بیان کی گئی جس میں مفسّرِ قرآن اجتہادِ صحیح سے کام لیے بغیر اپنی خواہشِ نفس کے مطابق ''فاسد رائے'' سے تعبیرِ آیات کرے خواہ دانستہ کرے یا غیر دانستہ کرے۔

تفسیر بالرائے میں لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں، کیا آپ جاننا پسند کریں گے؟ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اگر شیاطین قلوبِ بنی آدم کے گرد چکر نہ لگاتے تو وہ ملکوت کو دیکھ لیتے۔''

معلوم ہوا کہ معنیِ قرآن بھی ملکوت ہیں۔ ہر وہ چیز جو اس سے غایب ہو اور نورِ بصیرت کے سوا کسی چیز سے اس کا ادراک نہیں ہوسکتا، شیطان نے اگر پردے ڈال رکھے ہوں دلوں پر تو ان حجابات کی وجہ سے وہ اسرار ورموزِ قرآن سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔

صاحبِ قرآن کی حدیث کے مطابق فہمِ قرآن میں جو حجابات ہیں علمائے تفسیر نے

فرمایا وہ چار ہیں۔

حجابِ علم کی چار اقسام

پہلا حجاب:

یہ ہے کہ قاری کی ہمت صرف تصحیحِ مخارج اور مخارج سے حروف ادا کرنے کی تحقیق میں مصروف ہو۔ اس پر کوئی شیطان مقرر ہے جو قاری کو معانیِ کلام اللہ سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے، جو انھیں صرف اسی خیال میں الجھائے رکھتا ہے کہ حرف اپنے مخرج سے ادا ہوا یا نہیں چنانچہ قاری کا غور اور تامل صرف اسی میں منحصر ہوتا ہے پھر بھلا اس پر معنی کا انکشاف کیوں کر ہو۔

دوسرا حجاب:

ظاہر پر طبیعت کا جم جانا باطن پر غور سے مانع ہوتا ہے۔ ہم اسے آسان لفظوں میں سمجھاتے ہیں۔ قاری اس مذہب کا پابند ہو جو اس نے سن رکھا ہے تقلید کے باعث اور پھر اسی پر جما رہے اور محض سنی سنائی باتوں کی اتباع کے باعث اس (قاری) کے نفس میں تعصب پیدا ہو گیا ہو، اب اس کے لیے یہ ممکن نہ رہے کہ اس کے اپنے معتقدات کے خلاف کوئی خطرہ گزرے۔ پھر اس پر کوئی ایسے معنی واضح ہوے جو اس کے سنے سنائے معنی سے مختلف ہوں یعنی اس کے معتقدات کے خلاف ہوں تو یہاں شیطان ورغلاتا ہے اور تقلید کا حوالہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ان معنی کا خیال دل سے نکال دے، یہ تیرے عقیدے اور تیرے باپ دادا کے عقیدے کے خلاف ہیں۔ پھر وہ شیطان کی باتوں پر یقین کر لیتا ہے، اسی لیے صوفیائے کرام نے کہا: علم حجاب ہے یعنی صوفیاء ''علم'' سے ایسے ''عقاید'' مراد لیتے ہیں جن پر اکثر لوگ تقلید کی وجہ سے قایم ہیں۔ علم کو حجاب صوفیاء نے انھیں معنی میں فرمایا۔

تیسرا حجاب:

کسی گناہ پر اصرار، خواہشاتِ دنیا میں گرفتار اور یہ بات قلب پر ظلمت و زنگاری کا سبب ہے۔ یہ ایسا آئینہ ہے جس پر میل آ جائے۔ قلب کے لیے یہ زبردست حجاب ہے اور اکثر لوگ اس حجاب سے محجوب ہو گئے ہیں۔ جتنی شدت خواہشاتِ نفسانی اور شہوت میں بڑھتی جائے گی اتنے ہی معانیِ کلامِ الٰہی مخفی اور پوشیدہ ہوتے جائیں گے اور جس وقت

دل سے یہ بوجھ جس قدر ہلکے ہوتے جائیں گے تجلیِ معنیٰ اتنی ہی قریب ہوتی جائے گی۔ یعنی قلب مثل آئینہ ہے اور شہوات مثل زنگ کے ہیں۔ معانیِ قرآن وہ صورتیں ہیں جو آئینے میں دیکھی جاتی ہیں۔

حضور نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب میری امت کے نزدیک دینار و درہم باعظمت ہوتے جائیں گے تو ہیبتِ اسلام دل سے جاتی رہے گی اور جب لوگ اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں کی ممانعت چھوڑ بیٹھیں گے تو وحی کی برکت سے محروم ہو جائیں گے۔''

(حدیث کے اس جملے ''وحی کی برکت'' کے معنی میں حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ بن عیاض فرماتے ہیں: قرآن سمجھنے سے محروم ہو جائیں گے۔)

چوتھا حجاب:

قاری ایک تفسیر پڑھے اور اعتقاد کرے کہ اس کے معنی وہی ہیں اور حقیقی ہیں جو حضرت ''ابنِ عباس رضی اللہ عنہ'' اور ''مجاہد'' وغیرہ سے مروی ہیں اور اس کے سوا تمام معنی تفسیر بالرائے۔ اور جس نے تفسیر بالرائے کی (یعنی اپنی رائے سے تفسیر کی) اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے (یہ بھی حجاب ہے) اس لیے وہ شخص تفسیرِ ظاہری پر ہی اکتفا کر لیتا ہے حالانکہ قرآنِ کریم میں بکثرت ایسے رموز و اشارے اور دلالتیں (نشانیاں) ہیں جن کا ادراک اہلِ فہم و بصیرت کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے تاجدارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا: ''تم قرآن پڑھو اور اس کے غرایب کی جستجو کرو۔'' اس کے علاوہ اور بہت سے امور ایسے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ معانیِ قرآن کے فہم میں بڑی وسعت ہے اور جو باتیں ظاہری تفاسیر سے نقل کی جاتی ہیں وہ منتہائے ادارک و عمل نہیں۔

واقعۂ غرانیق اور مفسّرین کا فتنۂ عظیم:

اگرچہ اس سے قبل کچھ مثالیں تفسیر پر دے چکا ہوں، آخر میں سب سے اہم حوالہ بطور مثال پیش کرنے جا رہا ہوں جو اپنی اہمیت کے ساتھ ساتھ اتنا ہی نازک بھی ہے۔ ضروری نہیں کہ اس میں ملوث مفسّرین سارے بدنیت ہوں۔ چونکہ اعتراض کے جو

اسباب پیدا ہوئے ان میں مفسّرین کی وہ قسم بھی شامل ہوئی جو بزعمِ علم مدعیِ علم ہے، جس کی مثالیں گزشتہ اوراق میں گزریں۔ یہ واقعہ، جسے میں پیش کر رہا ہوں، اسلامی تاریخ کا بہت ہی نازک واقعہ ہے۔ اسے تاریخ میں ''واقعہِ غرانیق'' سے موسوم کیا گیا ہے، تفسیر بالرائے مذموم اور حجابِ علم کے لیے اس سے بہتر کوئی مثال نہیں۔ سورہ الحج میں ارشاد ہوا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

(سورہ الحج، آیت ۵۲)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ ﷺ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک)۔ پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو دخل اندازی شیطان کرتا ہے، پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور بہت دانا ہے۔

اس آیت شریفہ میں خدائے ذوالجلال جس طرح گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات اور ان کی قوموں کا احوال سناتا رہا ہے، کبھی عذاب کا ذکر ہے، کہیں انبیاء کے ساتھ کفار ومشرکین کے ظلم اور زیادتیوں کا تذکرہ ہے عین اسی طرح اس سورہ میں بھی اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ شیطان کس طرح اپنے چیلوں کے دلوں میں فرمانِ الٰہی کے خلاف وسوسے ڈالتا ہے، کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ مثلاً: ایک اور آیت میں ارشاد ہوا:

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـِٕــهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ

ترجمہ: (شیطان) اپنے چیلوں کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتے ہیں تا کہ وہ تمھارے ساتھ بحث ومباحثہ شروع کر دیں۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا

ترجمہ: اس طرح ہم نے ہر نبی کے لیے سرکش انسانوں اور جنّوں کو دشمن بنا دیا اور وہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ایسی باتیں سکھاتے ہیں جو بظاہر بڑی دلکش ہوتی ہیں۔

پہلے جو آیت پیش کی، سورہ الحج کی، وہی زیرِ بحث ہے۔ یہ آیات شیطان کے وسوسہ ڈالنے سے متعلق تھیں تا کہ شیطان کے اس عمل کو بحث کا حصہ بنایا جا سکے کہ شیطان وسوسہ ڈالتے ہیں۔ ان آیات میں جو ذکر ہوا حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کفار ومشرکین کو سمجھا رہے ہیں کہ دیکھو، شیطان کے شر سے بچو۔ لیکن بعض مفسّرین نے آیت کی تفسیر میں اتنی دیدہ دلیری دکھائی کہ خود نبی کریم ﷺ کو شیطان کے وسوسے کا شکار بنا دیا (نعوذ باللہ) حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ شیطان کسی امتی کے خواب میں بھی محبوب ﷺ ربّ کے بھیس میں نہیں آسکتا اور دھوکا نہیں دے سکتا۔ مقامِ حیرت وافسوس ہے کہ خودِ نبیِ کریم ﷺ کی ذات کو اس میں ملوث کر دیا کہ وہ ہستی فریب میں آ گئی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ والنجم میں ایسے ہی جھوٹے الزامات لگانے والوں کی تردید میں اعلان فرمایا:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

ترجمہ: یعنی تمھارا ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا ہے نہ بہکا ہے اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے، نہیں ہے یہ مگر وحی، جو اُن کی طرف کی جاتی ہے۔

اصل واقعہ کیا ہے، وہ پیش کرتا ہوں:

کہا یہ گیا ہے کہ اس آیت (وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ) کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک روز حرم شریف میں کفار ومشرکین کے ایک اجتماع میں وہ نبی ﷺ، جس کی زبان سے کلمہِ حق کے سوا کبھی کچھ اور نہ نکلا اور جس کی رفتار وگفتار، ہر ادا کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرتا رہا، سورہ النجم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے:

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى

ترجمہ: (اے کفار) کبھی تم نے لات وعزیٰ کے بارے میں اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے....'' ابھی پیکرِ صدق وصفا یہیں تک پہنچے تھے کہ شیطان نے (العیاذ باللہ) زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیے: تلک الغرانیق العُلیٰ وان شفاعتھن لتُرتجیٰ۔ ''یعنی یہ بت،

مرغانِ بلند پرواز ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے۔'' یہ سن کر مشرکین کی تو خوشی کی حد نہ رہی اور حضور ﷺ کا اسم گرامی لے کر کہنے لگے: ''وہ اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ آیا۔ آج اس کی اور ہماری عداوت ختم ہوگئی'' اور جب رحمت للعالمین ﷺ نے سورہ النجم کی سجدہ والی آیت تلاوت فرمائی تو حضور ﷺ نے بھی سجدہ کیا اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ سے کہا کہ ''میں نے آپ ﷺ کو یہ سورۃ اس طرح وحی نہیں کی تھی جس طرح آپ ﷺ نے پڑھی۔''

یہ سن کر حضور ﷺ کو از حد رنج ہوا، اس رنج وغم کو دور کرنے کے لیے یہ آیت (سورہ الحج) نازل ہوئی کہ ''آپ غم نہ کریں، پہلے بھی جتنے رسول اور نبی گزرے سب کے ساتھ ایسا ہوا۔'' (ضیاء القرآن، جلد سویم)

مندرجہ بالا بیان میں آیت کا یہ ٹکڑا ''سب کے ساتھ ایسا ہوا'' کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر اس دروغ گفتہ روایت کے مطابق معنی لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہر نبی اور ہر صاحبِ کتاب کے ساتھ وحی کے نزول میں ایسا ہوتا آیا ہے، اور یہ بات بیانِ قرآن کے قطعی خلاف ہے۔

اس بے ہودہ روایت کی جتنی شد ومد سے تردید ہوئی ہے یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ اس کی تفصیل بیان ہو۔ جسے حضور ﷺ کی بابت تھوڑا بہت بھی علم ہو اس کے قلب و ذہن پر یہ روایت بجلی بن کر گری ہے جسے پڑھ کر توبہ کی ہے۔ علمائے حق نے اپنی تحقیقی مساعی کے ذریعے مسلمانوں میں اس فتنے کے زہریلے اثرات کو قدم جمانے سے پہلے ہی اکھاڑ پھینکا اور اس طرح اس روایت کی کوئی اہمیت نہ رہی (حجاب علم اور تفسیر بالرائے کی قسم مذموم ذہن میں رہے)۔ اس واقعہ ''غرانیق'' پر ہمارے محققین نے جس طرح حق و صداقت کا پرچم بلند کیا اور باطل نظریے کا ابطال فرمایا ان کے دلایل:

علامہ ابنِ حیان غرناطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس آیت میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں جو رحمتِ عالمیان ﷺ کی طرف منسوب کی جاسکے بلکہ اس میں صرف پہلے نبیوں اور رسولوں کا ذکر ہے اس لیے اس آیت: اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ سے یہ اخذ کرنا، کہ حضور ﷺ سے کوئی فعل سرزد ہوا اور اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، سرے سے ہی غلط ہے۔

ابن محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سیرت کے انتہائی معتبر سوانح نگار ہیں، وہ فرماتے ہیں: هٰذا من وضع الزنادقه (یہ روایت زندیقوں کی گھڑی ہوئی ہے) چنانچہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی غیرتِ ایمانی جوش میں آگئی اور انھوں نے اس کے رد میں ایک پوری کتاب تصنیف فرمائی جس کے مطالعے سے اس فتنے کی اصل حقیقت معلوم ہوجاتی ہے۔

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح تردید فرمائی: یہ قصہ صحیح نقل سے ثابت ہی نہیں ہے، جن راویوں نے اسے نقل کیا ہے یہ سب مطعون ہیں۔

''اس کے جھوٹ ہونے کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ صحاح ستہ (حدیث کی مشہور چھ کتابیں) اور دیگر کتبِ حدیث میں اس کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔'' (ضیاء القرآن)

صحاح ستہ میں تو اس وقت اس کا حوالہ آتا جب خودسرکار دو عالم ﷺ اپنی زبان سے اس واقعے کو کسی کے سامنے بیان فرماتے۔ پھر یہ واقعہ اس وقت کا تھا جب آپ ﷺ کفار ومشرکین کو خطاب فرمارہے تھے، اس وقت آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے چند صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حرم شریف میں موجود ہوں گے۔ ان حضرات رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب یہ آیت سنی ہوگی یقیناً ان میں سے کسی نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوکر حیرت انگیز واقعے پر ضرور دریافت کیا ہوگا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان اس کا چرچا ہوا ہوگا کہ آج حرم شریف میں یہ عجیب وغریب واقعہ رونما ہوا ہے۔ خودسرکار ابد قرار ﷺ نے اپنی زبانِ مطہر وحق گو سے اس واقعے کا کسی سے ذکر نہیں فرمایا اور یہ خود ایک دوسرا الزام پیدا کرتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اگر ایسا ہوا تو آپ ﷺ نے اسے پوشیدہ رکھا جب کہ بات عیاں ہو چکی، پوشیدہ نہ رہی۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آیت کریمہ میں جو وحی نازل ہوتی، خواہ اس کا مضمون کتنا ہی سخت بیان ہوتا، آپ اسے چھپاتے نہ تھے۔ سورہ الحاقہ میں دیکھیے، ارشاد باری ہورہا ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا
مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ

ترجمہ: اور اگر (ہمارا پیغمبر) کوئی بات اختراع (اپنی طرف سے) کر لیتا

تو ہم اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر اس کی رگِ جاں کو کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی بھی ہم کو اس سے روک سکتا ہے؟

اس آیت میں بھی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کی ہی تصدیق ہو رہی ہے۔ کفار و مشرکین کے علاوہ یہودی علماء کے لیے یہ ایک حربہ بن جاتا کہ تمھارا نبی ﷺ کبھی کچھ کہتا ہے پھر مخالفین کے خوف سے بدل دیتا ہے۔ کیا یہ ثبوت نہیں ہے اس بات کا کہ ان پر وحی نہیں اترتی، بلکہ یہ ضرورت کے پیشِ نظر جو کہتے ہیں اسے بدل بھی دیتے ہیں؟

ایک اور مقام پر علامہ ابنِ حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اسی لیے میں نے اپنی تفسیر کو اس کے بیان سے آلودہ نہیں کیا۔ مجھے تو ان لوگوں پر حیرت ہے کہ انھوں نے اپنی تالیفات میں اس واقعے کو لکھنے کی جسارت کیسے کی حالانکہ قرآنِ کریم کی ان آیات کو وہ تلاوت کرتے ہیں جو سورہ النجم کے آغاز میں ہیں:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

علامہ ابنِ حیان رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

''اِن روشن آیات کی موجودگی میں یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں ایسے قبیح کلمات زبانِ پاک سے نکلے ہوں؟'' دوسری جگہ اللہ پاک نے اپنے محبوب ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا:

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ

یعنی آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میری یہ مجال نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے کلام میں اپنی مرضی سے ردّ و بدل کر سکوں، میں تو صرف وحی کا اتباع کرتا ہوں۔

علامہ ابنِ حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ

(اگر وہ ہم پر ایک بات بھی اپنی طرف سے بنا کر کہتے تو ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے اور ان کی رگِ دل کاٹ دیتے۔)

کیا اس ارشاد کے بعد اس بات کا گمان بھی کیا جا سکتا ہے؟ علامہ ابنِ حیان رحمۃ اللہ علیہ نے متواتر کئی آیات پیش کی ہیں، طوالتِ مزید کے سبب وہ تمام یہاں پیش نہ کر سکا، پھر لکھتے ہیں:

''یہ وہ قرآنی نصوصِ قطعیہ ہیں جو حضور ﷺ کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔''

مزید فرماتے ہیں:

''عقلی طور پر بھی یہ روایت من گھڑت ہے کیونکہ ایسا ہونا اگر ممکن ہوتا تو تمام احکامات و آیات اور سارا دین مشکوک ہو جاتا۔'' (بحوالہ البحر المحیط، ابنِ حیان)

حضرت امام فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی نہایت پُر زور الفاظ میں تردید فرمائی ہے اور امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول پیش کیا ہے۔ علمائے محققین کے کئی حوالے پیش کر کے عقلی دلایل کے بعد یوں فرمایا:

''جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ نے بتوں کے بارے میں تعریفی جملے کہے وہ کافر ہے کیونکہ اس طرح تو حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، نیز شریعت، قرآن اور دینِ اسلام کی کسی بات پر یقین نہیں رہتا۔''

اس مبنی بر دروغ روایت پر جو مختلف تاویلیں اس کے راویان نے کی ہیں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی جڑیں اکھاڑ دی ہیں اور فرمایا:

''اس روایت کی کوئی تاویل درست نہیں، اس کا کوئی صحیح مصداق تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ روایت اپنی تمام تاویلات اور اختلافِ الفاظ کے ساتھ مسترد کر دینے کے قابل ہے۔''

(تفسیرِ کبیر، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ)

عقل را در خلوت او راہ نیست
علم نیز از وقتِ او آگاہ نیست (عطار رحمۃ اللہ علیہ)

آخری حوالہ جس پر یہ تمام بحث اختتام کو پہنچتی ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ''شفاء شریف'' کے مصنف، فرماتے ہیں (یہ حوالہ علامہ ابو عبد اللہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا):

ان الامة اجمعت ما فی طریقة البلاغ انه معصوم فیه من

الاضمار عن شئی بخلاف ما هو علیه لا قصداً ولا عمداً ولا سهواً ولا غلطاً۔

ترجمہ: امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تبلیغِ کلام میں (کلام الٰہی) حضور ﷺ سے ہرگز غلطی نہیں ہوسکتی نہ قصداً نہ عمداً نہ سہواً۔

''روح المعانی'' میں سیّد محمد آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے نقل کیا ہے: ''قاضی ابوبکر ابن العربی الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ جب تفسیر کرنے بیٹھے تو اس روایت کو دیکھ کر آنکھوں میں خون اتر آیا اور اس روایت کو باطل کرنے میں مستقل فصل لکھ ڈالی۔''

(روح المعانی، علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ)

درود تاج پر اعتراض بھی فتنۂ عظیم ہے:

اندازہ کیجیے کہ اگر ہمارے ان بزرگوں نے، صالحین نے، مفسّرین و محققین نے اُس وقت اس شدّ و مد کے ساتھ اس فتنے کا قلع قمع نہ کیا ہوتا تو آج بات کہاں تک پہنچتی اور اسلام کو کتنا شدید نقصان پہنچتا؛ شرار بولہبی کی یہ ستیزہ کاریاں کیا رنگ لاتیں؟

درود تاج پر اعتراضات کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ یہ بھی ایک فتنۂ عظیم ہے۔ مجھے اپنی کم مائیگیِ علم کا احساس ہے لیکن اعتراضات کو دیکھ کر قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح میری آنکھوں میں بھی خون اتر آیا۔ وہاں بھی عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے دامن کو تار تار کرنے کی کوشش کی گئی اور یہاں بھی یہی کوشش جاری ہے۔ الحمد للہ! میں اپنے رب کی بارگاہ میں شکر گزار ہوں کہ مجھ عاجز سے یہ کام لیا گیا۔

علمائے سلف کی محنت میری راہبر ہوئی۔ اس خلاء کو پُر کرنے کے لیے امکانی حد تک میری یہ کوشش کامیاب ہوئی۔ فنِ تنقید، فنِ تفسیر اور حجاب علم کی تشریحات میں متقدمین کی روشن تحریروں نے راستہ دکھایا۔ اپنی اس کاوشِ مخلصانہ میں جس زاویہ نگاہ کی دعوت دی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے طفیل اسے میرے لیے اپنی رضا مندی اور خوشنودی کا موجب بنائے، میری نجاتِ اُخروی اور شفاعتِ رحمت للعالمین ﷺ کا ذریعہ ہو، آمین!

سیّد حسین علی ادیب رائے پوری

درود تاج کا مصنّف کون ہے؟

یہ ایک تحقیقی مسئلہ ضرور ہے لیکن اس کی بنیادی حیثیت نہیں ہے۔ تحقیق کا عمل صدیوں سے زندگی کے مختلف شعبوں میں جاری ہے۔ انسانی تاریخ و تمدن کی کہانی ہو، مذاہبِ عالم کی داستان ہو، آسمانی صحائف کی بات ہو، جڑی بوٹیوں پر تحقیق ہو یا ادب و شاعری کا مسئلہ ہو اپنے اپنے عہد میں ہر محقق نے ان مختلف شعبوں میں کام کیا، جو کچھ حاصل ہوا اس کے نتائج پیش کر دیے اور آنے والے عہد کے محققین کے لیے راہ ہموار کر دی۔ زمین ''چندا ماما'' سے اب ہماری زمین کی طرح ایک زمین ثابت ہوگئی لیکن تحقیق نامکمل ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ عربی شاعری اور ادب میں بھی بہت کام ادھورا ہے، جس پر تحقیق جاری ہے۔ خود ہمارے عہد اور ہماری صدی کے بہت سے علمی ادبی مرحلے ایسے ہیں جو محتاجِ تحقیق ہیں۔

یہاں ایک مثال سے اس بات کو واضح کرتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت، امام اہلِ سنّت، شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت مذہبی، روحانی، علمی، ادبی ہر حیثیت سے مکمل ہے لیکن آج سے پچاس برس پہلے تک ان کی تحقیق اور ان کی تصانیف کے نام سے بھی پوری طرح ملّت باخبر نہیں تھی۔ ہماری موجودہ نصف صدی میں وہ تمام علمی، ادبی، مذہبی اور روحانی مواد، تحریر میں جو پوشیدہ تھا، آہستہ آہستہ تحقیق کے ذریعے منظرِ عام پر آرہا ہے اور آج بھی یہ دعویٰ محال ہے کہ ان کی شخصیت کے تمام پہلو سامنے آچکے ہیں۔ چنانچہ تمام دنیا میں ان کے علمی کارناموں پر تحقیق کا یہ سلسلہ جاری ہے اور امید یہی ہے کہ ان کی تحقیقی کاوشوں سے مزید ایسے راز سربستہ کھلیں گے جو ابھی پردہ حجاب میں ہیں۔ اگر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر تحقیق کا عمل نامکمل ہے تو کیا ان کی شخصیت نامکمل ہے؟ یہی ایک جواب

ہے اس سوال کا کہ درود تاج کے مصنف کی تلاش اور جستجو میں ملک اور بیرونِ ملک تحقیق جاری ہے لیکن درود تاج کی علمی، ادبی، روحانی حیثیت اپنے مضمون کے باعث مکمل ہے اور اس کی اہمیت مصنف کے نا معلوم ہونے سے متاثر نہیں ہوتی۔ جس طرح اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہر اعتبار سے مکمل ہے اور وہ کسی تحقیق کی مرہونِ منت نہیں یا مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت مکمل ہے اگرچہ یورپ اور ایشیاء کے دیگر ممالک میں ان پر بھی برق رفتاری سے تحقیق کا عمل جاری ہے۔

ہمارا دوسرا قول یہ ہے کہ مصنف کا معلوم ہونا یا نا معلوم ہونا مضمون یا عبارت کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کی نہ تو دلیل ہے نہ جواز ہے، اس لیے کہ علمِ حدیث میں ایسے کتنے راویانِ حدیث ہیں جن کے علمی تبحر کی دنیا قایل ہے لیکن راوی کی شخصیت سے واقفیت کے باوجود اگر حدیث کی روایت ضعیف ہے تو قبول نہیں کی گئی۔ اگر وہ نصوصِ قرآنی سے متصادم ہے تو مصنف کی علمی حیثیت کا کوئی شمار نہیں ہوتا۔

درود تاج کے لیے بھی ہمارا یہ اصول ہے کہ اگر اس کی عبارت کا ایک ایک لفظ قرآن کی روشنی میں اور حدیث کے حوالوں پر معتبر ہے تو مصنف کے نام کا معلوم نہ ہونا اس پاکیزہ اور بے غبار عبارت کو متاثر نہیں کرتا۔ اغلاط سے مبرّا ہونا، شریعت سے متصادم نہ ہونا اس کی صداقت کے لیے کافی ہے۔

حضرت خواجہ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ آج سے تین ساڑھے تین سو سال قبل کا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ متعدد کتب کے بھی مصنف ہیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت ہر زمانے میں رہی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات عشقِ رسول ﷺ میں گم ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے جید عالم اور صاحبِ کشف روحانی بزرگ ہیں۔

درود تاج پر سخت تنقید کرنے والی شخصیت علامہ شاہ محمد جعفر شاہ پھلواروی کے والدِ بزرگوار مولانا قاری شاہ سلیمان شاہ پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ، جو اپنے اس معترض فرزند کے والد ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے روحانی پیشوا بھی تھے اور وہ خود بھی عاشقِ رسول ﷺ تھے، اسی جذبے کے تحت شاہ سلیمان شاہ صاحب پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب ''صلوٰۃ وسلام'' تصنیف فرمائی۔ اسی کتاب میں وہ حضرت خواجہ سیّد ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک

اہم تاریخی واقعہ پیش فرماتے ہیں اور صرف یہی ایک واقعہ اہلِ ایمان کے لیے تسکین و تسلی کا باعث ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں درود تاج کو زیارت کے وقت پیش کیا اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ اس درود کے لیے منظوری عطا فرمائیے کہ یہ ایصالِ ثواب کے وقت ختم میں پڑھا جا سکے۔ حضور ﷺ نے منظور فرما لیا، یعنی حبیب ﷺ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ اے شاذلی رحمۃ اللہ علیہ! یہ بدعت ہے، تم کیا یہ بدعت لے کر ہمارے پاس آئے ہو۔ الحمدللہ! اس واقعے سے ایک نہیں دو نتیجے سامنے آئے: ایک یہ کہ درود تاج جائز اور درست ہے اور یہ بدعت نہیں، دوئم ایصالِ ثواب کے لیے ختم پڑھا جانا چاہیے۔ مقامِ افسوس ہے کہ ایسی بزرگ ہستی حضرت شاہ سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند نے درود تاج سے اختلاف کے نتیجے میں جن الفاظ میں اپنے والد جیسی عظیم ہستی کی شان میں گستاخانہ کلمات ادا کیے، جو نہ صرف ان کے والدِ بزرگوار بلکہ ان کے روحانی پیشوا بھی تھے، وہ عبارت پیشِ خدمت ہے:

''غلطی بہر حال غلطی ہے خواہ کسی سے اس کا صدور ہو۔ حضرت قبلہ شاہ سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ میرے مرشد بھی ہیں اور پدر بزرگوار بھی۔ مجھے ان سے بے حد عقیدت ہے لیکن ایسی اندھی عقیدت بھی نہیں کہ انھیں معصوم عن الخطاء بھی سمجھنے لگوں۔'' (درود تاج پر اعتراضات اور جوابات) پھلواروی نے بھی مصنف کے سوال کو اٹھایا ہے، وہ کہتے ہیں:

''میں ابھی تک درود تاج کے مصنف کا اصلی نام معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔'' فنونِ عربیہ میں ایسی کئی کتابیں ہیں جو مروّج ہیں اور مقبول بھی۔ مثال کے طور پر ''میزان الصرف''، ''شرح مأتہ'' اور ''پنج گنج'' وغیرہ، اِن کا مقام فنونِ عربیہ میں بہت بلند ہے اور بعض جگہ یہ نصاب میں شامل ہیں لیکن ان کے مؤلفین کا نام کسی کو نہیں معلوم۔ پھلواروی صاحب کی نگاہ میں بھی حضرت خواجہ سیّد ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام بہت بلند ہے اور وہ ان کی عظمت و بزرگی کو تسلیم کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ جملہ بھی لکھتے ہیں:

''ایسی ''بے سروپا'' عبارت کے مصنف حضرت شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہو سکتے۔''

وہ اپنے والد کے اس قول کی تردید نہ کر سکے کہ حضرت شاذلی رحمۃ اللہ علیہ ایسی ''بے سروپا عبارت'' کو لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچے اور بوقتِ زیارت پیش فرما کر اجازت

حاصل فرمائی۔ جہاں تک لفظ ''بے سروپا'' کا تعلق ہے انشاء اللہ تعالیٰ تشریح درود تاج اس الزام کو دور کردے گی۔

تحقیق ایک فن ہے، مشکل فن ہے اور اس کا تعلق اہلِ علم سے ہے۔ جو حضرات جانتے ہیں وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ تحقیق کبھی ایک ہی نشست میں مکمل نہیں ہوتی یا کوئی ایک شخص ہی اس کی تکمیل نہیں کر پاتا۔ یہ سلسلہ جاری ہے اور اس میدان میں خدمت انجام دینے والے اس کو بھی تلاش کرلیں گے۔ میں نے احتیاط کی ہے اور کوئی نام غیر تحقیقی نہیں دیا کہ اگر بعد میں تردید ہوتی ہے تو میری تحقیق پر حرف گیری آسان ہوجاتی ہے۔ مجھے یقین ہے مستقبل قریب میں یہ مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔

اس کے باوجود حضرت خواجہ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی درود تاج سے یہ نسبت اور یہ واقعہ فکر ونظر کو دعوت دیتا ہے کہ ممکن ہے یہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تصنیف ہو۔ اس ضمن میں چند باتیں عرض کرتا ہوں:

عرب میں شعراء اور اہلِ علم حضرات کا یہ دستور ابتداء سے رہا ہے کہ جب وہ کسی بارگاہ میں استغاثہ، فریاد یا کسی فنی کمال کو پیش کرتے ہیں تو وہ مستعار نہیں ہوتا بلکہ ان کی اپنی تخلیق ہوا کرتی تھی۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جس نے بھی جو کچھ پیش کیا وہ اس کا اپنا ہی کلام یا ترتیب ہوتی تھی، مثلاً: اپنی جان بخشی اور معافی کے لیے مشہور قصیدہ بانت سعاد (پہلا قصیدہ بردہ)، جس کے اشعار کی تعداد ابنِ اسحاق نے اکیاون بتائی ہے لیکن ابنِ ہشام کی تحقیق میں سات شعر کا اضافہ ہو کر اٹھاون شعر ہیں، مشہور صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن زہیر کا ہے۔ حضرت امام اعظم حضرت نعمان بن ثابت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور استغاثہ بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم پیش ہوا، جسے قصیدہ نعمانیہ کہا جاتا ہے، ''یا سیّد السادات'' اور پھر حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور زمانہ قصیدہ، جسے ''قصیدہ بردہ'' کے نام سے شہرت ملی، وہ بھی خود مصنف کا ہی کلام تھا۔ ہماری اردو نعتیہ شاعری کا مزاج بھی اسی روش میں ڈھل گیا اور جب کوئی فریاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوتی ہے، کوئی عرض ومعروض ہوتی ہے تو شاعر اپنا کلام پیش کرتا ہے۔ بعض مصنفین نے اپنی تصانیف پیش کرتے ہوئے ان کی قبولیت کی

دعائیں مانگی ہیں۔ الغرض یہ چند ہی نہیں ایسی بے شمار مثالیں پیش ہوسکتی ہیں۔ ان تمام باتوں کے پیشِ نظر حضرت خواجہ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے اس عظیم واقعے پر، جو تاریخ کا ایک مستند حوالہ بن گیا ہے، یقین کیا جاسکتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے درود تاج کے لیے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوکر جو اجازت طلب کی وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تصنیف ہی کے لیے ہوسکتی ہے۔ یہ خیال کسی طرح کمزور نہیں ہے کیونکہ عرب کے دستور اور روایات کی ایک طویل داستان اس کے پیچھے رہنمائی کرتی نظر آتی ہے۔

علامہ شاہ محمد جعفر شاہ پھلواروی کے مخالفانہ بیان سے بھی اس بات کو تقویت پہنچتی ہے کیونکہ وہ عالم تو تھے اور درود تاج کی مخالفت میں انھوں نے وہ تمام طریقے اختیار کیے جو اس درود کی مخالفت میں کام آسکیں اور جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ اس کے مصنف حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو ان کی عظمت وبزرگی اور ان کے مراتب ومقام کو دیکھتے ہوئے یہی ایک راستہ رہ گیا کہ وہ یہ اعلان کردیں کہ (نعوذ باللہ) ''ایسی بے ہودہ عبارت امام شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہوسکتی'' اور یہ انکار ہی تصدیق کی جانب ذہن کو لے جاتا ہے۔

بدعت

کیا درود تاج بدعت ہے؟

درود تاج پر کیے گئے اعتراضات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ بدعت ہے، اس لیے ہم بدعت کی تشریح مستند حوالوں سے پیش کرتے ہیں کہ بدعت ہے کیا اور اس کا اطلاق درود تاج پر بھی ہوتا ہے؟ تا کہ اس قسم کے اعتراض کے ذریعے معصوم ذہنوں میں شکوک وشبہات کی لہر دوڑا کر ان کے جذبات اور عقیدت کو مجروح کیا جائے۔

امام ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ، جن کی تصنیفات مقبول حلقہِ علم تحقیق ہیں، کی ''ریاض الصالحین'' دو جلدوں میں بہت مقبول ہے۔ شیخ الاسلام آپ کا لقب ہے۔ آپ نے ''شرح مسلم'' اور'' تہذیب الاسماء واللغات'' میں لفظ بدعت پر سیر حاصل بحث کی ہے جس کے مطالعے کے بعد اس لفظ کا مفہوم اس طرح واضح ہو جاتا ہے کہ جو شبہات پیدا ہوتے ہیں اور پیدا کیے جاتے ہیں وہ کافور ہو جاتے ہیں۔ تمام بحث تو یہاں نقل کرنا ممکن نہیں البتہ چند سطور اس کی پیشِ خدمت ہیں:

البدعة بكسر الباء فى الشرع هى احداث مالم يكن فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم هى منقسمة الىٰ حسنة وقبيحة قال الشيخ الامام المجمع على امامته و جلالته و تمكنه فى انواع العلوم و براعته ابو محمد عبدالعزيز بن عبدالسلام رحمة الله تعالىٰ عليه فى اخر كتاب القواعد البدعة منقسمة الى واجبة و محرمة و مندوبة و مكروهة ومباحة۔

(القسم الثانی من تہذیب الاسماء، صفحہ ۲۲)

ترجمہ: شریعت میں بدعت اس کو کہتے ہیں کہ ایسی نئی چیز پیدا کرنا جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نہیں تھی۔ اس کی دو قسمیں ہیں: بدعتِ حسنہ و بدعتِ قبیحہ۔ علامہ ابو محمد عبدالعزیز بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ، جن کی امامت پر اور جلالتِ شان پر ساری امت متفق ہے اور تمام علوم میں ان کی مہارت ہے اور براعت کو سب تسلیم کرتے ہیں، انھوں نے اپنی تصنیف ''کتاب القواعد'' کے آخر میں بیان کیا ہے کہ بدعت کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں: حرام، مستحب، مکروہ اور مباح۔

کچھ لوگ اس حدیث ''کل بدعة ضلالة'' کے حوالے سے مندرجہ بالا حقایق کو تسلیم نہیں کرتے اس لیے امام ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شبہے کا ازالہ حدیث کی روشنی میں، مندرجہ بالا قول کی تشریح میں، صحیح مسلم کی شرح میں جو آپ نے خود تحریر فرمائی ہے، (کل بدعة ضلالة) فرماتے ہیں:

هذا عام مخصوص والمراد غالب البدع قال اهل اللغة هي كل شئي عمل علي غير مثال سابق قال العلماء البدعة علي خمسة اقسام واجبة و مندوبة و محرمة و مكروهة و مباحة فمن الواجبة نظم ادلة المتكلمين للرد علي الملاحدة والمبتدعين و شبه ذالک و من المباح التبسط في الوان الاطعمة و غير ذالک والحرام والمكروه ظاهران۔

(شرح مسلم الامام النووی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۵۸۲)

ترجمہ: ''کل بدعة ضلالة'' اگرچہ عام ہے لیکن یہ مخصوص ہے یعنی ہر بدعت ضلالت نہیں، بلکہ غالب بدعت ضلالت ہوتی ہے۔ لغت میں اُس چیز کو بدعت کہتے ہیں جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو اور علمائے کرام کہتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: ۱- واجب ۲- مستحب ۳- حرام ۴- مکروہ ۵- مباح۔ پھر واجب کی مثال یہ دی ہے: جیسے متکلمین کا ملحدوں اور اہلِ بدعت پر رد کرنے کے لیے اپنے دلایل کو منظم کرنا۔ مستحب کی

مثال یہ دی ہے: مختلف علوم و فنون پر کتابیں تصنیف کرنا، مدرسے تعمیر کرنا، سرائے وغیرہ بنانا۔ مباح کی مثال یہ دی ہے: جیسے طرح طرح کے لذیذ کھانے پکانا۔ حرام اور مکروہ ظاہر ہیں۔

بدعت کی تمام اقسام کے حوالے پیشِ خدمت کیے گئے جسے ہر ذی عقل اور صاحبِ فہم سمجھ سکتا ہے۔ درود تاج بھی بدعت ہے اور بدعتِ حسنہ ہے جس میں رحمت للعالمین ﷺ کی بے حد و بے شمار بلند صفات میں سے چند صفات کا انتخاب کر کے القاب کے جواہرات کو لوحِ محبت پر جڑ دیا ہے۔ اس لوح کے وسط میں وہ نام ہے جو اپنے محبّ کے نام کی طرح غیر منقوط ہے اور اپنے محبّ کے نام کے حروف کی تعداد کے برابر ہے۔ درودِ ابراہیمی علیہ السلام کے بعد درود کی مختلف اقسام عہدِ رسالت مآب ﷺ میں ہی پائی جاتی ہیں۔ اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ سے دریافت فرماتے اور آپ ﷺ انھیں مختلف درود تعلیم فرماتے۔ بعض کو آپ ﷺ نے وہ درود سکھایا جس میں آپ ﷺ کے اجداد کا ذکر شامل ہے۔ آیئے بدعت کے واقعات کی تاریخی حیثیت پر بھی ایک نظر ڈال لیے جس کے بغیر فیصلہ کرنا دشوار معلوم ہو رہا ہو۔ جنگِ یمامہ میں ستر حفاظِ قرآن شہید ہو چکے تھے۔ یہ جنگ مسلمانوں اور مسیلمہ کذّاب کے درمیان ہوئی تھی۔ سیّدنا عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ بے حد فکر مند تھے۔ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اب قرآن کو جمع کر لیا جائے۔ صحیح بخاری میں بھی اسی طرح ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کو سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے طلب فرمایا کہ سیّدنا عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ کا اصرار ہے کہ جنگِ یمامہ میں بڑی تعداد میں حفاظِ قرآن شہید ہو چکے ہیں اس لیے قرآن کو یکجا کر لیا جائے۔ میں نے (زید رضی اللہ عنہ بن ثابت نے) حضرت عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: ''ہم وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟'' سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بخدا یہ کام بہتر ہے۔'' سیّدنا عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ نے بار بار اصرار کیا، جس پر زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کہتے ہیں: ''بخدا اگر جناب صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے کسی پہاڑ کو اس کی جگہ سے نقل کرنے کا حکم دیا ہوتا تو وہ میرے لیے اس ذمے داری سے آسان ہوتا (آسان ترین ہوتا)۔'' میں نے کہا: ''آخر آپ ایسا کام کیوں کریں گے جو حضور ﷺ نے نہیں کیا؟'' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے

فرمایا: ”بخدا یہ کام بہتر ہے، اور پھر میں نے یہ کام کیا۔“

(صحیح بخاری، کتاب الفضائل باب سویم و چہارم)

حضرت علی ابن ابی طالب کرّم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے: ”اللہ تعالیٰ ابو بکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، وہ اولین شخص تھے جنھوں نے قرآنِ کریم کو کتابی صورت میں جمع کیا۔“

(البرہان جلد اول، ص ۹۳۲، المصاحف لابن ابی داوٗد)

یہ تاریخ کا موڑ تھا، حالات کا تقاضا تھا، تحفظِ قرآن کا تصور بدعتِ حسنہ کی صورت میں سامنے آیا۔ کسی کج فہم کی جانب سے یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ قرآن کی حفاظت کا وعدہ خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تو ہم یہی عرض کریں گے کہ عذابِ الٰہی جب جب نازل ہوا کسی نہ کسی کو اس کا سبب بنا دیا گیا۔ نوح علیہ السلام کی قوم کے لیے سیلاب سے کام لیا، ابرہہ کی موت کے لیے ابابیلوں سے کام لیا۔ خدا کے دین کی اور خدا کے گھر کی حفاظت جس طرح اسباب سے کی گئی قرآن کی حفاظت کا وعدہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سبب بنا کر پورا کیا۔

بدعت کی مزید تاریخی مثالیں:

قرآنِ کریم کو مصحف کا نام دیا گیا یعنی جب قرآنِ کریم شانوں کی ہڈیوں، چمڑیوں، لکڑیوں اور کاغذ کی ٹکڑیوں پر لکھا جا رہا تھا پھر ان سے منتقل ہو کر اوراق پر لکھا گیا تو سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا کوئی نام تجویز کریں۔ بعض نے ”السفر“ (پیغامات) تجویز کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ یہود کا تجویز کردہ نام ہے۔ بعض لوگوں نے ”المصحف“ تجویز کیا، یہ نام حبشہ میں رائج تھا، اس پر اتفاق ہو گیا اور قرآنِ کریم کو ”المصحف“ کہا جانے لگا۔

(جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، الاتقان جلد اول، ص ۸۹
المصاحف ابنِ اشتہ، محمد بن عبداللہ بن محمد بن اشتہ)

جسے مصحفِ عثمانی کہا جاتا ہے اس کا واقعہ تفصیل سے یہاں پیش کرنا ممکن نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ قرآن کی تلاوت میں لوگ اختلاف کرتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، جو اُمّ المومنین بھی تھیں، حافظِ قرآن بھی اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد تک کے تمام مصاحف ان کی نگرانی میں سپرد کر دیے تھے، اختلافِ قرأت کے خوف سے آپ (سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ) نے اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ تمام مصاحف منگوائے اور انھیں ترتیب دے کر تمام ممالک میں بھجوا دیا اور جو اصل امانت تھی وہ اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کو واپس بھجوا دی۔ اس کے علاوہ جو مصحف لکھے گئے تھے وہ نذرِ آتش کرا دیے۔

(صحیح بخاری، کتاب الفضائل القرآن باب دویم وسویم، الاتقان جلد ششم، ص ۱۰۲)

اس بدعت کے متعلق حضرت علی ابنِ ابی طالب کرّم اللہ وجہہٗ کا ارشاد بھی دیکھیے، آپ کرّم اللہ وجہہٗ نے فرمایا:

> عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہ کہو۔ بخدا آپ رضی اللہ عنہ نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ بھی کیا ہمارے مشورے کے مطابق کیا اور ہماری موجودگی میں کیا۔ (الاتقان جلد اوّل، ص ۱۰۳)

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے یہ بھی فرمایا: ”اگر میں عثمان رضی اللہ عنہ کی جگہ ہوتا مسندِ خلافت پر تو مصاحف کے ساتھ وہی سلوک کرتا جو عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔“

(البرہان جلد اوّل، ص ۱۰۳)

اس زمانے میں اکثر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس ذاتی مصاحف تھے، مثلاً: حضرت عبد اللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا ذاتی مصحف تھا جسے آپ نے جلانے سے انکار کر دیا تھا۔ (کتاب المصاحف لابن ابی داوٗد، ص ۱۲)

اعراب اور نقطوں کا عبارتِ قرآن پر لگانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں نہیں ہوا لہٰذا یہ بھی بدعت ہے اور کون ہے جو اسے بدعت ماننے سے انکار کر سکتا ہے؟ خلیفہ عبد الملک کے زمانے تک بغیر نقطوں کا قرآن پڑھایا جاتا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مرتب کردہ نسخوں کو چالیس برس ہو چکے تھے۔ اس دور میں غلطیاں عام ہو رہی تھیں جو عراق تک پھیل گئی تھیں۔ (وفیات الاعیان جلد اول، ص ۱۲۵، طبع قاہرہ ۱۳۱۰ء)

یہاں بھی اسی طرح خطرہ محسوس ہوا جو حفاظِ قرآن کی جنگِ یمامہ میں شہادت کے باعث ہوا تھا: عجمیوں سے اختلاط کے سبب غیر منقوط عبارت میں تغیر و تبدل نہ ہو جائے۔

یہ بحث کہ کسرہ، فتح، ضمہ پھر تشدید اور تنوین کا رواج کب سے ہوا؟ تاریخ کا حصہ ہے۔ اس کے لیے تفصیل آپ کو جہاں مل سکتی ہے وہ ''کتاب النقط'' لابی عمر ولدانی، ''الاتقان''، ''کتاب المصاحف''، ابوعبداللہ حسن بن حسین حلمی جرجانی کی ''المنہاج'' ہیں۔

اس تمام عمل کو اپنے نقطۂ آغاز سے اعراب ونقوط کی تکمیل تک آنے میں ہر موقعے پر اس عہد کی انتہائی مستند ہستیوں کے الزامات کا سامنا کرنا پڑا جس میں انھوں نے اس تمام عمل کو بدعات قرار دیا اگرچہ زود پشیماں ہو کر بعد میں اسے درست تسلیم کرلیا۔

جن علماء نے پہلے پہل جن ''بدعات'' کو کراہت کی نظر سے دیکھا پھر ان کے مباح یا مستحب ہونے کے قایل ہوے ان میں سے چند امور یہ ہیں:

۱- ہر سورۃ کے آغاز میں اس کا عنوان تحریر کرنا بدعت قرار دیا گیا۔
۲- آیات کے اواخر میں اختتامی علامات دینا۔
۳- قرآن کو اجزاء (پاروں) میں تقسیم کرنا۔
۴- پھر اجزاء کو احزاب میں اور احزاب کو ارباع میں بانٹنا (احزاب بمعنی منزل)۔
۵- مذکورہ صدر جملہ امور کو واضح نشانات لگا کر واضح کرنا۔

غالباً یہ اس لیے تھا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کا قول پیشِ نظر تھا: ''قرآن کو خالص رہنے دو، اس میں کسی چیز کو مت ملاؤ۔''

''امام ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ، جن کا حوالہ اسی مضمون میں ان کی تصانیف ''تہذیب الاسماء واللغات'' اور ''شرح مسلم شریف'' سے دے چکا ہوں، اپنی مشہور تصنیف ''التبیان'' میں فرماتے ہیں:

''علماء کا قول ہے کہ قرآن پر نقطے اور اعراب لگانا ایک پسندیدہ فعل ہے کیوں کہ اس طرح قرآن غلطیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانے میں اس فعل کو اس لیے مذموم قرار دیا تھا کہ قرآن میں تغیر اور تبدل نہ ہو۔ اگر اس کو بدعت بھی قرار دیا جائے تو یہ بدعتِ حسنہ ہوگی اور یہ اسی طرح ممنوع نہ ہوگی جس طرح علمی کتب تصنیف کرنا، مدارس تعمیر کرنا، سرائے بنانا اور اس قسم کے دیگر امور اور افعال ممنوع نہیں ہیں۔''

ان عبارتوں سے آپ اندازہ کیجیے کہ اس عہد میں ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے لے کر امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور نخعی رحمۃ اللہ علیہ تک معترضین کا مقصد بھی وہی تھا جو غیر منقوط بنانے اور اعراب لگانے والے تھے۔ ایک ہی خوف دو شکلوں میں دونوں جانب تھا۔ وہ یہ سوچتے تھے کہ قرآن میں کسی طرح کی تبدیلی نہ ہو جائے۔ دونوں ہی قرآن کے تحفظ کا تصور رکھتے تھے لیکن بعدازاں مدعیانِ علم نے جہلِ مرکب ہونے کا ثبوت دیا اور جب چاہا، جہاں چاہا لفظ بدعت چسپاں کر دیا۔

درود تاج کو بھی انھیں حضرات نے بدعت قرار دیا جن کے لیے کیا خوب کسی نے کہا:

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہلِ مرکب ابدالدہر بماند

آخری حوالہ:

ناچیز اس بحث کو آخری حوالے پر ختم کرتا ہے:

جہاں تک قرآنِ کریم کی سورتوں کی ترتیب کا تعلق ہے، یعنی ہم اور آپ جس ترتیب سے سورتوں کو پڑھتے ہیں، ان کی ترتیب کسی کے اجتہاد کا نتیجہ نہیں، نہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا، نہ تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا، یہ ترتیب توقیفی ہے (توقیفی بمعنی بحکمِ خداوندی، خدائے عزّ وجل کے آگاہ کرنے پر موقوف و مبنی ہے) حتیٰ کہ ہر سورۃ سے پہلے بسم اللہ کی تحریر بھی توقیفی ہے۔ قرآنی آیات اور سورتوں کو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ترتیب دیا جاتا تھا اور اس امر میں اختلاف کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ اس ضمن میں اقوال و امثال ملاحظہ فرمائیں:

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں ابوجعفر بن زبیر کی کتاب ''کتاب المناسبات'' سے نقل فرماتے ہیں:

''قرآنی سورتوں میں آیات کی ترتیب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قایم کی گئی ہے، مسلمانوں کے یہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔''

(الاتقان، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، جلد اول، ص ۴)

"اس بات کا اتنا لحاظ رکھا گیا ہے کہ بعض علماء نے قرآنِ کریم کی اس آیت وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا کی تفسیر ہی یہ کی ہے کہ قرآن کو اس ترتیب کے مطابق بلا تقدیم وتاخیر پڑھیے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بحکمِ خدا (توقیفی) ترتیب فرما دی ہے، جو شخص اس کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ موردِ الزام ہے۔" (الاتقان)

"الاتقان" کا ایک اور اہم حوالہ پیشِ خدمت ہے:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسنادِ حسن کے ساتھ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں ایک روز بارگاہِ نبوی ﷺ میں بیٹھا تھا۔ آپ ﷺ نے نگاہ اٹھائی اور پھر نیچے کر کے فرمایا: "میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے، انھوں نے کہا کہ آیتِ کریمہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى و فلاں سورۃ میں فلاں جگہ رکھو۔"

(الاتقان جلد اول، ص ۱۰۴)

اب اس کی دلیل میں بخاری شریف کی حدیث دیکھیے:

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن زبیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آیتِ قرآنی وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا (سورہ بقرہ، آیت ۲۳۴) کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے پھر آپ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) نے اس کو قرآنِ کریم کے نسخے میں باقی کیوں رکھا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھتیجے! میں قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔

(صحیح بخاری جلد ششم، ص ۲۹، الاتقان جلد اول، ص ۱۰۵)

چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ جبریل علیہ السلام سرورِ کائنات ﷺ کو ترتیبِ آیات سے آگاہ کر چکے تھے اس لیے اب کوئی شخص اس میں تبدیلی کا مجاز نہیں ہے۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اس ترتیب

سے آگاہ فرما دیا تھا۔

ان جید، مستند اور معتبر علمائے اسلام کے اقوال کے حوالوں کے ساتھ بدعت کی اس بحث کے اختتامی حصے میں ہم چند ایسے امور کا حوالہ پیش کرتے ہیں جن کا تعلق قرآنِ کریم کی آیات کے تحفظ کی بحث سے ہٹ کر ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری سمجھا گیا کہ مبادا گمان پیدا نہ ہو کہ تحفظِ آیاتِ قرآنی کے سلسلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو کارنامے انجام دیے اس کے علاوہ ادیبِ رائے پوری کے پاس تاریخ سے اور کوئی حوالہ میسر نہیں آیا، اس لیے قارئین کی نذر کرتا ہوں چند ایک حوالے۔

مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی تبدیلی:

"حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ قوی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام (وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا نشان ہے) نبیِ اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیت اللہ شریف کے ساتھ متصل تھا، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے فاصلے پر رکھ دیا اور تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اتفاق کیا۔"

(بحوالہ تاریخ الخلفاء للسیوطی، باب اوّلیاتِ عمر رضی اللہ عنہ، ص ۱۳۷، دیگر حوالہ فتح الباری جلد اول، ص ۳۸۷، ۳۹۶)

جمعے کے دن پہلی اذان کا اضافہ:

صحیح بخاری شریف میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ بن یزید سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمعے کے دن اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھتا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے پہلی اذان کا اضافہ کیا۔ (بخاری جلد اوّل، مطبوعہ مصر، ص ۱۶۲)

"جمعے کی پہلی اذان یعنی اذانِ ثانی اور تکبیر سے پہلے والی اذان۔"

(بحوالہ صحیح بخاری، باب الاذان یوم الجمعہ، جلد اول، ص ۱۲۴)

ہدیہ صلوٰۃ اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ:

''سیّدنا حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہٗ نے درودِ پاک کے چند کلمات لکھوائے، وہ یہ کلمات لوگوں کو تعلیم فرمایا کرتے تھے (سکھایا کرتے تھے)۔ اِس درودِ پاک کا ذکر امام سعید بن منصور نے اور ابنِ جریر نے، ''تہذیب الآثار'' میں ابنِ ابی عاصم نے اور یعقوب بن شیبہ نے ''احبارِ علی'' میں اور طبرانی وغیرہم نے حضرت سلامہ کندی کے حوالے سے کیا۔''

(بحوالہ المعجم الاوسط للطبرانی جلد ۹، ص ۱۱۶، حدیث نمبر ۹۰۸۹)

درود تاج کے آخری حصے میں جہاں "نور من نور اللہ" کے بعد "یا ایھا المشتاقون بنورِ جمالہٖ" آیا ہے وہاں صلوا علیہ وآلہٖ کی بحث ہے، اس میں تفصیل سے درود اور اقسام درود کی بحث، امثال اور حوالے پیش ہوں گے جس پر اس تحقیق، تشریح کا اختتام ہوگا۔

تشہد میں اضافہ:

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ تشہد میں و رحمۃ اللہ و برکاتہ کے بعد کہا کرتے تھے: السلام علینا من ربنا (ہمارے رب کی طرف سے ہم پر سلامتی ہو)۔ اسے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم کبیر میں روایت کیا۔ اس کے راوی حدیثِ صحیح کے راوی ہیں جیسا کہ ''مجمع الزوائد'' میں ہے۔ (بحوالہ مجمع الزوائد، باب التشہد والجلوس جلد دوئم، ص ۱۴۳)

ان چار حوالوں کے علاوہ مزید حوالے بہت ہیں۔ جن کو خدا نے عقلِ سلیم اور حق و باطل کی تمیز دی ہے ان کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ تمام بدعات حسنہ ہیں۔ ان حضرات نے یہ نئی باتیں نکالیں جو نبیِ کریم ﷺ کے زمانے میں نہیں تھیں اور یہ عبادات میں سے ہیں۔ آپ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیا یہ حضرات، نعوذ باللہ، گمراہ اور بدعات سیئہ کے مرتکب تھے؟ نہیں تو پھر وہ کیا تھے؟

نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (سورہ انعام، آیت ۱۴۳)

مزید بدعات کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

ایمان: کون نہیں جانتا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا زبان سے اقرار اور دل سے

تصدیق کا نام ایمان ہے لیکن بعد میں علمائے کرام نے اس کی تقسیم اس طرح کر ڈالی کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں: ایک ایمانِ مجمل اور دوسرا ایمانِ مفصل۔ حضور نبیِ کریم ﷺ کے عہد میں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں یہ تقسیم نہیں تھی چنانچہ یہ بھی بدعت ہے۔

(بحوالہ اصل الاشیاء الاباحۃ، علامہ فیض احمد اویسی)

نماز کی نیّت: نماز کے لیے نیّت الفاظ سے کرنا بھی بدعت ہے جسے ہم سب زبان سے ادا کرتے ہیں، مثلاً: نیّت کی میں نے نماز کی وغیرہ وغیرہ۔ ''فتح القدیر، شرح ہدایہ'' میں ہے کہ زبان سے کہنے کا ثبوت حضرت سیّدِ عالم ﷺ سے کسی طرح نہیں ملتا۔ نہ حدیثِ صحیح سے اور نہ ضعیف سے اور نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے اس کا ثبوت پہنچا۔ حضور ﷺ سے اتنا منقول ہے کہ جب نماز کو کھڑے ہوئے تو تکبیر کہی۔ زبانی نیّت کہنا بدعت ہے، حتیٰ کہ نماز میں دو سنتوں کے بعد نفل دوگانہ پڑھنا بھی بدعت ہے۔

(عین الہدایہ ص ۳۲۴، جلد اوّل، کتاب الصلوٰۃ)

اب درود تاج کو بدعت کہنے والوں پر لازم آتا ہے کہ وہ ان تمام بدعات کو بدعات حسنہ صمیم قلب سے تسلیم کر لیں یا نہیں تو ان تمام بدعات کو ترک کر دیں، خواہ وہ ایمانِ مفصل و مجمل ہو یا کلمہ کی چھ اقسام ہوں، یا نیتِ نماز ہو یا نفل دوگانہ یا جمعہ کی پہلی اذان اور وہ تمام بدعات جن کا ذکر کتابوں میں منقول ہے۔

سَیِّدِنَا

ہر اک جہاں کے لیے ہے جو سیّدالسّادات
جہان جس پہ ہے قرباں، درودتاج میں ہے

سَیِّدِنَا

سیّدنا: معنی ہمارے پیشوا، سردار، بزرگ۔ (لغات کشوری)

السید (عربی): سردار۔ ج

اسیاد و سیادۃ و سیائد: حضرت فاطمہ کی اولاد، نسل والے۔

السیدان: حضرت امام حسن علیہ السلام و حضرت امام حسین علیہ السلام۔ السیدہ حضرت مریم علیہ السلام کا لقب بھی ہے۔

(المنجد ص ۵۰۰)

اصل عربی لفظ سیّد ہے، ''نا'' عربی میں ''ہمارے'' کے لیے آتا ہے جیسے رؤفنا، رحیمنا و دیگر۔

سردار کے معنی میں جو فضیلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے وہ کسی بشر کو نہیں۔ لوگ قبیلے کے سردار ہوتے ہیں۔ بہت سے قبایل پر ایک امت ہوتی ہے۔ اس امت کا سردار نبی ہوتا ہے جو ان قبایل کی طرف بھیجا گیا ہو لیکن حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم تمام امتوں کے پیشواؤں (سرداروں) یعنی انبیاء علیہم السلام کے بھی سردار ہیں۔

یہ لفظ مخصوص معنی میں بحرِ بے کنار ہے۔ آیئے پہلے قرآنِ کریم سے مراتب و درجات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ

(سورہ بقرہ، آیت ۲۵۳)

ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا، ان

میں سے کسی سے اللہ نے (بلا واسطہ) کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب
پر درجوں میں بلند کیا گیا۔

اس آیتِ کریمہ سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کسی نبی علیہ السلام کو ایک کمال سے متصف کیا اور کسی کو دوسرے کمال کا شرف عطا فرمایا لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو کمالات و درجات ایک ایک کر کے دیگر انبیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بخشے گئے وہ تمام کے تمام اپنی اعلیٰ ترین صورت میں نبی کریم ﷺ کو عطا کیے جو کسی نبی علیہ السلام یا رسول علیہ السلام کو نہیں ملے۔ مثلاً حضور نبی کریم ﷺ کو کسی خاص وقت اور مدت، کسی خاص ایک زمانے کے لیے، کسی ایک جہان کے لیے بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ تمام جہانوں کے لیے اور تمام زمانوں کے لیے، جب کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام و مرسلین علیہم السلام کسی مخصوص قوم، کسی خاص خطے اور کسی خاص زمانے کے لیے بھیجے گئے۔ شبِ اسریٰ آپ ﷺ ہی نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی۔ یہی فضیلت نہیں بلکہ آپ ﷺ کے دین نے تمام سابقہ ادیان کو منسوخ فرما دیا، جب کہ آپ ﷺ کا دین قیامت تک کے لیے ہوگا جو کبھی منسوخ نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب (قرآن) بھی باقی اور قیامت تک ہر تحریف سے محفوظ رہے گی۔ یعنی ہر زمانہ حضور نبی کریم ﷺ کا زمانہ ہے۔

آپ ﷺ اُن کے لیے بھی رحمت ہیں
جو زمانے ابھی نہیں آئے

قرآنِ کریم میں آپ ﷺ کی ہر زمانے کی رسالت کا واضح اعلان فرما دیا گیا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اسی لیے آپ ﷺ کو سیّد الکونین اور سیّد العالمین کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا:

شبِ معراج رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کی قطار دیکھی جو غیر منقطع یعنی لاانتہا تھی۔ دیکھا کہ ہر اونٹ پر دو صندوق لدے ہوئے ہیں۔ ہر صندوق میں اس عالم کی مثل ایک عالم ہے اور ہر عالم میں آپ ﷺ اسی شان سے رونق افروز ہیں۔ آپ ﷺ نے جبریلِ امین علیہ السلام سے دریافت کیا: یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یا رسول

اللہ ﷺ! جس وقت سے میں ہوں، دیکھتا ہوں کہ یہ اونٹوں کی قطار صندوقوں کے ساتھ چلی جا رہی ہے، میں خود نہیں جانتا یہ کیا ہے۔

یہ اشارہ ہے عالم کی بے نہایتی کا اور اُن تمام کے سردار (سیّدنا) احمدِ مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں۔ انھیں مراتب و درجات کو پیشِ نگاہ رکھتے ہوئے حضرت نعمان بن ثابت، امام اعظم، ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور قصیدہ نعمانیہ کا آغاز اسی لفظ سے فرمایا:

یا سیّد السّادات جئتک قاصداً
ارجو رضاک واحتمی بحماک

ترجمہ: اے سرداروں کے سردار، میں (ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) آپ ﷺ کے حضور آیا ہوں۔
آپ ﷺ کی خوشنودی کا امیدوار ہوں۔ آپ ﷺ کی پناہ کا طالب۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (سورہ ضحیٰ، آیت ۵)

ترجمہ: اور بے شک آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو اتنا دے گا کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے۔

یہ آیتِ کریمہ ارفع درجات کے ضمن میں پیش کی لیکن اس رتبے کے بارے میں، جو اس آیت میں بیان ہو رہا ہے، علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام باقر علیہ السلام سے ایک روایت نقل کرتے ہیں:

حرب بن شریح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سیّدنا امام باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ جس شفاعت کا ذکر اہلِ عراق کیا کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ (امام باقر علیہ السلام) نے فرمایا: بخدا حق ہے، مجھ سے محمد بن حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت کی:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اشفع لامتی حتیٰ ینادی ربی ارضیت یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاقول نعم یا رب رضیت۔

حضرت سیّدنا علی کرّم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے کہ حضور علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

میں اپنی امت کے لیے شفاعت کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا: یا محمد ﷺ! کیا آپ راضی ہوگئے؟ میں عرض کروں گا: ہاں، میرے پروردگار! میں راضی ہوگیا۔

اس طویل بیان کے بعد امام باقر علیہ السلام نے حرب بن شریح رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

اے اہلِ عراق! تم یہ کہتے ہو کہ قرآنِ کریم کی سب سے امید افزا آیت یہ ہے:

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا

لیکن ہم اہلِ بیت علیہم السلام یہ کہتے ہیں کہ کتاب الٰہی میں سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ہے:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی

اس آیت پر مزید تفصیل آیندہ اوراق میں ''شفیع المذنبین'' کے زیرِ عنوان ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنا محبوب بنالیا تو اب جتنی بھی نعمتیں افضل سے افضل ترین ہیں وہ پہلے اپنے محبوب کو دے گا اور پھر انھی کے ہاتھوں سے دوسروں تک پہنچائے گا۔ جہاں عالم یہ ہو کہ سارا جہان تو رضائے الٰہی کا طالب ہو اور خدائے عزّوجل اپنے محبوب ﷺ کی رضا کا۔ تحویلِ قبلہ کا ہی واقعہ دیکھیے، ارشاد کس طرح ہوا، یہ قابلِ غور ہے:

فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا (سورہ بقرہ، آیت ۱۴۴)

تو ہم آپ ﷺ کو ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ ﷺ پسند فرماتے ہیں۔

(اس آیت کے سیاق و سباق پر تفصیل سے غور فرمائیے کہ یہ حکم ربی ضرور ہے لیکن جس انداز سے اپنے محبوب ﷺ کو خطاب فرمایا ہے ''امام القبلتین'' کے زیرِ عنوان یہ بحث دیکھی جاسکتی ہے۔)

حدیثِ قدسی کا ارشاد:

کلهم یطلبون رضائی وانا اطلب رضاک یا محمد (ﷺ)

سارے تو میری رضا کے طالب ہیں اور اے محمد (ﷺ) میں آپ (ﷺ) کی رضا چاہتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

سیّدنا کی تشریح میں آپ یہاں تک پہنچے، واقعۂ معراج ہی ایک واحد حوالہ کافی ہے آپ ﷺ کے بلند مراتب کا لیکن قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر ان بلند درجات کا ذکر عجیب انداز میں بیان ہو رہا ہے۔ سورہ آل عمران کی ۱۸ویں آیت میں بیان ہوتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ

ترجمہ: اور اے نبی ﷺ، اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب و دانائی عطا فرماؤں پھر (جو کچھ تمھارے پاس ہو) اس کی تصدیق کے لیے ایک (عظیم الشان) رسول (ﷺ) تشریف لائیں تو تم ان پر ضرور ضرور ایمان لانا۔ اور ضرور ان کی مدد کرنا۔ کیا تم نے اس بات کا اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا تو سب نے کہا (تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح نے): ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

قرآنِ کریم کی مندرجہ بالا آیات سے ''سیّدنا'' کی تشریحات میں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے جو عہد لیا اس کی عملی توثیق

کا وہ دلکش نظارا مسجدِ اقصیٰ میں شبِ معراج کے دوران سفر کا ہے۔ تمام انبیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بیت المقدس میں جمع ہوکر وجہِ وجودِ کائنات، فخرِ موجودات، سیّد السادات صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق نماز ادا کرنا۔ ''او ادنیٰ'' کی منزل سے پہلے ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی قیادت و سرداری کے شرفِ خاص سے نوازا جارہا ہے یعنی وہ ہر زمانے میں سرداروں کے سردار ہیں۔ ظہورِ قدسی سے پہلے انبیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ارواح سے عہد لیا گیا، واقعہ معراج میں تمام انبیاء علیہم السلام کی نماز میں امامت کا شرف بخشا گیا اور پھر وہ روزِ محشر، کہ جانگداز ہوگا، جب ساری مخلوق خوفِ خدا سے لرزہ براندام ہوگی اور مصطفےٰ علیہ والتحیۃ والثناء ''لواء الحمد'' ہاتھ میں لیے ''مقامِ محمود'' پر فائز ہوں گے۔ (ضیاء القرآن)

دیکھیے اہل اللہ کیا فرماتے ہیں:

حضرت مجدّدِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال المجدد للالف الثانی کان مبدأ تعین الکلیم صلوات اللہ علیہ المحبیۃ الصرفۃ ومبدأ تعین الحبیب المحبوبیۃ الصرفۃ ولا جل ذالک کان الکلیم علیہ السلام "راس المحبّین" والحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راس المحبوبین۔

(مظہری)

ترجمہ: حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا مبداء محبیۃ محضہ تھا اور حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعین کا مبداء محبوبیۃ کاملہ تھا۔ اسی لیے کلیم علیہ السلام عاشقوں اور محبّوں کے سردار تھے اور حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جملہ محبوبوں کے سردار تھے۔

حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیّد السادات ہونے پر جو دلیل قایم کی وہ دراصل سورۃ طٰہٰ میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کی روشنی میں ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ کر دریا کی موجوں کے سپرد کردیا گیا تھا۔ سورۃ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرمایا جارہا ہے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿٣٨﴾

أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِي وَعَدُوٌّ لَهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي

ترجمہ: اور ہم نے احسان فرمایا تھا تم پر ایک بار پہلے بھی جب ہم نے وہ بات الہام کی تھی تمھاری ماں کو جو الہام ہی کیے جانے کے قابل تھی، یہ کہ رکھ دو اس معصوم بچے کو صندوق میں، پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں، پھینک دے گا دریا اسے ساحل پر، پھر پکڑے گا اسے وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے، اور ڈال دی ہم نے تجھ میں محبت اپنی طرف سے اور تاکہ پالا جائے تو ہماری آنکھوں کے سامنے۔

(خلاصۃ التفاسیر جلد سویم، ص ۱۴۹)

حضرت پیر محمد کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ، سجادہ نشین بھیرہ شریف نے اپنی تفسیر ''ضیاء القرآن'' میں اس جملے کو اس طرح تحریر فرمایا ہے:

''اے موسیٰ علیہ السلام میں نے پَرتَو ڈالا تجھ پر محبت کا اپنی جناب سے، تاکہ جو دیکھے فریفتہ ہو جائے۔'' (ضیاء القرآن جلد سویم ص ۱۱۲)

مفسّر ''خلاصۃ التفاسیر'' فرماتے ہیں:

اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے آپ علیہ السلام پر اپنے حکم اور فضل سے محبت ڈال دی یعنی محبوب خلق بنا دیا، دشمن دوست ہو گئے اور قاتل محافظ ہو گئے تاکہ تمھاری پرورش اور پرداخت ہمارے سامنے اور ہمارے حفظِ خاص میں ہو (معالم)۔ کہا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے: مراد یہ ہے کہ اپنا اور اپنی مخلوق کا محبوب بنا دیا۔ کہا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے: جو دیکھتا عاشق ہو جاتا۔ کہا قتادہ رضی اللہ عنہ نے: آپ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی گردن سے وہ حسن و ملاحت ظاہر تھی کہ دیکھنے والے بے اختیار فریفتہ ہو جاتے۔

(خلاصۃ التفاسیر جلد سویم

فرعون کی بیوی آسیہ آپ علیہ السلام کی فریفتہ ہوگئی اور اس طرح فرعون کے گھر میں آپ علیہ السلام کی پرورش ہوئی۔ ''موسیٰ'' کے معنی ان کی زبان میں اس طرح تھے: ''مو''

بمعنی پانی اور ''سیٰ'' درختوں کو کہتے تھے کیونکہ آپ علیہ السلام نیل دریا کے کنارے درختوں میں پائے گئے تھے۔ اس تفصیل کے بعد ایک مرتبہ پھر حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملے پر غور فرمائیں:

''کلیم علیہ السلام عاشقوں اور محبوں کے سردار (سیّد) تھے اور حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جملہ محبوبوں کے سردار۔''

اعتراض اور اس کا جواب:

معترضین نے اس لفظ پر بھی اعتراض کیا اور اس طرح گزشتہ اوراق میں جو فضیلت و درجات بیان ہوئے، ان کی قدر و قیمت پر تعصب اور جہلِ علم کے دروازے کھول دیے لہٰذا میں ایسے تمام اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔

درود شریف میں سیّدنا کا اضافہ کیوں ہے؟

درود شریف میں ''سیّدنا'' کا لفظ بڑھا دینا علمائے حق کے نزدیک مستحب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسی چیز کی زیادتی، جو واقع میں ہو، وہ عین ادب ہے (دُرِ مختار)۔ جیسا کہ املی شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کہا ہے، یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ''سیّد'' ہونا ایک امرِ واقعی ہے لہٰذا درود شریف میں اس لفظ کے اضافے سے کوئی مشکل پیدا نہیں ہوتی۔ بعض حضرات جو اس کی مخالفت کرتے ہیں اور منع کرتے ہیں انھیں غالباً ابوداؤد کی ایک حدیث سے اشتباہ ہو رہا ہے، یعنی ابوداؤد شریف میں ایک صحابی ''ابو مطرف رضی اللہ عنہ'' سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ میں ایک وفد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے عرض کی: انت سیّدنا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سردار ہیں۔) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: السیّد للہ۔ یعنی حقیقی سیّد تو اللہ ہی ہے۔ علماء کہتے ہیں یہ ارشاد بالکل صحیح ہے، یعنی حقیقی سیادت اور کمالِ سیادت اللہ ہی کے لیے ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ''سیّدنا'' کا لفظ بڑھانا جائز نہیں جب کہ بخاری شریف میں بروایتِ شیخین رضی اللہ عنہما حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

انا سیّد الناس یوم القیٰمۃ۔ (الحدیث)

میں لوگوں کا سردار ہوں گا روزِ قیامت۔

مسلم شریف کی ایک اور روایت ہے (حدیث ہے):

انا سیّد ولد آدم یوم القیٰمۃ۔

میں روزِ قیامت اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔

بخاری اور مسلم کی احادیث کے حوالوں کے بعد اب ترمذی شریف سے بھی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں جس کے راوی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ فرمایا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے:

انا سیّد ولد آدم یوم القیٰمۃ ولا فخر

یعنی میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔

یہ بحث بہت طویل ہے۔ میں یہاں اختصار کے ساتھ چند اہم اور مستند اقوال پیش کرتا ہوں (اس سے قبل ایک اور اہم نکتہ بیان کرتا چلوں کہ مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سردار ہونے پر فخر نہیں فرمایا)۔

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجداد، قبیلے اور نسب کا بیان فرمایا، لواء الحمد اور مقامِ محمود کا ذکر فرمایا وہاں بھی اسی طرح فخر کی نفی فرمائی ہے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الفقر کا ذکر کیا ہے تو وہاں اپنے فقر پر بار بار فخر فرمایا ہے۔ (یہ تفصیلی بحث آیندہ اوراق میں زیرِ عنوان ''محبّ الفقراء'' پیش کی گئی ہے۔)

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امامِ عالی مقام سیّدنا حسن علیہ السلام کے لیے فرمایا: ابنی ھذا سیّد (میرا یہ بیٹا سردار ہے)۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بابت ارشاد فرمایا اور ان کی قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا: قوموا الیٰ سیّدکم (کھڑے ہو جاؤ اپنے سردار کے لیے)۔

حضرت امام نسائی کی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود جلیل القدر صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس درود شریف کا ورد فرماتے اس میں ''اللّٰھم سیّد المرسلین'' کا لفظ وارد ہے۔ ان تمام امور میں دلالت واضح ہے اور دلایل روشن ہیں۔ لفظ ''سیّدنا'' کے جواز میں، جس کے انکار کے لیے دلیل قایم کرنا لازم ہے، ہم خود اس بات کو دہراتے ہیں کہ کمالِ سیادت اللہ ہی کے لیے ہے لیکن کوئی دلیل ایسی نہیں جس کی وجہ

سے اس کا اطلاق غیر اللہ پر ناجائز معلوم ہو۔ مزید برآں قرآنِ کریم ہمارے لیے تمام دلیلوں پر حجت ہے۔ حضرت یحییٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں سیّداً و حصوراً کا لفظ وارد ہوا۔ نیز بخاری شریف میں حضرت سیّدنا عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، وہ فرمایا کرتے:

ابو بکر رضی اللہ عنہ سیّدنا و اعتق سیّدنا یعنی بلالاً رضی اللہ عنہ

(ابو بکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار یعنی بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا)

حضرت علامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جب انصار کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں قوموا الیٰ سیّدکم (یعنی اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ) فرمایا تو اس سے استدلال کیا جاتا ہے اس بات پر کہ اگر کوئی شخص سیّدی و مولائی کہے تو اس کو نہیں روکا جائے گا۔ دلیل کیا ہے؟ ملاحظہ کیجیے:

سیادت کا مرجع اور مآل اپنے ماتحتوں پر بڑائی ہے اور ان کے لیے حسنِ تدابیر، اسی لیے خاوند کو بھی سیّد کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے: وَّ اَلْفَیَا سَیِّدَھَا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا: کیا کوئی شخص مدینہ منورہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہے کہ اپنے سردار کو سیّدی کہے تو جواب میں امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کوئی نہیں الخ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواز پر حضور ﷺ کے ارشاد "من سیّدکم" سے بھی استدلال کیا ہے جو ایک حدیثِ مبارکہ کا ٹکڑا ہے جس کا خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "ادب المفرد" میں ذکر کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بنو سلمہ سے دریافت کیا: من سیّدکم (تمھارا سردار کون ہے)؟ انھوں نے عرض کیا: جد بن قیس۔ حضور ﷺ نے سن کر فرمایا: سیّدکم عمرو بن جموح (بلکہ تمھارا سردار عمرو بن جموح ہے)۔

اس کے علاوہ مشہور حدیث ہے جو متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت ہے اور بخاری شریف میں ہے:

اذانصح العبد سیّدہ

اب اس آخری حوالے پر اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری شریف میں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

کوئی شخص اطعم ربک وقضیٰ ربک نہ کہے یعنی اپنے آقا کو ربّ کے الفاظ سے تعبیر نہ کرے۔ ولیقل سیّدی و مولائی یعنی یوں کہے کہ میرا سیّد اور مولیٰ۔ یہ حکم سیّد اور مولیٰ کہنے کے لیے اتنا واضح ہے کہ اس کے بعد کسی حجت کی گنجائش نہیں رہتی۔

(فضائلِ درود)

مفسّرین اور محدّثین نیز اولیائے کرام کے حوالوں کے درمیان قرآنِ کریم سے لفظ "سیّد" کا ایک حوالہ بھی گزشتہ اوراق میں آیا ہے، اس کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ جیسا کہ ان سطور میں عرض کر چکا ہوں، کہ قرآنِ کریم تمام دلایل پر حجتِ تمام ہے، ممکن ہے کسی معترض کو یہ خیال آئے کہ جس آیت کا حوالہ دیا جا رہا ہے وہاں یہ لفظ کسی نبی علیہ السلام کی عظمت کے لیے نہ ہو، کسی اور مفہوم کو ادا کرتا ہو، اس خیالِ باطل کی تردید کے لیے سورہ آلِ عمران کی وہ آیات جلیلہ پیش کرتا ہوں:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَهُوَ قَآىِٕمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ

ترجمہ: پھر آواز دی ان کو فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (اپنی) عبادت گاہ میں کہ بیشک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے آپ کو یحییٰ علیہ السلام کی جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی اور سردار ہوگا اور وہ ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین سے۔

میں اپنے قارئینِ کرام سے یہی گزارش کروں گا کہ وہ قرآن کی آیات پر غور کریں۔ تلاوت کا ثواب ضرور ہے لیکن تفسیر کے مطالعے سے عجیب وغریب واقعات، ان کا پس منظر، مصلحت ومشیّتِ خداوندی سے حجابات اٹھتے ہیں۔ ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر کافی ہو چکی تھی لیکن اولاد کی آرزو بیدار ہو گئی اور عرض کرنے لگے: اے ربّ! اگرچہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے، اولاد پیدا ہونے کا عام وقت گزر چکا ہے، لیکن تو وہ کریم وقادر ہے جو اس مقفل حجرے میں مریم

علیہ السلام کو بے موسم کے پھل عطا فرماتا ہے۔ تیرے کرم سے کیا بعید ہے اگر تو مجھے نیک بخت اور پاک اولاد عطا فرمادے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو فرشتوں کے ذریعے ان کی دعا کی مقبولیت کی خوشخبری سنادی۔ اہم بات یہ ہے کہ بچے کا نام بھی، اس کی عزت وپاکبازی کی خبر بھی دے دی اور یہ بھی بتادیا کہ وہ ایک پیغمبر ﷺ کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ من کلمۃ اللہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ بن باپ کی پیدائش کے سبب ان (حضرت مریم علیہا السلام) پر طرح طرح کی الزام تراشی ہونے والی تھی چنانچہ ان کی پاکدامنی اور تقدس کو بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو مقرر فرمادیا۔ انجیل میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو "یوحنا" کہتے ہیں اور انگریزی میں John۔

وَمَوْلٰنَا

وہ دستگیر، مددگار اور مولنا
وہ بیکسوں کا نگہباں، درود تاج میں ہے

وَمَوْلٰنَا

مولیٰ عربی کا لفظ ہے۔ فارسی میں الف سے بھی لکھا جاتا ہے۔ مولیٰ بمعنی آزاد غلام کے بھی لیے جاتے ہیں لیکن اس کے معنی ہمسایہ دار، مدد کرنے والا، مددگار اور بمعنی خداوند، سردار اور مالک و بزرگ قوم کے بھی ہیں۔ (لغات کشوری مطبع نول کشور)

المولیٰ (عربی): مالک، آقا، سردار، آزاد کرنے والا، انعام دینے والا، محبت کرنے والا، ساتھی، حلیف، پڑوسی (کئی رشتوں کے لیے بھی مستعمل ہے)۔ اس کی جمع الموالی ہے۔
(عربی لغت المنجد)

جہاں تک الفاظ کے لغوی یا اصطلاحی معنوں کا تعلق ہے وہ اپنی جگہ درست ہیں لیکن ہم اس سے قبل یہ بحث کرچکے ہیں کہ الفاظ کا شرف ان کے متعلقات سے بھی ہوتا ہے جس کی مثالیں قرآنِ کریم کی آیات سے پیش کی جاچکی ہیں۔ مالک، آقا یا سردار کی فضیلت کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ "سیّدنا" کی شرح میں گزرا۔

مولنا کے جو بھی لغوی یا اصطلاحی معنی ہوں لیکن حضور رحمتِ عالم ﷺ کی شان و عظمت کے دروازے پر آکر یہ لفظ باعثِ عزّ و شرف ہوگیا، یعنی جب تاجدار مدینہ کے وصف کے لیے استعمال ہوا تو خود اس لفظ کی حرمت میں اضافہ ہوگیا۔ یہ ایک علیحدہ موضوع ہے کہ الفاظ کس قدر عاجز و بے بس ہیں محبوب ﷺ خدا کی عظمت و بزرگی بیان کرنے میں۔ بس اتنا سمجھ لیجیے کہ ان کی مدح و ستائش میں جہاں بھی جو لفظ گزرا وہ اپنے مراتب بلند کرگیا۔

لفظ مولنا پر بھی اعتراض:

جو اعتراض لفظ "سیّدنا" پر درود میں شامل کرنے پر تھا بد قسمتی سے یہی اعتراض لفظ مولنا پر بھی ہے۔ وہ اسے درود شریف میں جائز قرار نہیں دیتے، اور وہی بات ہے کہ دلیل کوئی پیش نہیں کی جاتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان اعتراضات کا جواب بھی دیا جائے۔

ایک امتی ہونے کے ناطے پہلا فرض تو یہ ہے کہ معترضین نے، زعم علم میں یا جہلِ علم میں، جس حال میں رہ کر محبوب ربّ العالمین ﷺ کے وصف میں لیے گیے الفاظ پر اعتراض کیا ہے اللہ ان کی اس خطا کو اسی ذات اقدس کے طفیل درگزر فرمائے اور انھیں صراط مستقیم دکھائے، کہ یہ لوگ محبوب ﷺ ربّ کی توصیف وثنا میں رطب اللسان ہو جائیں۔

اس لفظ کی ناپسندیدگی اور ممانعت کے لیے ایک دلیل پیش کی جاتی ہے کہ غزوہ احد کے موقعے پر ابوسفیان کو جواب دیتے ہوے رحمتِ عالم وعالمیان ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ مولانا ولا مولی لکم ۔اور پھر یوں بھی کہا گیا کہ قرآنِ کریم میں سورہ محمد میں یوں بھی ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ

اب اس آیت کا ترجمہ دیکھیے:

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا مددگار ہے اور کفار کا کوئی مددگار نہیں۔

(سورہ محمد، آیت ۱۱)

اعتراض کے جواب:

اس آیت سے غیر اللہ پر لفظ مولیٰ کے اطلاق کی ممانعت لازم نہیں آتی، اس آیتِ مبارکہ میں کمال ولایت کا بیان ہے، بلکہ اعلان ہے کہ حقیقی مولیٰ وہی ذات باری تعالیٰ ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (البقرہ: ۱۰۷)

ترجمہ دیکھیے: کہ تمھارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا: وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے۔)

(سورہ آلِ عمران، آیت ۶۸)

مزید سورہ بقرہ میں مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (بقرہ: آیت ۱۲۰)

ترجمہ: نہیں ہوگا آپ کے لیے اللہ (کی گرفت) سے بچانے والا کوئی یار اور کوئی مددگار۔

سورہ بقرہ ہی کی آیت اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

ترجمہ: اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا۔ نکال لے جاتا ہے انھیں اندھیروں سے نور کی طرف (سورہ بقرہ: آیت ۲۵۷)۔ اعتراض کرنے والے صاحبان نے صرف دو آیات پیش کی تھیں ہم نے اپنی جانب سے لفظ ولی یا مولیٰ کے لیے سورہ انعام کی آیت ۱۵، ۷۰، سورہ توبہ آیت ۴۷، ۶۱، سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۱۱، الکہف آیت ۱۲۶، عنکبوت آیت ۲۲، سورہ سجدہ آیت ۴، سورہ حٰمٓ السجدہ آیت ۳۴، سورہ شوریٰ کی آیات ۸-۹-۲۸-۳۱ اور ۴۴، اسی طرح سورہ الجاثیہ آیت ۱۹ و دیگر مقامات پر اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ ان مندرجہ بالا تمام آیات میں لفظ "ولی" مددگار ہی کے معنی میں آیا ہے لیکن کہیں بھی اس سے مراد یہ نہیں کہ مخلوق کے لیے اس کے استعمال کی ممانعت ہے۔

ان آیات کو پڑھ کر ایک تاثر تو یہ ہی بنتا ہے کہ شاید کسی بشر کو اس لفظ کے استعمال کی اپنے لیے یا کسی دوسرے بشر کے لیے اجازت نہیں لہٰذا اب ہم چند حوالے پیش کرتے ہیں، پہلے ان حوالوں پر نظر ڈالیے پھر تشریح ہوگی۔

سورہ یونس میں ارشاد ہوا: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (آیت ۶۲)

ترجمہ: سنو! بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

جس بنیاد پر اعتراض کی عمارت کھڑی تھی وہ قرآنِ کریم کی ہی آیت سے منہدم ہو گئی، لیکن کچھ لوگ کج بحث ہوتے ہیں جو اپنی ہٹ دھرمی اور کج بحثی سے سادہ لوح انسانوں کے آئینۂ قلب پر تردد کا غبار بن جاتے ہیں۔ ولی، مولا، اور مولنا کے مصحفِ معنی سے ہر طرح کے غبار کو دور کرنے کے لیے عارف باللہ علامہ مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خوبصورت حوالے پیش کرتے ہیں۔

لفظ ولی کی لغوی تحقیق

ولی کے معنیٰ قرب اور اقسامِ قرب:

لغت کی مشہور کتاب قاموس میں ہے: ”الولی القرب والدنو“ یعنی ولی کا معنیٰ قرب اور نزدیکی ہے۔ ولی اس سے اسم ہے، اس کا معنیٰ ہے: قریب، محب، صدیق، مددگار۔ لغت کے الفاظ اس طرح ہیں:

وفی القاموس الولی القرب والدنو والولی اسم بمعنی القریب والمحب والصدیق والنصیر۔ پھر فرماتے ہیں: قرب کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قرب جو ہر انسان بلکہ کائنات کے ذرے ذرے کو اپنے خالق سے ہے اور اگر یہ قرب نہ ہو تو کوئی چیز موجود نہ ہو سکے۔ آیت: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں) میں اسی طرف اشارہ ہے۔

دوسرا قرب وہ ہے جو صرف خاص بندوں کو میسر ہو، اسے قربِ محبت کہتے ہیں۔ قرب کی ان دو قسموں میں نام کے اشتراک کے سوا کوئی وجہِ اشتراک نہیں۔ قربِ محبت کے بے شمار درجے ہیں: ایک سے ایک بلند، ایک سے ایک اعلیٰ۔ ایمان شرطِ اوّل ہے۔ دولتِ ایمان سے مشرف ہونے کے بعد اہلِ عزم و ہمت ترقی کے مختلف درجات طے کرتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس مقام بلند پر فائز ہو جاتے ہیں جس کی وضاحت حضور پُر نور ﷺ نے یوں بیان فرمائی:

لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذا احببت کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به۔

(رواہ البخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بندہ نفلی عبادات سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔

(بخاری شریف)

اور اس قرب و محبت کا سب سے بلند اور ارفع مقام وہ ہے جہاں محبوب رب العالمین (ﷺ) فائز ہیں۔ حضور پُر نور ﷺ کا طائرِ ہمت جہاں محوِ پرواز ہے ان رفعتوں کو کوئی جان نہیں سکتا سوائے اس ذاتِ بے ہمتا کے جس نے اپنے محبوب ﷺ بندے کو یہ ہمتیں اور حوصلے ارزانی فرمائے۔

غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

گر نبودی روئے تو ، می بود در کتم عدم
ہم ولی و ہم نبی و ہم سمٰوٰت و سمک

اگر آپ ﷺ کا رُوئے انور نہ ہوتا تو کیا ولی اور کیا نبی، کیا آسمان اور کیا بلندیاں، یہ سب کتمِ عدم یعنی وجود سے قبل عدم کے پردہ راز میں ہوتے۔ آپ ﷺ کی شان وعلوء مرتبت میں حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے کہ نامت را خدائے ذوالجلال
زد رقم بر جبہہ عرشِ بریں

اے میرے آقا! آپ ﷺ کے نام اقدس کو خدائے ذوالجلال نے جبہہ عرشِ بریں پر تحریر فرمایا ہے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ”تفسیرِ مظہری“ میں فرماتے ہیں:

واعلیٰ درجاته نصیب الانبیاء و نصیب سیّدنا محمد صلی اللہ علیه و آله وسلم ترقیات لا تتناهی الی ابدالابدین۔

صوفیائے کرام کی اصطلاح:

صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ”ولی“ اسے کہتے ہیں جس کا دل ذکرِ الٰہی میں مستغرق رہے۔ شب و روز وہ تہلیل و تسبیح میں رہے۔ اس کا دل محبتِ الٰہی سے لبریز ہو اور کسی غیر کی وہاں گنجایش تک نہ ہو۔ وہ اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے، اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے۔ (نفرت کے لفظ کی تشریح ضروری ہے کیوں کہ اولیائے کرام محبت کے سفیر ہیں۔ انسانوں کے اندر جو نفرت کے جذبات ہوتے ہیں وہ ان کے قلوب سے نکال کر ان کی جگہ محبت بھر دیتے ہیں پھر وہ خود کس طرح نفرت کر

سکتے ہیں؟ دراصل وہ ان افعالِ انسانی سے نفرت کرتے ہیں جو انسان کو اس کے بلند مرتبہ سے گرا کر قابلِ مذمت بنا دیتے ہیں۔ یہ دیکھ کر انھیں بے حد قلق ہوتا ہے اور یہ نفرت بھی اللہ کے لیے ہے کہ خود اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو، جو اس کی بہترین اور احسنِ تقویم مخلوق ہیں، گرفتارِ معصیت دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ ان کی اصلاح اور ان کے اپنے مقام بلند پر واپس لانے کے لیے انبیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھیجتا رہا ہے۔

یہی وہ مقام ہے اولیاء اللہ کا جسے فنا فی اللہ کا مقام کہتے ہیں۔

''تفسیرِ مظہری'' کے الفاظ یوں ہیں:

الولی فی اصطلاح الصوفیة من کان قلبه مستغرقا فی ذکر اللہ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ممتلیا بحب اللہ تعالیٰ لا یسع فیه غیره لَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ فلا یحب احدا الا للہ ولا یبغض الا للہ الخ۔

مرتبہ ولایت کی تشریح:

اب مرتبہ ولایت کی تشریح فرماتے ہوئے علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اور اس کے اسباب بیان کرتے ہیں۔

مرتبہ ولایت کے حصول کی یہی صورت ہے کہ بالواسطہ یا بلا واسطہ آئینۂ دل پر آفتابِ رسالت کے انوار کا انعکاس ہونے لگے اور پرتوِ جمالِ محمدی علیٰ صاحبہ اجمل الصلوات واطیب تسلیمات قلب و روح کو منور کر دے اور یہ نعمت انھیں کو بخشی جاتی ہے جو بارگاہِ رسالت ﷺ میں یا حضور ﷺ کے نائبین یعنی اولیائے امت کی صحبت میں بکثرت حاضر رہیں۔ مسنون طریقہ سے کثرتِ ذکر اس نسبت کو قوی کرتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم لکل شیئی وصقالة القلب ذکر اللہ۔ (او کما قال النبی ﷺ) (رواہ البیہقی)

ترجمہ: ہر چیز کے زنگ کے دور کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ضرور ہوتی ہے۔ دل کا زنگ ذکر اللہ سے دور ہوتا ہے۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے اولیاء اللہ کی قسمیں بیان کی ہیں، مثلاً:

ایک وہ جو طالب اور مرید ہیں۔

دوسرے وہ جو مطلوب و مراد ہیں۔ (اس کی تفصیل ''ضیاء القرآن'' میں دیکھیے)

اب میں چند احادیثِ نبوی ﷺ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے پوچھا گیا:

من اولیاء اللہ؟ اولیاء اللہ کون ہیں؟

الذین اذارء وا ذکر اللہ عزوجل۔ وہ لوگ جن کے دیدار سے خدا یاد آ جائے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنتِ یزید سے بھی یہی روایت منقول ہے۔

اب مزید تحقیق کی جانب قدم بڑھاتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بخاری شریف میں حدیث۔ حضور رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص **اطعم ربک وقضی ربک** نہ کہے یعنی اپنے آقا کو ربّ کے لفظ سے تعبیر نہ کرے۔ **ولیقل سیدی و مولائی** بلکہ یوں کہے: میرا سیّد، میرا مولیٰ۔

(اس حدیث کو ''سیّدنا'' کی بحث میں بھی نقلِ روایت کر چکا ہوں، یہاں مزید پیش کر دیا ہے۔) بخاری شریف کی اس حدیث اور قرآنِ کریم کی آیت الا ان اولیاء اللہ کے بعد کسی صراحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن اپنے قارئین کے علم میں اضافے کے لیے پیش کرتا ہوں، اور وہ بات پیش کرتا ہوں جس میں حضور پُرنور، فخرِ موجودات، سیّد السادات ﷺ خود اپنے لیے ''ولی'' کا لفظ استعمال فرما کر اس لفظ کو عزّ و شرف بخشتے ہیں۔

من ترک مالا و ضیاعا فانا ولیه۔ یہاں لسانِ افصح العرب خود کو ولی بتا رہی ہے جو زبانِ نبوّت بھی ہے۔

بروایت شیخین رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ حدیث مشکوٰۃ شریف کی ہے۔ حضور اکرم، رحمتِ دو عالم ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ بن حارث کے متعلق فرمایا: انت اخونا و مولانا۔ (مشکوٰۃ)

من کنت مولاہ:

اب وہ حدیثِ مبارکہ پیش کرتا ہوں جو اہلِ تصوف و طریقت کی جان ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم سے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ

''جس کا میں مولیٰ ہوں علی (کرم اللہ وجہہٗ) اس کے مولا ہیں۔''

شاید آپ کے علم میں یہ بات نہ ہو کہ اس حدیث کو کمزور، ضعیف اور موضوع قرار دیا جائے لیکن شدّ و مد کی مخالفت، مخاصمت اور متعصبانہ جدوجہد کے نامرادی ان کا نصیب بن گئی۔ یہ حدیث شریف بروایت مسند احمد بھی ہے اور ترمذی شریف میں بھی متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کی گئی ہے۔ آپ بھی اپنی چشمِ تمنا کو اس کا دیدار کرا دیں۔ اس کی سند میں، کہ یہ حدیث کن کن سے روایت ہوئی، عربی عبارت ہے:

قال صاحب تحفة الاحوذی الحدیث الترمذی اخرجه احمد و نسائی و الفیاء و فی الباب عن بریدة اخرجه احمد و عن البراء بن عازب اخرجه احمد و ابن ماجه و عن سعد بن ابی وقاص اخرجه ابن ماجه و اخرجه عن احمد اھ و قال قاری بعد ذکرِ تخریجه والحاصل ان هذا حدیث لا مریة بل بعض الحفاظ عده متواترا اذفی روایته لاحمد انه سمعه من النبی صلی الله علیه وآلہٖ وسلم ثلاثون صحابیا و شهدا وبه العلی لما توزع فی خلافته۔

من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ والی حدیثِ مبارک کی تحقیق میں حاصل کردہ مستند روایات اور کتبِ احادیث کے حوالہ جات کا اندازہ مندرجہ بالا عبارت سے ہو گیا ہوگا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (آپ اپنے وقت کے متبحر عالمِ دین، بے شمار کتب کے مصنف و محقق، جن میں ''شرح شفاء''، ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' اور ''جمع الوسایل'' نہایت مقبول اور ریفرنس کی کتابیں شامل ہیں) اس حدیث کی شرح میں ''نہایہ'' سے لکھتے ہیں۔

''مولیٰ کا اطلاق بہت سے معنی پر آتا ہے جیسے ربّ اور مالک اور سیّد اور منعم یعنی احسان کرنے والا اور معتق یعنی غلام آزاد کرنے والا اور ناصر (مددگار) اور محبّ اور تابع اور پڑوسی اور چچازاد بھائی اور حلیف وغیرہ۔ ان کے علاوہ بھی دیگر مطالب ہیں اس لیے

ہر ایک کے معنیٰ مناسب مراد ہوں گے۔ جہاں ''اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم'' آیا ہے وہاں اس کے معنی ربّ تبارک وتعالیٰ کے ہوں گے اور جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر آیا ہے جیسا کہ من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ وہاں ناصر اور مددگار کے معنی میں ہے۔ یہی نہیں بلکہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شانِ ورود بھی بیان کی ہے۔

اس حدیث کی شانِ ورود:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے یہ کہہ دیا تھا کہ تم میرے ''مولیٰ'' نہیں ہو، میرے ''مولیٰ'' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ ''میں جس کا مولیٰ ہوں علی کرم اللہ وجہہٗ اس کے مولیٰ ہیں۔''

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''قولِ بدیع'' میں، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مواھب لدنیہ'' میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں بھی لفظ ''مولیٰ'' کا شمار کرایا ہے۔

مُحَمَّدٍ

صلی اللہ علیہ وسلم

وہ نام ، سن کے جسے جاں نثار کرتے ہیں ،
وہ جاں نثاروں کا ارماں درود تاج میں ہے

مُحَمَّدٍ

صلی اللہ علیہ وسلم

یہ مرحلہ بہت دشوار ہے کہ اس چار حرفی اسم کی، جو اپنے معبودِ حقیقی کے چار حرفی اسم کی طرح غیر منقوط ہے، تشریح یا تفسیر میں کچھ لکھا جا سکے کہ یہاں دانائے راز کے پروں کی پرواز اُس بلند آشیانِ معرفت سے بہت نیچی ہے جہاں اس ہمائے اسرار و رموز کی نشست مستور ہے۔ علمِ ظاہری کے دعویدار اور علومِ باطنی سے سرشار آج تک دریائے معرفت کی غواصی میں غوطہ زن رہے اور تلاشِ بسیار سے جو گہر ہائے معنی نکال سکے کیا خبر کہ حقیقتِ منتظر لباسِ مجاز میں نظر آئی ہو، کیا خبر کہ یہ عشرِ عشیر بھی نہ ہو اس حقیقت کا جو قبہِ عرش پر تحریر ہے وہ غیر منقوط اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہاں تو اسمِ محبّ بھی غیر منقوط، اسمِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بھی بار نقطہ سے آزاد رکھا گیا۔ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی چشمِ جویائے حق حجاباتِ معرفت سے جس درجے پر متصادم ہوئی اسی مقام کا احوال بیان کر دیا، پھر خاموش ہو رہے۔ نور من نور اللہ کے نظارے کی تاب کہاں؟ اہل اللہ کو علومِ باطنی سے جو کچھ معلوم ہوا تو وہ قیودِ اظہار کے سبب مہر بر لب ہیں۔ جسے اجازت ملی اور جتنی ملی اس حد سے آگے کوئی بیان نہ کر سکا۔

یہ ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف مفسّر و محقق کے لیے باعثِ عار نہیں بلکہ مرتبہ عجز ہے۔ ان تمہیدی کلمات کی روشنی میں یہ فقیر، سراپا تقصیر اپنے قلمِ جویائے کرم کے فرقِ شوق کو بصد عجز و نیاز قرطاس پر سرنگوں کرتا ہے اس دعا کے ساتھ کہ اس عاجز کے دامانِ طلب میں بھی صدفِ معرفت سے کوئی گوہرِ مقصود آئے جسے میں اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائیوں اور شمع

رسالت کے پروانوں کو دکھا سکوں:

اگر خموش رہوں میں تو تُو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

محمد ﷺ: اہلِ لغت اس اسمِ مبارک کی جامع تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں:

قال اهل اللغة کل جامع بصفات الخیر یسمی محمداً ﷺ۔

ترجمہ: اہلِ لغت کہتے ہیں کہ جو ہستی تمام صفاتِ خیر کی جامع ہو اسے محمد ﷺ کہتے ہیں۔

امام ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ اسمِ محمد (ﷺ) کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ان صیغة التفضیل تدل علی تجدد الفعل و حدوثه وقتا بعد آخر بشکل مستمر متجدداً آنا بعد أن وعلیٰ ذالک یکون محمد (صلی الله علیه وآله وسلم) ای یتجدد حمده آنا بعد آن بشکل مستمر حتیٰ یقبضه الله تعالیٰ الیه۔

ترجمہ: تفضیل کا صیغہ کسی فعل کے بار بار ہونے اور لحہ بہ لحہ وقوع پذیر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس میں استمرار پایا جاتا ہے یعنی ہر آن وہ نئی آن بان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس تشریح کے مطابق محمد (ﷺ) کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ذات جس کی بصورتِ استمرار ہر لحہ، ہر گھڑی نو بہ نو تعریف وثناء کی جاتی ہو۔ (خاتم النّبیین جلد اول، امام محمد ابوزہرہ، ص ۱۱۵)

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ اس نام مبارک کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالحمد فی اللغة هو الذی یحمد حمدا بعد حمد ولا یکون مفعّل مثل مضرّب و ممدّح اللالمن تکرر فیه الفعل مرة بعد مرة۔

ترجمہ: لغت میں محمد ﷺ اس کو کہتے ہیں جس کی بار بار تعریف کی جائے کیونکہ مفعل کے وزن میں اس فعل کا تکرار موجود ہوتا ہے۔ مضرب اور ممدح ان کا وزن بھی مفعل ہے اور ان کے معنی میں بھی تکرار ہے۔

(الروض الانف جلد اول، ص ۱۲۸)

ز لفظِ محمد ﷺ گر آگہ شوی
ادا فہم الحمد للہ شوی (مرزا بیدل)

حضور ﷺ کے مختلف نام:

ممتاز عالمِ دین، محقق و مفسرِ قرآن حضرت پیر کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ امام ترمذی کی روایتِ حدیث، جو جبیر رضی اللہ عنہ بن مطعم کے حوالے سے ہے، اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''ضیاء النبی ﷺ'' میں رقم کرتے ہیں:

قال رسول الله (ﷺ) ان لی اسماء انا محمد (ﷺ) وانا احمد وانا الماحی الذی یمحو الله بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب الذی لیس بعدی نبی۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے کئی نام ہیں: میں محمد (ﷺ) ہوں، میں احمد ﷺ ہوں، میں الماحی ﷺ ہوں یعنی اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹا دے گا، میں الحاشر ﷺ ہوں لوگ حشر کے دن میرے قدموں پر جمع ہوں گے، میں العاقب ﷺ ہوں یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (بحوالہ عیون الاثر جلد اول، لابن سیّد الناس، ص ۳۱)

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح فرمایا ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت کو نقل کیا ہے۔

اب میں آپ کی خدمت میں عقلی دلیل، شرعی دلیل اور عملی دلیل پیش کرتا ہوں۔

تعریفِ نبی ﷺ کی عقلی دلیل:

جب کسی شخص کی تعریف کی جاتی ہے، جو شخص تعریف کرتا ہے اگر وہ اس کے متعلق پوری معلومات رکھتا ہے جس کی تعریف کی جا رہی ہے تو وہ تعریف کے حق سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ جس طرح ایک مؤرخ کو ایک مؤرخ سے پوری طرح واقف ہونا چاہیے، ورنہ وہ کس طرح اس کی مکمل تعریف کر سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے برابر یا ان سے زیادہ اگر کسی

کو علم ہو، معرفت ہو تو وہ نبیِ کریم ﷺ کا تعارف کرا سکتا ہے، لیکن اگر کسی شخص کو نبوت کا علم ہی نہ ہو تو ان کے درجات و مراتب تک اس کی نظر جا ہی نہیں سکتی۔ تو وہ اگر صدیق ہو یا رؤسائے صدیقین ہوں وہ بھی اللہ کے محبوب ﷺ کی تعریف سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ نبیِ کریم ﷺ کی تعریف یا خدا کر سکتا ہے یا خود نبی ﷺ کر سکتے ہیں، یہاں انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اہل اللہ دم بخود ہیں۔ اہلِ علم "بہ یزداں گزاشتیم" کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں اور اہل اللہ فرماتے ہیں:

عقل را در خلوتِ او راہ نیست

علم نیز از وقتِ او آگاہ نیست (عطار رحمۃ اللہ علیہ)

اہلِ لغت — علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ — کی ان تشریحات میں سے ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات کس قدر واضح اور حقیقت پر مبنی ہے کہ محمد ﷺ کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ذات جس کی بصورتِ استمرار ہر لمحہ، ہر گھڑی نوبہ نو تعریف و ثناء کی جاتی ہو۔ اس کی عملی دلیل آپ ﷺ کی توصیف کا وہ تاریخی پہلو ہے کہ صحائفِ سماوی میں بھی یہ ذکر پہلو بدل بدل کر اپنے جمالِ جہاں آرا کی دید کرا رہا ہے۔ عہدِ نبوت یعنی ظہورِ قدسی سے قبل بھی آپ ﷺ کی مدحت کے گلِ صد رنگ ریگستانِ عرب پر نمودار ہوئے اور چودہ سو برس میں دنیا کی ہر زبان آپ ﷺ کے مدحیہ اشعار سے آراستہ ہو کر مفتخرِ زمانہ ہوئی۔ پھر جو کچھ بیان ہو رہا ہے وہ انسانی چہروں کی طرح ایک دوسرے سے فرق کے ساتھ نئے نئے مضامین میں ڈھل کر سماعتوں کو لذت آشنا کر رہا ہے۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا لیکن سمندر سیاہی بن کر ختم ہو جائیں گے تو بھی آپ ﷺ کی مدحت کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔ نہ معانی و معارف کے موتی ختم ہوں گے نہ مشکبار گلدستوں کی ترتیب میں کمی ہوگی۔

امام محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ کی شرح میں جو خیال پیش کیا ہے اس کی تصدیق سورہ کہف کی آیات سے اس طرح ہو رہی ہے۔

سورۂ کہف کی آیات کی تشریح:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ

وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (سورہ کہف: آیت ۱۹)

ترجمہ: کہہ دو کہ اگر بحر کو روشنائی قرار دیا جائے کلمات ربّ کو رقم کرنے کے لیے تو بحر ختم ہو جائے بحرِ کلماتِ ربّ ختم ہونے سے پہلے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ ﷺ فرما دیجیے کہ سمندر میرے "ربّ کی باتوں" کے لیے سیاہی ہوں تو ضرور ختم ہو جائیں گے اور میرے ربّ کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔

پہلے اس آیت کی شانِ نزول کو جان لیجیے۔ اس کی شانِ نزول یہ ہے کہ یہود نے ایک بار حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ قرآن میں حکمت ہے اور ہم کو حکمت دی گئی ہے لیکن قرآن تو یہ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَيْرًا كَثِيْرًا

جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت ہی خوبی مل گئی۔

اب یہودیوں نے اپنا اعتراض پیش کیا:

آپ ﷺ کس طرح یہ فرماتے ہیں کہ "تم کو نہیں دیا گیا مگر تھوڑا علم۔" یہاں باہم مقابلہ ہے دو آیات میں اور یہ کس طرح ممکن ہے؟ یعنی علم کو تھوڑا بھی کہا گیا ہے اور بہت بھی، چنانچہ یہودیوں کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ قرآنِ کریم میں بے شک ہر چیز کا علم ہے اور یہ علم واقعی بہت ہے مگر علمِ الٰہی کے مقابل اس کی وہ نسبت بھی نہیں جو قطرے کو سمندر سے ہے کیونکہ اس میں انتہا ہے اور خدا کے علوم بے انتہا ہیں۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح:

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی شرح میں فرماتے ہیں:

"اہلِ تحقیق کے نزدیک "ربّ کے کلمات" سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل و کمالات ہیں اور اگر حضور ﷺ کے علوم ہیں تو اس آیت کے معنی ہوں گے: اگر دنیا بھر کے نعت گو اور نعت خواں، واعظین

اور کاتبین سمندروں کے پانی روشنائی بنا کر صفات و کمالاتِ مصطفیٰ ﷺ لکھیں تو یہ روشنائی ختم ہو جائے گی مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف ختم نہیں ہوں گے۔" (مدارج النبوت جلد اوّل، باب سویم)

شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے جو شرح کی ہے وہ ہر شبہے سے بالاتر ہے کیوں کہ شیخ کا جو مقام اسلامی علوم میں ہے وہ محتاجِ تعارف نہیں، صرف اتنا ہی لکھنا کافی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے مطالعے کے بعد کافر شانِ نبوت سے متحیّر اور مسلمان عظمت و جلالِ نبوت سے مفتخر ہوتا ہے۔

شیخ نے اس تشریح میں جو تحریر فرمایا ان کے پیشِ نگاہ قرآنِ کریم کی وہ تمام آیات تھیں جن میں اللہ جل جلالہ نے اپنے محبوب ﷺ کے ذکر کی وسعت اور بلندی کا ذکر بار بار فرمایا ہے۔

سورہ کہف کی آیات کا جو مفہوم شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اس پر اعتراض بھی ہوا ہے کہ یہ "کلمت" ربی آیات بیّنات کے لیے ہے، آپ نے اس کے معنی توصیفِ رسول ﷺ میں کیسے ڈھال دیے؟ اس کا جواب ہم نہیں دے سکتے۔ چلیے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ معرفتِ علم سے خوشہ چینی کرتے ہیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قرآن کے ایک ظاہری معنی ہیں ایک باطنی، ظاہری معنی کی تحقیق علمائے شریعت فرماتے ہیں اور باطنی معنی کی صوفیائے کرام۔

(احیاء العلوم باب ہشتم)

بعض معترضین نے کہا کہ قرآن سرچشمہِ ہدایت ہے ہر دور اور ہر زمانے کے لیے۔ اگر یہ پیچیدہ یا سربستہ راز ہے تو پھر یہ ہدایتِ عام کی کتاب کیوں کر ہوئی؟ اگر یہ ہر خاص و عام اور ہر عہد کے لیے ہے تو اس کا پڑھنا اور پڑھ کر سمجھنا یعنی اس کے ظاہر و باطن تک پہنچنا سب کے لیے یکساں ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن کی ہر سورۃ سے ثنائے رسول ﷺ ثابت کرنے کے لیے "اسرار و رموزِ قرآنی" کا "پردہ" بنایا گیا ہے۔

حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے یعنی قرآنِ کریم کی تمام سورتیں محامد و محاسنِ ذاتِ گرامی ﷺ کی واقعتاً مظہر ہیں۔ "پردہ" اسرار و رموز کے نام پر ڈالا نہیں گیا بلکہ جو پردہ

ڈالا گیا اسے اٹھا دیا۔ رہ گئی یہ بات کہ قرآنِ کریم کو پڑھ کر بہ آسانی اس کے ظاہر و باطن تک پہنچنا سب کے لیے یکساں ہے، یہ زعمِ علم کی گمراہی تو ہو سکتی ہے معرفتِ علم نہیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے غیر مطمئن ہونے کا کوئی علمی جواز نہیں لیکن یہ تفسیر اسرار و رموزِ قرآنی پر تمام تو نہیں دو ایک قول ایسی بلند پایہ ہستیوں کے پیش کرتا ہے جن کے قول سے منحرف ہونا یا اختلاف صریح گمراہی اور محرومیِ ایمان کی نشانی ہوگی۔

"تفسیر روح البیان" کے مصنف و مفسّر علامہ اسماعیل حقّی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جبریل علیہ السلام قرآنِ کریم کی آیت الف، لام، میم لے کر حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی: "الف۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "میں نے جان لیا۔" جبریل علیہ السلام نے عرض کی: "لام۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "یقین کر لیا۔" حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی: "میم۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "اس کا کرم ہے۔" حضرت جبریل علیہ السلام حیران ہو گئے، عرض کی: "حضور ﷺ آپ نے کیا جانا اور کیا سمجھا، میں تو کچھ بھی نہ سمجھا؟" حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ میرے اور ربّ کے درمیان راز ہے۔" (تفسیر روح البیان)

میں تجزیہ کروں جو الف لام میم کا
قرآن بھی نبی ﷺ کا قصیدہ دکھائی دے

(برگ یوسفی)

جن حضرات کو اپنی فہم و دانش پر ناز ہے وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے الفاظ سے روشنی حاصل کریں۔ جیسا کہ شاعرِ مشرق، عاشقِ رسول ﷺ، درویشِ خدا مست علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں
خدا مجھے نفسِ جبریل دے تو کہوں

جہاں اقبال اپنے لیے عجز کا اظہار کرتے ہیں کہ نفسِ جبریل کے بغیر اسرار و رموز مقامِ مصطفےٰ ﷺ کیسے بیان کروں وہاں وہ ایسے حضرات کے لیے بھی، جو اپنی ظاہر بینی پر

نازاں لیکن واقفیتِ اسرار سے محروم ہیں، فرماتے ہیں:

تو معنیِ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج

اصغر گونڈوی نے اس نظریے پر کیا خوب کہا:

عظمتِ تنزیہ دیکھی ، شوکتِ تشبیہ بھی
ایک حالِ مصطفیٰ ﷺ ہے ، ایک قالِ مصطفیٰ ﷺ

اے صاحبانِ علوم ظاہری! اے مدعیانِ فہم و دانش، ذرا بیہقی کی اس روایت پر بھی نظر ڈالو جس میں وہ تحریر کرتے ہیں:

''امیر المومنین حضرت سیّدنا عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے بارہ سال میں سورہ بقرہ پڑھی۔'' (بیہقی)

حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عرب میں با اعتبار سیاست و فراست ہی نہیں بلکہ بحیثیت ماہرِ لسانیات، زبان، لغاتِ عرب اور عربی شاعری پر جو قدرت حاصل تھی اس کی تفصیل کے لیے علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی الفاروق رضی اللہ عنہ دیکھیے یا اس فقیر کی تصنیف ''مشکوٰۃ النعت'' پھر اپنے کلمہِ اعتراض پر غور کیجیے کہ ''قرآنِ کریم کو پڑھ کر بہ آسانی اس کے ظاہر و باطن تک پہنچنا سب کے لیے یکساں ہے۔''

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسا شاگرد اور مقصودِ کائنات، محبوب ﷺ ربّ جیسا استاد، کیا کچھ نہ لیا ہوگا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اور کیا کچھ نہ دیا ہوگا رحمتِ عالم ﷺ نے۔ اعتراض پر جواب کے اس طویل مباحثے کو اس آخری مثال پر ختم کرتا ہوں۔ یہ حوالہ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کی علوم القرآن پر مشہور تصنیف سے لیا ہے جس میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

خلافتِ عثمانی میں جب صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآنِ کریم مرتب کر رہے تھے تو ان کے مابین ایک لفظ ''التابوت'' کے بارے میں اختلاف ہوگیا کہ کس طرح لکھا جائے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''التابوۃ'' لکھا جائے، قریش نے ''التابوت'' تجویز کیا۔ جب یہ معاملہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''التابوت'' لکھیں، اس لیے کہ قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے۔

(البرہان فی علوم القرآن، زرکشی رحمۃ اللہ علیہ جلد اول، ص ۳۷۶)

اسی لیے مثنوی میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ز نورِ چشم سر بینی نیاید
دلت را نورِ چشم دل بباید

سر والی آنکھ کی روشنی کوئی کام نہیں دے سکتی، تجھے دل کی آنکھ کی روشنی کی ضرورت ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

کہ عیسیٰ علیہ السلام را و خر را چشم سر بود
ولے چشم دل عیسیٰ علیہ السلام دگر بود

بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اور خرِ عیسیٰ علیہ السلام کی سر والی آنکھیں تھیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دل کی آنکھ کچھ اور ہی تھی۔

بعثت سے پہلے نام محمد ﷺ:

علامہ ابنِ سیّد الناس نے اپنی تصنیف ''عیون الاثر'' میں ان بچوں کے نام تحریر کیے ہیں جن کے والدین نے نبی کریم ﷺ کے اس جہانِ رنگ و بو میں جلوہ افروز ہونے سے پہلے اس مقدس نام کو اپنایا، وہ یہ ہیں:

۱۔ محمد بن اوحیہ بن الجلاح الاوسی۔
۲۔ محمد بن مسلمہ انصاری۔
۳۔ محمد بن براء البکری۔
۴۔ محمد بن سفیان بن مجاشع۔
۵۔ محمد بن حمران الجعفی۔
۶۔ محمد بن خزاعی السلمی۔

(عیون الاثر جلد اول، ص ۱۳۱: بحوالہ ضیاء النبی ﷺ جلد دوئم، ص ۶۳)

ان ناموں کا پہلی بار اس طرح کثرت سے رکھا جانا اس وجہ سے تھا کہ عرب میں یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ عنقریب ایک نبی ﷺ کا ظہور اس خطے میں ہوگا اور اس کا نام محمد ﷺ ہوگا۔ اسی آرزو میں کچھ لوگوں نے اپنے بچوں کے لیے اس مقدس نام کا انتخاب کیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب حضور اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں فرماتے ہیں:

الم تران اللہ اکرم احمد ﷺ
بتفضیلہ واللہ اعلٰی و امجد
وشق لہ من اسمہ لیجلہ
فذوا العرش محمود وھذا محمد ﷺ

آپ ﷺ کے صفاتی اسمائے مبارکہ پر کئی تحقیقاتی مضامین شایع ہو کر منظرِ عام پر آچکے ہیں جن میں عصرِ حاضر اور عہدِ قدیم کی تحقیق بھی شامل ہے جو غالباً سینکڑوں سے تجاوز کر گئے ہیں۔ خود قرآنِ کریم کی ترانوے آیات میں آپ ﷺ کے صفاتی اسمائے مبارکہ شامل ہیں۔ سورہ احزاب، سورہ انعام، سورہ بقرہ، سورہ نمل، سورہ انبیاء، سورہ کوثر، سورہ صف، سورہ فتح، سورہ یٰس، سورہ طٰہٰ، سورہ مدثر، سورہ اعراف، سورہ زمر، سورہ نحل، سورہ انشراح، سورہ بنی اسرائیل، سورہ قلم، سورہ توبہ، سورہ حج، سورہ سباء، سورہ المائدہ، سورہ ابراہیم، سورہ نساء یعنی سورہ احزاب سے سورہ نساء تک چھبیس سورتوں کی چالیس آیات کریمہ سراپا نعتِ رسول ﷺ ہیں۔ اختصار ملحوظ ہے ورنہ تمام آیات بطور حوالہ پیش کی جاتیں، البتہ دو حوالے نقل کرتا ہوں:

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورہ توبہ)

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (سورہ ابراہیم)

ان کے علاوہ صفاتی اسمائے مبارکہ، جو قرآنِ کریم میں شامل ہیں، ان کی فہرست بہت طویل ہے، مثلاً: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (کریم)، وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (المرفوع)۔ ''مدارج النعت'' میں اس ناچیز نے یہ طویل فہرست ان آیات کے ساتھ شایع کی ہے۔ (مدارج النعت، ادیب ۱۰۴)

سورہ کہف کی آیت: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا کی تفسیر میں جو بات حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''مدارج النبوت'' کے حوالے سے پیش کی مندرجہ بالا آیات مقدسہ میں نبیِ کریم ﷺ کی نعت ہی نعت میں بطورِ مثال پیش کی گئیں۔ ان کے علاوہ قرآنِ کریم میں واقعی کوئی سورۃ ایسی نہیں جس میں اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کا ذکر نہ کیا ہو، خواہ

کسی حوالے سے۔ یہ خوشبو، جو آیات کا عطر ہے، عاشق کی قوتِ شامہ اسے پا لیتی ہے تو ان کی یہ تفسیر بجا ہے کہ آیاتِ بیّنات، اور انھی آیاتِ بیّنات کے گلہائے رنگ رنگ میں ذکرِ رسول ﷺ آتا ہے۔ وہ پھول کی قسم کو، اس کی رنگت کو، اس کی بناوٹ کو تو چشمِ بینا سے دیکھ سکتا ہے لیکن جو خوشبو اس میں چھپی ہوئی ہے اسے دیکھنا قطعی ممکن نہیں۔ ایک عطر ساز آتا ہے، وہ ان پھولوں سے عطر کشید کرتا ہے اور دکھاتا ہے کہ یہ وہ جوہر ہے جو ظاہری آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا تھا، جب کہ عطار اسے کشید کر لیتا ہے۔

اسم محمد ﷺ کی شرح میں لغت کا وہ پہلا حوالہ امام محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ کا سامنے رکھیے:

''محمد ﷺ کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ذات کہ جس کی بصورت استمرار ہر گھڑی، ہر لحظہ نو بہ نو تعریف وثناء کی جاتی ہو۔''

اور لغت کی اس تشریح کے بعد سورہ کہف کی آیت ۱۹ کو سامنے رکھیے:

''کہہ دو کہ اگر بحر کو روشنائی قرار دیا جائے کلماتِ ربّ کو رقم کرنے کے لیے تو بحر ختم ہو جائے گا کلماتِ ربّ ختم نہیں ہوں گے۔''

اسم محمد ﷺ کا پھیلاؤ زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہے:

پھر شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پر غور کرنے سے پہلے یا اعتراض کرنے سے پہلے اس فقیر نے جو چھبیس سورتوں سے چالیس نعتیں پیش کی ہیں اور صفاتی اسماء کی فہرست کا حوالہ دیا ہے ان کے علاوہ کوئی ایک سورۃ تلاش کر کے دکھائی جائے کہ یہ سورۃ ہے جس میں کسی طور پر محبوب ربّ ﷺ کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات صاف اور واضح ہو گئی کہ اسم محمد ﷺ کا پھیلاؤ زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہر زمانے اور ہر مقام پر نو بہ نو انداز میں ہوتا رہے گا، تلاش و جستجو کرنے والوں کو یہ موتی ملتے رہیں گے اور وہ اسے پرو کر ہار بناتے جائیں گے اور جو اسرار آیاتِ الٰہی تک نہ پہنچ سکے اس کا سبب ان کا زعمِ علم یا خدانخواستہ تعصب کا پہلو ہے۔

رموز و اسرار کے لیے آخری حوالہ پیش کرتا ہوں، قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

ترجمہ: پھر اگر تمھارے درمیان کسی بات میں نزاع ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو۔

قابلِ غور فقرہ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ہے یعنی اگر مسلمانوں کے درمیان نزاع کی صورت میں حکم بنانا ہو اور صرف قرآن ہی مرجع ہو (اور اس کے فہم کے دعوے دار بھی ہوں کہ "قرآنِ کریم کو پڑھ کر بہ آسانی اس کے ظاہر و باطن تک پہنچنا آسان ہے") تو پھر فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ کہنا کافی ہے وَالرَّسُوْلِ سے کیا مراد لی ہے؟ وَالرَّسُوْلِ اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ اگر تم تنہا قرآن کو حکم بنالو گے لیکن اس کی حکمت اور آیات کے رمز سے واقف نہیں ہو اس لیے بھٹک جاؤ گے، قرآن کے فہم میں تمھیں میرے محبوب ﷺ کی ہی رہبری کی ضرورت ہے۔

اگر اشعار کی صورت میں اسمِ محمد ﷺ کی تعریف و توصیف میں مختلف زبانوں کے شعراء کا کلام جمع کیا جائے تو کئی جلدوں پر مشتمل اشعار کا ذخیرہ بن سکتا ہے۔ عربی زبان میں جو کچھ لکھا گیا اس کا عشرِ عشیر بھی اردو میں منتقل نہ ہوا۔ میں اس کا ذمہ دار ان کو ٹھہراتا ہوں جن کو خدا نے یہ توفیق دی کہ وہ عربی زبان کے قادر الکلام شاعر یا عربی کتب کے مترجمین میں بلند پایہ کہلائے لیکن ہماری قومی زبان عربی کی نعتیہ شاعری کے تراجم سے محروم ہے۔ فارسی زبان چونکہ برِصغیر کی کسی زمانے میں سرکاری زبان رہی تھی اس لیے بہت کچھ ذخیرہ ہاتھ آگیا اگرچہ یہاں بھی کلی طور پر صدقِ دل اور صدقِ نیت سے تلاش و جستجو اور اشاعت کی کمی اسی طرح باقی ہے۔ فارسی زبان میں مدحِ رسول ﷺ میں جو بھی شعر کہے گئے ان کا معیار بہت بلند ہے، بالخصوص صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے جو کچھ کہا وہاں زبان و بیان کی چاشنی کے ساتھ ساتھ علمِ باطنی کے نور اور معرفت کی جھلک بھی شامل ہے۔ چھوٹی چھوٹی بحر میں جو کہا واقعتاً دریا کو کوزے میں بند کیا ہے۔ تفسیر درود تاج میں اپنے اپنے مقام پر آپ ان اشعار سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے، یہاں ایک مثال:

اُمّی و دقیقہ دانِ عالم
بے سایہ و سائبانِ عالم

شاعر کہتا ہے جو خوبی، جو کمال، جو وصف اپنے ظاہر میں نظر نہیں آتا وہی وصف و خوبی اپنے حدِّ کمال پر ہے۔ آپ ﷺ اُمّی ہیں جو آپ ﷺ کا حسین ترین لقب ہے، لیکن جو علم ان کو عطا ہوا، اسرار و رموز کا ہر حجاب، سرِّ خفی کی ہر نقاب الٹ کر رکھ دی، جو دستورِ زندگی نسلِ

انسان کو دیا وہ چودہ صدیوں بعد اقوامِ عالم کے ترقی یافتہ صاحبانِ فکر و دانش بھی نہ دے سکے۔ یعنی اُمّی لقب اور علم کا یہ کمال! اسی طرح سایے کے لیے دوسرے مصرعے میں کس انحصار کے ساتھ کہتا ہے کہ جس کا سایہ نہ تھا وہ تمام عالم کے لیے سائبانِ رحمت ہے۔ فیضی نے بھی اُمّی لقب پر کوزے میں دریا بند کرنے کی مثال دی ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

خاکی و بر اوجِ عرش منزل
اُمّی و کتاب خانہ در دل

آپ ﷺ کے اُمّی لقب پر اس سے بہتر شعر میری نظر سے نہیں گزرے۔ حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر اسمِ محمد ﷺ پر دیکھیے، چشمِ ولایت جو دیکھ رہی ہے وہی بتا رہی ہے:

اے کہ نامت را خدائے ذوالجلال
زد رقم بر جبہہِ عرشِ بریں

عرشِ بریں یا عرشِ بریں کے پایے پر آپ ﷺ کے نام کا لکھا ہوا پایا جانا حضرت آدم علیہ السلام کی قبولیتِ دعا اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قولِ صادق کی مشہور روایتوں میں شامل ہے۔ اس دوسرے مصرعے میں "جبہہِ عرشِ بریں" کہہ کر حضرت نے شعر کی لطافت کو دوبالا سے بھی بالا کر دیا ہے۔

چونکہ یہاں عنوان اسمِ محمد ﷺ ہے اس لیے میرے عہد کے ایک نوجوان شاعر صبیح رحمانی کی ایک نظم "اسمِ محمد ﷺ" کے حوالے سے چند شعر پیش کرتا ہوں جو انگریزی شاعری کی ایک قسم "سانٹ" کی شکل میں ہیں:

باعثِ کون و مکاں، زینتِ قرآں یہ نام
ابرِ رحمت ہے جو کونین پہ چھا جاتا ہے
دردمندوں کے لیے درد کا درماں یہ نام
لوحِ جاں پر بھی یہی نقش نظر آتا ہے
اک یہی نام تو ہے وجہِ سکوں، وجہِ قرار
اک یہی نام کہ جلتے ہوئے موسم میں اماں
ہے اسی نام کی تسبیح فرشتوں کا شعار

فخر کرتی ہے اسی نام پہ نسلِ انساں
ہے یہی نام تو میری شبِ یلدا کی سحر
جسم و جاں میں جو چراغاں ہے اسی نام کا ہے
بس اسی نام کی خوشبو ہے مرے ہونٹوں پر
بس یہی نام دو عالم میں بڑے کام کا ہے
عطر آسودہ فضا اور فضاؤں میں درود
خوشبوے اسمِ محمد ﷺ کی حدیں لا محدود

یہ ناچیز ''اسمِ محمد ﷺ'' پر اپنے جذباتِ عقیدت کو اشعار کی صورت میں یوں پیش کرتا ہے:

وہ روح میں جو مہکتا ہے رات دن اک نام
اسے گلاب لکھوں یا کہ شب دلہن لکھوں
انھی کے نام کو لکھوں حیاتِ نو کا پیام
حیاتِ نو کے جو مضمون کا متن لکھوں
وہ ایک نام جو تشبیہ کا نہیں محتاج
میں اس کی شرح میں کیا، ربِّ ذوالمنن، لکھوں؟

ایک اور مقام پر کہا:

سن کے جس نام کو جھک جائے عقیدت کی جبیں
جس کی نعلین کہ اتری نہ سرِ عرشِ بریں
نقطۂ نور ، خطِ نور ، سرِ خامۂ نور
ہے یہی نام اندھیروں میں اجالوں کا شعور
جس کے احساس کی خوشبو سے مہک جائیں دماغ
جس کو آواز دو ظلمت میں تو جل جائیں چراغ
جس نے دنیائے تمدن کے سجائے در و بام
جس پہ تہذیب نے بھیجا ہے درود اور سلام

نعتیہ شاعری میں ایک اور معتبر نام غیور احمد کا ہے۔ وہ بصد ادب و احتیاط شعر کہتے ہیں۔ دیکھیے یہاں نام کے بغیر کیا خوبصورت شعر کہا ہے:

وہ جس کا واسطہ دے کر دعائیں مانگی تھیں
ابوالبشر علیہ السلام سے تو پوچھو وہ نام کس کا ہے

محمد ﷺ:

حضور سیّد عالم ﷺ کے اسمائے مبارکہ کے متعلق متعدد راویانِ حدیث سے متعدد روایات ملتی ہیں، مثلاً: حضرت جبیر رضی اللہ عنہ بن مطعم کی ایک روایت پیش کی جا چکی، ایک روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ سے بھی ملتی ہے جسے طبرانی نے ''اوسط'' میں اور ابونعیم رضی اللہ عنہ نے بھی تحریر کیا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ معمر اور بزرگ ترین صحابیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم نے ان سے بھی روایت بیان کی ہے۔ ان کے علاوہ مشہور صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے، ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شمائل'' میں بیان کیا ہے، ان کے علاوہ اور بھی صحابۂ کرام علیہم اجمعین نے حضور سیّد عالم ﷺ سے جن لمحات مبارکہ میں جیسی مبارک بات سنی اسے بیان کرتے گئے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق:

میں یہاں حضرت علامہ حافظ عبد الرحمٰن جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء تصنیف ''الخصائص الکبریٰ'' سے اسمائے گرامی سیّدِ عالم ﷺ پر ان کی تحقیق پیش کر رہا ہوں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام یہ ہے کہ ''الخصائص الکبریٰ'' کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مشہورِ زمانہ تصنیف ''الاتقان فی علوم القرآن'' ہے نیز تفسیر قرآن پر ان کی تصانیف کی تعداد بتیس بتائی جاتی ہے لیکن مشہور زمانہ تصانیف میں ''الدر المنثور فی تفسیر ماثور''، ''ترجمان القرآن'' (پانچ جلدوں میں)، ''الناسخ والمنسوخ''، ''مفہمات القرآن فی مبہمات القرآن''، ''تفسیر جلالین'' وغیرہ۔ ان کے علاوہ احادیث پر، مفسرین پر اور تاریخ الخلفاء پر متعدد کتابیں لکھیں جن سب کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ سیرت النبی ﷺ پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصنیف ''الخصائص الکبریٰ'' بے مثال ہے۔ اس پر علمائے حق، محققین نے اس قدر تبصرے فرمائے

ہیں جو بے شمار ہیں۔ ان سب کا اجتماعی نتیجہ یہی ہے کہ "الخصائص الکبریٰ" اپنے تحقیقی انداز میں بدرجہ کمال ہے اور واقعی بے مثل ہے۔

یہ ان کا علمی مقام تھا اور ان کا مقام عشق یہ ہے کہ حضور ﷺ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو عالمِ رویا میں "یا شیخ السنۃ یا شیخ الحدیث" کہہ کر مخاطب فرمایا۔ حضرت شیخ شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سرور ذیشان ﷺ کے دیدار بہجت آثار سے کتنی بار مشرف ہوئے؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ستّر مرتبہ سے زیادہ۔ یہ روایت حضرت علامہ شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "الخصائص الکبریٰ" پر تبصرے میں تحریر فرمائی ہے لیکن ایک روایت، جو اس فقیر کو علماء کی خدمت سے میسر آئی، وہ اس طرح ہے:

حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ، جو خود بھی بلند پایہ عالم اور صاحبِ حال بزرگ تھے، حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی بابت فرماتے ہیں کہ انھیں (امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ) کو ایک سو سے زاید مرتبہ زیارت رسول اللہ ﷺ ہوئی اور بیشتر عالمِ بیداری میں ہوئی۔ چونکہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ محدّث بھی تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر زیارت کے موقع پر احادیث کی سند بھی حاصل فرمائی۔ یہ اہل اللہ اس مرتبے اور مقام پر فائز ہوے تو ان کی تحقیق کا مقام کیا ہوگا؟

حضرت علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تفصیلی تعارف کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ درود تاج کی شرح و تحقیق میں اکثر مقامات پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے حوالے پیش کیے ہیں جو آپ کی نگاہ سے آپ کا ذوقِ مطالعہ گزارے گا۔ کثرت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالوں کو پیش کیے جانے کے سبب ناچیز نے ضروری سمجھا کہ اس عظیم المرتبت ہستی کا تعارف کرادوں کیونکہ میری نظر سے ایسی محققانہ کتب بھی گزری ہیں جہاں ہمارے جذبہ حُبّ رسول اللہ ﷺ پر گردو غبار ڈالنے کی کوشش میں ان بزرگوں کے متعلق ایک جملہ یہ تحریر کر گئے کہ یہ حضرات معتبر راویان میں بہت کمزور مقام رکھتے ہیں اور قابلِ اعتبار نہیں۔

"الخصائص الکبریٰ" کی پہلی جلد میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ اس طرح دیا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو تقریباً اپنے تیس ناموں سے مخصوص فرمایا، وہ اسماء یہ ہیں:

الاکرم۔ الامین۔ الرحیم۔ الشہید۔ البشیر۔ الجبار۔ الحق۔ الخبیر۔ ذوالقوۃ۔ الرؤف۔ الشکور۔ الصادق۔ العظیم۔ العفو۔ العالم۔ العزیز۔ الفاتح۔ الکریم۔ المبین۔ المومن۔ المقدس۔ المولیٰ۔ الولی۔ النور۔ الہادی۔ طٰہٰ۔ یٰسٓ۔ الاول۔ الآخر ﷺ۔

یہ نام تیس نہیں، اس میں ایک نام کتاب میں غالباً رہ گیا۔ واللہ اعلم۔ (ادیب)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے اسمائے شریفہ کی شرح میں ایک کتاب مرتب کی ہے جس میں تین سو چالیس ناموں کو قرآنِ کریم، احادیثِ نبوی ﷺ اور کتبِ سابقہ سے اخذ کرکے بیان کیا ہے۔

یہ تیس نام (جس میں ایک نام غالباً کتابت کی غلطی سے رہ گیا)، جو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پیش کیے، تمام قرآن سے لیے گئے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ان تیس ناموں کے علاوہ اور بھی بہت سے اسماء قرآن میں ملتے ہیں جو یہ ہیں:

الاحد۔ الاصدق۔ الاحسن۔ الاجود۔ الاعلیٰ۔ الآمر۔ الناہی۔ الباطن۔ البر۔ البرہان۔ الحاشر۔ الحافظ۔ الحفیظ۔ الحسیب۔ الحکیم۔ الحلیم۔ الحیّ۔ الخلیفہ۔ الداعی۔ الرفیع۔ الواضع۔ رفیع الدرجات۔ السلام۔ السیّد۔ الشاکر۔ الصابر۔ الصاحب۔ الطیّب۔ الطاہر۔ العدل۔ العلے۔ الغالب۔ الغفور۔ الغنی۔ القایم۔ القریب۔ الماجد۔ المعطی۔ الناسخ۔ الناشر۔ الوفی۔ حٰم اور نون ﷺ۔

حضور سیّدِ عالم ﷺ کا اسمِ مقدس محمد ﷺ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نام سے مشتق ہے، اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کے یہ اشعار بہت شہرت رکھتے ہیں:

اغر علیه للنبوة خاتم

آپ ﷺ حسین ہیں، آپ ﷺ پر مہرِ نبوت ہے۔

من الله من نور یلوح و یشهد

جو اللہ کی جانب سے ہے وہ مُہرِ نور ہے، جو چمکدار ہے اور گواہی دیتی ہے۔

وضم الاله اسم النبی الی اسمه

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا۔

اذا قال فی الخمس الموذن اشهد

ہیں جو بے شمار ہیں۔ ان سب کا اجتماعی نتیجہ یہی ہے کہ ''الخصائص الکبریٰ'' اپنے تحقیقی انداز میں بدرجہ کمال ہے اور واقعی بے مثل ہے۔

یہ ان کا علمی مقام تھا اور ان کا مقامِ عشق یہ ہے کہ حضور ﷺ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو عالمِ رویا میں ''یا شیخ السنۃ یا شیخ الحدیث'' کہہ کر مخاطب فرمایا۔ حضرت شیخ شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سرورِ ذیشان ﷺ کے دیدار بہجت آثار سے کتنی بار مشرف ہوئے؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ستر مرتبہ سے زیادہ۔ یہ روایت حضرت علامہ شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الخصائص الکبریٰ'' پر تبصرے میں تحریر فرمائی ہے لیکن ایک روایت، جو اس فقیر کو علماء کی خدمت سے میسر آئی، وہ اس طرح ہے: حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ، جو خود بھی بلند پایہ عالم اور صاحبِ حال بزرگ تھے، حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی بابت فرماتے ہیں کہ انھیں (امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ) کو ایک سو سے زاید مرتبہ زیارت رسول اللہ ﷺ ہوئی اور بیشتر عالمِ بیداری میں ہوئی۔ چونکہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ محدّث بھی تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر زیارت کے موقع پر احادیث کی سند بھی حاصل فرمائی۔ یہ اہل اللہ اس مرتبے اور مقام پر فائز ہوئے تو ان کی تحقیق کا مقام کیا ہوگا؟

حضرت علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تفصیلی تعارف کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ درود تاج کی شرح و تحقیق میں اکثر مقامات پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے حوالے پیش کیے ہیں جو آپ کی نگاہ سے آپ کا ذوق مطالعہ گزارے گا۔ کثرت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالوں کو پیش کیے جانے کے سبب ناچیز نے ضروری سمجھا کہ اس عظیم المرتبت ہستی کا تعارف کرادوں کیونکہ میری نظر سے ایسی محققانہ کتب بھی گزری ہیں جہاں ہمارے جذبہ حُبِّ رسول اللہ ﷺ پر گرد و غبار ڈالنے کی کوشش میں ان بزرگوں کے متعلق ایک جملہ یہ تحریر کر گئے کہ یہ حضرات معتبر راویان میں بہت کمزور مقام رکھتے ہیں اور قابلِ اعتبار نہیں۔

''الخصائص الکبریٰ'' کی پہلی جلد میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ اس طرح دیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو تقریباً اپنے تیس ناموں سے مخصوص فرمایا، وہ اسماء یہ ہیں:

الاکرم۔ الامین۔ الرحیم۔ الشہید۔ البشیر۔ الجبار۔ الحق۔ الخبیر۔ ذوالقوۃ۔ الرؤف۔ الشکور۔ الصادق۔ العظیم۔ العفو۔ العالم۔ العزیز۔ الفاتح۔ الکریم۔ المبین۔ المہیمن۔ المقدس۔ المولیٰ۔ الولی۔ النور۔ الہادی۔ طٰہٰ۔ یٰس۔ الاول۔ الآخر ﷺ۔

یہ نام تیس نہیں، اس میں ایک نام کتاب میں غالباً رہ گیا۔ واللہ اعلم۔ (ادیب)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے اسمائے شریفہ کی شرح میں ایک کتاب مرتب کی ہے جس میں تین سو چالیس ناموں کو قرآنِ کریم، احادیثِ نبوی ﷺ اور کتبِ سابقہ سے اخذ کر کے بیان کیا ہے۔

یہ تیس نام (جس میں ایک نام غالباً کتابت کی غلطی سے رہ گیا)، جو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پیش کیے، تمام قرآن سے لیے گئے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ان تیس ناموں کے علاوہ اور بھی بہت سے اسماء قرآن میں ملتے ہیں جو یہ ہیں:

الاحد۔ الاصدق۔ الاحسن۔ الاجود۔ الاعلیٰ۔ الآمر۔ الناہی۔ الباطن۔ البر۔ البرہان۔ الحاشر۔ الحافظ۔ الحفیظ۔ الحسیب۔ الحکیم۔ الحلیم۔ الحیّ۔ الخلیفہ۔ الداعی۔ الرفیع۔ الواضع۔ رفیع الدرجات۔ السلام۔ السیّد۔ الشاکر۔ الصابر۔ الصاحب۔ الطیّب۔ الطاہر۔ العدل۔ العلےٰ۔ الغالب۔ الغفور۔ الغنی۔ القایم۔ القریب۔ الماجد۔ المعطی۔ الناسخ۔ الناشر۔ الوفی۔ حٰمٓ اور نون ﷺ۔

حضور سیّدِ عالم ﷺ کا اسمِ مقدس محمد ﷺ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نام سے مشتق ہے، اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کے یہ اشعار بہت شہرت رکھتے ہیں:

اغر علیه للنبوة خاتم

آپ ﷺ حسین ہیں، آپ ﷺ پر مہرِ نبوت ہے۔

من الله من نور یلوح و یشهد

جو اللہ کی جانب سے ہے وہ مُہرِ نور ہے، جو چمکدار ہے اور گواہی دیتی ہے۔

وضم الاله اسم النبی الی اسمه

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا۔

اذا قال فی الخمس الموذن اشهد

جب مؤذن پانچوں وقت اشهد ان لا اله الا الله کہتا ہے تو اس کے ساتھ ہی
اشهد ان محمداً رسول الله کا بھی اظہار واعلان کرتا ہے۔

وشق له من اسمه ليجله

اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے حضور ﷺ کا نام نکالا، تا کہ آپ ﷺ کی عزت وعظمت کا اظہار ہو۔

فذو العرش محمود و هذا محمد ﷺ

تو مالکِ عرش کا نام محمود ہے اور آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ۔

یہ اشعار بارہا آپ کی نظر سے گزرے ہوں گے کہ اکثر لوگ انھیں برکت کے لیے بھی شایع کراتے اور تقسیم کرتے ہیں۔ یہاں ان کے پیش کرنے کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک روایت بہت اہم ہے اور تاریخی ہے جسے ''الخصائص الکبریٰ'' میں حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا ہے۔

بیہقی و ابنِ عساکر رحمۃ اللہ اجمعین نے سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن زید بن جدعان سے روایت کی، انھوں نے کہا: لوگوں نے ایک اجتماع میں مذاکرہ کیا کہ عرب میں کون سا شاعر بہتر ہے اور اس کے کلام میں وہ کون سا بہترین شعر ہے جو اس شاعر نے حضور ﷺ کی منقبت میں کہا ہے؟ چنانچہ متفقہ طور پر کہا گیا کہ ''وشق له من اسمه'' سب سے بہتر ہے۔ (الخصائص الکبریٰ جلد اول، ص ۱۸۸)

قارئینِ کرام کو یاد ہوگا کہ آغازِ کتاب میں ایک بحث ''صاحبکم'' (سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے متعلق) کی گئی ہے جس میں قرآنِ کریم کی مختلف آیات کے حوالوں سے کسی لفظ کے عزّ وشرف کے لیے متعلقات کی اہمیت سمجھائی گئی ہے، لفظ مولیٰ کے لیے بھی یہی اصول متعلقات کا وارد ہوتا ہے۔ ہماری اردو زبان نے لغت کا عربی لفظ اپنے اندر سمو لیا، عربی میں اس کے جتنے بھی معنی ہیں وہ اس عزّ وشرف کو نہ پا سکے جب تک یہ لفظ توصیفِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے مختص نہ ہوگیا۔ اس لیے لفظ سیّد اور لفظ مولیٰ کو حضور رحمتِ عالم ﷺ کے دامانِ عطا سے وابستگی نے عزّ وشرف بخشا ہے اور جب کوئی لفظ ان کی صفات کے بیان کے لیے چنا جاتا ہے تو وہ خود جھوم اٹھتا ہے اپنے انتخاب پر۔

صَاحِبِ التَّاج

وہ ﷺ بانٹتے ہیں غلاموں کو تاجِ عزّ و شرف
اسی سبب سے یہ عنواں درود تاج میں ہے

صَاحِبِ التَّاج

سریرِ عرش را نعلینِ اُو تاج
امینِ وحی و صاحبِ سرِ معراج (نظامی گنجوی)

تاج علامت ہے شرفِ خاص کی:

بحر و بر، کوہ و دمن، سبزہ و گل، ابر و باد، مہر و ماہ، طیور و وحوش، چرند و پرند، اشجار و انہار تمام مخلوقاتِ ارضی و سماوی میں جو شرف انسان کو ملا وہ کسی اور کا مقدر نہ بن سکا، انسان خود اپنی تعریف کیا کرتا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ کہہ کر حق تعالیٰ نے شرفِ انسانی کی مہر ثبت کر دی۔ انسان کو جو یہ جسم عطا کیا، اس کی موزونیتِ اعضاء میں جو حسنِ تناسب رکھا وہ اس قدر موزوں تھا کہ ہر حسن پر غالب آ گیا اور کیوں نہ آتا کہ اسی تناسبِ حسنِ اعضاء میں وہ قدِ رعنا، وہ پیکرِ حسنِ دو عالم آنے والا تھا جس کے استقبال کے لیے یہ بزمِ کائنات سجائی اور آراستہ کی گئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیقِ جسمانی میں اللہ تعالیٰ کا اپنا ہاتھ بھی شامل تھا۔ جن لمحات میں یہ قدِ ابو البشر علیہ السلام ترتیب پا رہا تھا در حقیقت اس پیکرِ آدم علیہ السلام کو حسن و جمال بخشنے والا، اس کے خد و خال کو سنوارنے والا، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ سانچہ بنا رہا تھا جس میں حسنِ یوسف علیہ السلام، دمِ عیسیٰ علیہ السلام اور یدِ بیضا کی صفات کا حامل آنے والا تھا۔ صانعِ حقیقی نے جسم کے ایک حصے کو دوسرے پر فضیلت بخشی؛ بہ اعتبارِ حسن، بہ اعتبارِ تناسبِ اعضاء ان میں چہرہ سب سے افضل قرار پایا کہ مرکزِ دلربائی تھا۔ لب و دنداں، چشم و ابرو، گوش و بینی، رخسار و جبیں تمام مظہرِ جمال بصد کمال، پھر ان سب پر وہ مقام جو اس قدِ رعنا کی بلندی، کلاہ و کج کلاہی کا ساماں، جبہ و دستار کی منزل جسے کسی نے سرِ پُرغرور کہا اور کسی نے سرِ عجز و نیاز:

اے کہ ترا سرِ نیاز حدِّ کمالِ بندگی
اے کہ ترا مقام عشق قرب تمام عینِ ذات
(نواب بہادر یار جنگ)

عبدیت کو آدابِ عبودیت کی جو تعلیم دی گئی، اس عبادت کی قبولیت کے لیے جو شرط رکھی وہ سر بسجود ہونا۔ پھر جو جتنا جھکا اتنا بلند و سرفراز کر دیا گیا۔ سجدہ ریز ہو کر سرفراز ہونے کی داستانیں ہماری تاریخ کا حصہ ہیں۔ سر جھکا کر یا سر کٹا کر انسان نے جو مراتب پائے وہ ملائکہ کو نصیب نہ ہوئے۔ یہی سر ہے کہ جب انسان نے حکمرانی اور ملوکیت کا آغاز کیا، متمدن یا غیر متمدن ادوار میں حاکمِ وقت بنا، عناں گیرِ سلطنت ہوا اپنی فرمانروائی کی علامت کے لیے اپنے سر پر تاج رکھا۔ حکمرانوں اور فرمانرواؤں کی شان و شوکت اور عظمت و جلال کے لیے تاج ایک علامت بن گیا، پھر رفتہ رفتہ یہ تاج خود ایک تاریخ بن گیا۔ وہ تصورات میں، حوالوں میں، داستانوں میں، شاعری میں رفتہ رفتہ ایک جاندار اور مضبوط روایت بن گیا۔

تاج الاولیاء، تاج الاصفیاء، تاج المشائخ، تاج العارفین اور تاج العلماء جیسی دنیائے علم و ادب میں روایت عام ہوئی، اس طرح لفظ کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا یہاں تک کہ علمِ ظاہری اور علمِ باطنی دونوں میں ایک علامت کی جگہ بنالی۔

صاحبِ تصنیفِ **درود تاج** نے اس لفظ کا جو انتخاب کیا وہ موتیوں اور جواہرات سے جڑاؤ کام کے تاج کا حوالہ ہرگز نہیں بلکہ آدمیت کے عزّ و وقار، شرف انسانیت کے لیے بطور علامت پیش کیا، یعنی اس تاجدار کا مقام ہی کچھ اور ہے:

سب تاجدار سامنے اس تاجدار کے
آتے ہیں تاج اپنے سروں سے اتار کر
(حسرت حسین حسرت)

دلوں کی زمین پر حکمرانی کا تاج:

موتیوں اور جواہرات سے جڑا تاج ان حکمرانوں کے لیے تھا اور ہے جو طاقت ور بن کر حکمرانی کرتے ہیں اور زمین پر ان کا اقتدار ہوتا ہے، لیکن ان میں بیشتر وہ تاجدار ہیں جو زمین پر تو حکمراں ہیں لیکن دلوں پر کبھی حکومت نہ کر سکے کہ دل کی زمین ہی اور ہے اور

ان پر حکومت کرنے والی قوتیں اور ہی ہیں۔ لفظ تاج کے ساتھ سلطان کا لفظ بھی ہم رکاب رہا، دونوں کا تعلق گہرا تھا لہٰذا دنیائے معرفت میں بھی ان دونوں الفاظ کا استعمال اپنی اپنی جگہ بطور علامت کے آتا ہے۔ دنیائے روحانیت میں اولیائے کرام کے لیے سلطان کا لفظ بار بار آیا لیکن حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے یہ لفظ موزوں ہوا ''سلطان الہند''، کسی اور کے لیے نہیں ہو سکا۔

ایک خوبصورت شعر لفظ سلطان کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

اے دل ! بگیر دامنِ سلطانِ اولیاء
یعنی حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام ، جانِ اولیاء
(شاہ نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ)

اسی طرح لفظ تاج نے عربی، فارسی اور اردو شاعری میں بطور علامت جگہ پائی۔
علامہ اقبال نے اس لفظ کا استعمال کس طرح کیا ہے:

نہ تخت و تاج میں ، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

یہ اہل اللہ، یہ صاحبِ کرامات، یہ عارفانِ حق بھی ان الفاظ کو اپنے مطالب کا جامہ پہنا کر کس طرح پیش کرتے ہیں، ملاحظہ کیجیے:

یک کفِ خاک از درِ پُر نُورِ اُو
ہست ما را بہتر از تاج و نگیں

شاہ شرف الدین بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی، کرنالوی فرماتے ہیں کہ ان کے درِ پُرنُور کی خاک کی ایک مٹھی میرے لیے تاج و نگیں سے کہیں بہتر ہے۔

اسی طرح حضرت علامہ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں:

اے خاکِ رہِ تُو عرش را تاج
یک پایہ ز قدِّ تست معراج

''آپ ﷺ کی ذات تو وہ ہے کہ آپ ﷺ کے قدموں کی خاک عرش کے لیے تاج ہے اور آپ ﷺ کے جسدِ مبارک کا ایک قدم واقعہ معراج

کا عکاس ہے۔"

علامہ جامی ؒ تو بڑی رعایت سے کہہ رہے ہیں کہ آپ ﷺ کے در کی ایک مٹھی خاک عرش کا تاج ہے یعنی درِ محبوب ﷺ کی خاک کا مقام عرش سے بھی اعلیٰ ہے مگر نظامی گنجوی ؒ ان سے بہت آگے نکل گئے، وہ کہتے ہیں عرش ایک تخت ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعلینِ مبارک اس کا تاج ہے۔ کمال یہ ہے کہ اتنے وسیع مضمون کو پہلے مصرعے میں ہی مکمل کرلیا ہے۔

سریرِ عرش را نعلینِ او تاج
امینِ وحی و صاحبِ سرِ معراج

سریرِ عرش را نعلینِ اُو ﷺ تاج:

سریر عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں تخت، ملک، بادشاہی نعمت اور وسعتِ عیش کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ وہ (نظامی گنجوی ؒ) اپنے تصور کو حرکت دیتے ہیں تو معراج کے واقعے میں داخل ہو جاتے ہیں اور محبوب ربّ ﷺ کو نعلین پہنے عرش پر جلوہ گر پاتے ہیں، ان باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ نعلینِ پاک کو تاجِ عرش قرار دیتے ہیں۔

یعنی حضور نبی کریم، رحمت للعالمین، وجہِ وجودِ کائنات ﷺ کی نعلینِ مبارک عرش کے لیے تاج کا مقام رکھتی ہے۔ جس ہستی کی یہ نعلینِ مبارک ہے اس کے سرِ اقدس پہ عزّو شرف کا، رحمتِ بیکراں کا، مغفرت عاصیاں کا اور شفاعت کا تاج ہی موزوں ہوسکتا ہے۔

جوشِ عقیدت میں صاحبِ تصنیفِ درود تاج نے یہ بات کہہ دی ہے یا دنیائے علم و ادب کی بلند پایہ ہستیوں نے بھی اسے قبول کیا اور خود بھی ایسا کہا ہے؟ ایک نثری شہ پارہ ملاحظہ کیجیے۔ علامہ سیّد سلیمان ندوی ؒ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، آپ کی تحقیقی تصانیف میں "سیرت النبی ﷺ" ایک عظیم کارنامہ ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے واقعۂ معراج اور معجزاتِ نبوی ﷺ پر جلد سویم مختص ہے، اس کا اقتباس پیش کرتا ہوں:

"عرصۂ دار و گیرِ محشر میں جب جلالِ الٰہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہوگا اور گنہگار انسانوں کو امن کا کوئی سایہ نہ ملے گا اس وقت سب سے پہلے فخرِ

موجودات، باعثِ خلقِ کائنات، سیّدِ اولادِ آدم، خاتم الانبیاء، رحمتِ عالم ﷺ ہاتھوں میں لواءِ حمد لے کر اور فُرقِ مبارک پر 'تاجِ' شفاعت رکھ کر گنہگاروں کی دستگیری فرمائیں گے۔"

("سیرت النبی ﷺ"، سیّد سلیمان ندوی ؒ، جلد سویم، ص ۸۶۲)

دیکھیے، تاجِ شفاعت کے حسین لفظ کو علامہ ؒ نے حسین لفظوں کے جھرمٹ میں رکھ کر پیش کیا ہے۔ اسے پڑھ کر ایسا تصور قایم ہوتا ہے گویا روزِ محشر، کہ جاں گداز ہے، عریض و طویل میدان ہے، انبیاء علیہم السلام اور ان کی اپنی اپنی امتیں بے قراری کے اور اضطراب کے عالم میں منتظر ہیں، تمازتِ آفتاب نے سخت امتحان میں ڈال رکھا ہے، اچانک ایک جانب سے شور اٹھے گا، مایوسیوں کے بادل چھٹ جائیں گے، امید آفتاب کی کرنوں میں شامل ہو جائے گی۔ آپ ﷺ کی امت کے گنہگار اور شفاعت کے طالب ایک طرف کھڑے ہوں گے۔ ایک گوشے سے جامی ؒ نمودار ہوں گے اور تاجِ شفاعت کو فُرقِ اقدس پر دیکھ کر انھیں یاد آجائے گا کہ جب انھوں نے کہا تھا:

اے بر سرت از نورِ قِدَم تاج لعمرک
خاکِ قدمت بردہ ملایک بہ تبرک

اے وہ ذاتِ اقدس جن کے سرِ اقدس پر اولیت کا نور اور العمرک کا تاج ہے۔ آپ کے قدموں کی خاک وہ ہے جسے ملائکہ تبرک بنا کر لے جاتے ہیں۔

پھر ان کے لبِ شیریں کلام کو جنبش ہوگی اور وہ فرمائیں گے:

چوں تو گیسوئے شفاعت بنہی بر کفِ دست
من بیک موئے تو بخشم بہ جہاں ہر چہ کہ ہست

آپ ﷺ کی ذات تو وہ ہے کہ ربِّ کریم آپ ﷺ سے فرماتا ہے کہ اے حبیب ﷺ! اگر آپ ﷺ اپنے دستِ مبارک پر گیسوئے شفاعت رکھ لیں تو آپ ﷺ کے ایک بال کے بدلے جہاں میں جو کچھ ہے اسے تول دوں۔

پھر جامی ؒ آبدیدہ ہو جائیں گے، آنسو حلقۂ چشم سے نکل کر رخسار پر اور رخسار

سے دامن پر آجائیں گے، لب ہل رہے ہوں گے اور آواز آ رہی ہوگی:

مذنب چوں من نباشد در تمامی اُمت
رحم کن بر حالِ ما یا رحمت للعالمیں ﷺ

یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی ساری امت میں سب سے زیادہ گناہ گار جامی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ ﷺ رحمت ہی رحمت ہیں۔ اس گناہ گار کے حال پر رحم فرمایئے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ جامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال دیکھ کر اپنے جدِّ امجد کے حضور تمام امت کے لیے عرض کریں گے:

نامہائے عاصیانِ اُمتِ خود را ببیں
پس بفرما تا گناہاں راکنند از نامہ حک

حضور ﷺ! اپنی اُمت کے عاصیوں کے ناموں کو دیکھیے اور حکم فرمایئے کہ نامۂ عصیاں سے ان کے نام نکال دیے جائیں۔ (حک: بمعنی کھرچنا، کھرچ کر نکال دینا۔)

اس ہجوم میں حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ بھی کھڑے ہوں گے۔ یہ شعر سن کر ان کا حوصلہ بڑھے گا اور وہ اس طرح لب کشا ہوں گے:

بر اُمم از عونِ تو رحمتِ حق بیش باد
ہشت در خلد باز، ہفت درک بیش باد
مایہ عصیانِ ما ہست ز اندازہ بیش
در حقِ ما عاصیاں عونِ تو زاں بیش باد

حضور ﷺ! آپ ﷺ کی مدد سے امتوں پر رحمتِ حق میں اضافہ ہو اور ان پر جنت کے آٹھ (تمام) دروازے کھل جائیں اگرچہ ہمارے گناہوں کا ذخیرہ اندازے سے بہت زیادہ ہے۔ اے (پیارے نبی ﷺ)، ہم گناہ گاروں کے حق میں آپ ﷺ کی مدد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

اچانک ایک جانب سے حضرت حسن رضا رحمۃ اللہ علیہ بڑھ کر قدموں سے لپٹ جائیں گے

اور دامن تھام کر عالمِ گریہ میں کہیں گے:

بخشوانا مجھ سے عاصی کا روا ہوگا کسے
کس کے دامن میں چھپوں دامن تمھارا چھوڑ کر

یقیناً روزِ محشر ہر وہ شخص، جس نے دنیا میں رہ کر سفید و سیاہ کیا ہے، پریشان و بد احوال ہوگا اور اس کی نگاہیں رحمتِ عالم ﷺ کی منتظر و متلاشی ہوں گی؛ حضرت آدم علیہ السلام تا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیا انبیاء علیہم السلام اور کیا ان کی امتیں، طلب گارِ رحمت ہوں گی۔ اس عرصۂ محشر میں عظمت و بزرگی، شفاعت و رحمت کا سب سے بڑا اعزاز اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو عطا فرمائے گا۔ پہلے وہ سرِ اقدس ___ جس نے ۲۳ برس کی زندگی میں اپنے ربّ کے حضور جھکنے کا وہ شعار اپنی امت کو بخشا کہ روزِ قیامت تک زمانہ اللہ اکبر کی صدا سن کر سربسجود ہو جاتا ہے ___ وہ سرِ اقدس اپنے رب کے حضور ایک طویل سجدہ کرے گا اور اپنے رب کی حمد و ثناء کا حق ادا کر دے گا تو ادھر خالق بھی سر اٹھانے کا حکم دے کر اپنا وعدہ پورا کر دے گا جو اس دارِ فانی میں یہ کہہ کر کیا تھا: وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ حضرت امام باقر علیہ السلام نے اس آیت کے نزول پر فرمایا تھا: اے عراق والو! تم کہتے ہو کہ قرآن میں یہ آیت لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ گناہ گاروں کے لیے خوشخبری ہے لیکن ہم اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں کہ اب ہمارے لیے سب سے بڑی خوشخبری یہ آیت ہے: وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔

پھر آپ ﷺ کے ہاتھ میں لواء حمد دیا جائے گا، سر پر تاجِ شفاعت رکھا جائے گا اور مقامِ محمود پر فائز کر دیا جائے گا۔ اسی موقعے کے لیے حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

آتا ہے وہ جو صاحبِ تاج و سریر ہے
رونق فضا ہے، خلق کا جو دستگیر ہے
دربارِ عام گرم ہوا، اشتہار دو
جنّ و ملک سلام کو آئیں، پکار دو

اور آنے کے بعد جو لطف و کرم گناہ گارانِ امت پر ہوگا حافظ پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف دو مصرعوں میں اس کی ایسی تصویر بنائی ہے، یہ تصویر بھی دیکھیے:

وہ ہی اچھے رہے ، محشر میں ، جو رحمت برسی
بے گناہوں سے کھڑے تھے جو گناہ گار جدا

زبان کی وضاحت کے لیے محاورے اور استعارے جسمِ الفاظ میں جان کی حیثیت رکھتے ہیں، تشبیہ کا بھی یہی عالم ہے۔ ''تاج'' درحقیقت اردو، فارسی ہی نہیں عربی زبان کی فصاحتِ کلام کا حصہ ہے، اس سے مراد عزّ وشرف ہے کہ ایک تو وہ قیمتی جواہرات سے مزین ہوتا ہے اور ایسا ہونے کے سبب وہ ہر کس و ناکس کی دسترس میں نہیں ہوتا، پھر اس کی جو تاریخی حیثیت بن گئی تو یہ بھی لازم قرار پایا کہ جو اس کو پہنے وہ کسی اعتبار سے اس کا موزون و مستحق بھی ہو۔ کسی دکاندار، کسی شاعر، کسی کارخانہ دار کے سر پر رکھ دیں تو اس شاعر، تاجر یا صنعت کار کی قدر و قیمت تو نہیں بڑھے گی البتہ تاج اپنی وقعت کھو بیٹھے گا۔ ان امور کو پیشِ نظر رکھیں تو تاج کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

صاحبِ التّاج سے مراد:

صاحب التّاج سے مراد ہے کہ شبِ معراج، مراتب و بلندی کا تاج حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے سر پر رکھا جو تھا ہی ان کے لیے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے قلوب میں کیا کیا نہ تمنائیں اور آرزوئیں مچلتی ہوں گی لیکن جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے، یعنی پاسِ ادب سے بات بھی دل کی نہ کہہ سکے، کیوں کہ بارگاہِ خداوندی کے جلال اور آداب سے واقف تھے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بصارت نے تقاضا کیا اور ضد کی حد تک چلے گئے، رَبِّ اَرِنِیْ کی تکرار کر ڈالی۔ لیکن یہ مرتبہ، یہ شان ــــ جب حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندے کو ایک رات سیر کرائی آسمانوں کی، اپنی نشانیاں دکھائیں اور آسمان کی مخلوق سے کہا کہ لو دیکھ لو آج تم سب میرے محبوب ﷺ کو ــــ یہ رتبہ کسی پیغمبر کو نصیب نہ ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وادی طور تھی اور سیّدالوجود ﷺ کی وادی قَابَ قَوْسَیْنِ تھی۔ آپ ﷺ کا طور شبِ معراجِ نور، آپ ﷺ کا رفرف وہ حرف آخر تھے جو انبیاء علیہم السلام کے دیوان میں لکھے گئے اس رات جس کا ذکر سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی میں فرمایا۔ ربِّ تبارک وتعالیٰ نے جن خلعتوں سے اپنے محبوب ﷺ کو نوازا۔ اوّل یہ کہ محبوب ﷺ نے

محب کی نشانیوں کو دیکھا۔ آپ ﷺ کے وجود کی جبینِ سعادت پر اس رات شرف کا وہ تاج رکھا جو اس سے قبل نہ کسی کو میسر ہوا نہ اس کے بعد کسی کا حصہ بنا۔ انبیاء علیہم السلام میں کسی نے قَابَ قَوْسَیْنِ کی سیر نہیں کی۔ اس باغ کی عطرِ معرفت میں بسی ہوا کسی کو میسر نہ آئی نہ کسی سے کہا گیا: السلام علیک ایھا النبی (اے نبی سلام ہو)۔ اور پھر قیامت تک اللہ کے حضور جھکنے والوں پر اسی سلام کی شرط لگا دی۔

تمام انبیاء علیہم السلام اَوْ اَدْنٰی کے حجاب سے پیچھے رہ گئے، ادھر دَنَا فَتَدَلّٰی کا مالک آگے بڑھا یعنی قریب ہوا، پھر زیادہ قریب ہوا۔ ایسا قرب کسی کو نہ ملا جسے دیکھ کر تمام ارواحِ انبیاء علیہم السلام زبانِ معرفت سے بول اٹھیں: آپ ﷺ ختم الرسل ہیں، آپ ﷺ کے تاجِ شرف پر وحی کے موتی سجائے گئے ہیں۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

ترجمہ: اور اللہ مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ (سورہ بقرہ: آیت ۵)

اسی فضلِ خاص کا ذکر بار بار اپنے محبوب ﷺ کے لیے فرماتا ہے، چنانچہ سورۃ النساء میں فرماتا ہے:

وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا

ترجمہ: اے حبیب ﷺ! اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ پر فضلِ عظیم ہے۔ (النساء: آیت ۱۱۳)

بنی اسرائیل کی سورۃ میں فرمایا: اِنَّ فَضْلَہٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا
اے حبیب ﷺ یقیناً اس کا فضل وکرم آپ ﷺ پر بے حد ہے۔

(سورہ بنی اسرائیل: آیت ۸۷)

شاہنشہِ اصفیاء محمد ﷺ
تاجِ سرِ انبیاء محمد ﷺ

وَالمِعرَاج

وہ شان و شوکتِ شب دیکھتا کوئی اُس شب
تھی رات صبح پہ خنداں، درود تاج میں ہے

والمعراج

بس ایک رات کا مہماں انہیں بنانے کو
زمیں سے عرش نے کی ہوں گی منتیں کیا کیا

(ادیبؔ)

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی:

پہلے اصل واقعے کا اختصار کے ساتھ ذکر۔ سورہ بنی اسرائیل میں قرآنِ کریم کی آیات میں اس عظیم الشان واقعے کو بیان کیا گیا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا

”پاک ہے (ہر عیب سے) وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، بابرکت بنادیا ہم نے جس کے گردونواح کو، تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔“

اس واقعے سے کون ایسا کلمہ گو ہے جو واقف نہیں، کس دل میں اس کی عظمت نہیں؟ لیکن اس خاص لطفِ خداوندی کا تاریخی پس منظر بھی عجیب ہے۔ جب بھی اللہ کے محبوب ﷺ کو شدید امتحان، مصایب اور سختیوں سے گزرنا پڑا اللہ تعالیٰ نے ایسی نویدِ مسرت سنائی کہ وہ آیاتِ مقدسہ اس کی عظمت و بزرگی کے ساتھ اس کی رحمتِ بے پایاں کی مظہر ہوگئیں۔ سورہ کوثر کا نزول اور سورہ والضحیٰ اس کی گواہ اور مثالیں ہیں۔ اسی طرح اس واقعے کا پس منظر بھی ایسا ہی ہے کہ جسے پڑھ کر آنکھ نم ہو جاتی ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

اللہ کے محبوب ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر جس دن قریشِ مکّہ کو توحید کی دعوت دی اسی دن سے آپ ﷺ پر مصایب، مخالفت، مخاصمت اور سختیوں کا دور شروع ہو گیا۔ جب تک آپ ﷺ کے مشفق چچا حضرت ابو طالب حیات تھے، اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی حیات رہیں کفارِ مکّہ کو کھلی چھوٹ نہ تھی، ہر نازک مرحلے پر تسکین و طمانیت کا سامان تھا لیکن ان کے بعد انسانیت سوز کارروائیوں کا آغاز ہو گیا اور ان کی ایذاء رسانیاں حد سے بڑھ گئیں۔ اہلِ مکّہ کی جفا کاریوں سے مایوس اور دل برداشتہ ہو کر آپ ﷺ نے طائف کا رخ کیا اور توحید کا پیغام پہنچایا لیکن وہاں جس طرح آپ ﷺ کے زخموں پہ نمک پاشی ہوئی وہ واقعہ بڑا دردناک منظر پیش کرتا ہے۔ ایک جانب حالات کی ناسازگاری دوسری جانب ظاہری سہارے جو ایک ایک کر کے ختم ہو گئے۔ یہی وہ وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ پر خاص کرم فرمایا۔

اللہ کے محبوب ﷺ خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور خداوند کریم کے ارادے سے آگاہی بخشی۔ چاہِ زمزم کے قریب سینہ اقدس چاک ہوا، قلبِ اطہر میں حکمتِ خداوندی بھر دی گئی، سواری میں براق پیش ہوا اور آپ ﷺ کو مسجدِ اقصیٰ لے جایا گیا۔ آپ ﷺ کی اقتداء میں تمام انبیاء علیہم السلام نے نماز پڑھی، پھر درجہ بدرجہ منزلوں سے گزرتے، انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے ملاقات کرتے ہوئے انوارِ ربانی کی تجلی گاہ تک پہنچے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کا بیان کسی بشر سے ممکن ہی نہیں، عقل کی رسائی سے جو بالاتر ہے علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے جن الفاظ میں بیان کیا وہ یوں ہیں:

"پھر شاہدِ مستورِ ازل نے چہرے سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں راز و نیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بارِ الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی: فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى۔"

("سیرت النبی ﷺ" جلد سوم)

واقعہ معراج کی جتنی شدّ و مد سے مخالفت ہوئی ہے ایسی کسی اور واقعے کی نہیں ہوئی۔ یہ مخالفت عہدِ رسالت مآب ﷺ سے ہمارے زمانے تک چلی آرہی ہے،

بالخصوص مغربی مفکرین نے اس کے ہونے اور اس کے نہ ہونے کے علاوہ جسمانی طور پر ہونے کے کسی دلیل کو تسلیم نہیں کیا اور اس طرح ہونے کو قانونِ قدرت کے خلاف قرار دیا۔ یہاں مقام افسوس ہے کہ مستشرقین کے افکار کی تقلید میں ہمارے اپنے احباب نے بھی ہمارے عقیدے پر ضرب لگائی۔ ان اعتراضات کی اور ان کے جوابات کی تفصیل بہت ہے لیکن میں اپنے قاری تک وہ چند بنیادی باتیں پہنچا دینا چاہتا ہوں جو ان اعتراضات میں پوشیدہ ہیں کیونکہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی دوربین نگاہوں نے دیکھا تو اپنی قوم کو اس طرح آگاہ کر دیا:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرارِ بولہبی

اعتراض اور اس کا پہلا حوالہ:

کونسٹانس جیور جیو سابق وزیر خارجہ رومانیہ نے سیرت ﷺ کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا عربی ترجمہ حلب یونیورسٹی سے ہوا ہے۔ ترجمہ ڈاکٹر محمو التونجی نے کیا ہے جو "نظرۃ الجدیدہ فی سیرت رسول ﷺ" کے عنوان سے بیروت سے شایع ہوا ہے۔ اس میں وزیر موصوف نے معراج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس واقعے پر علوم طبیعیات کی رو سے دو اعتراض وارد ہوتے ہیں: پہلا اعتراض رفتار کی سرعت کے متعلق ہے۔ دوسرا یہ کہ کیا جسمِ خاکی کے لیے ممکن ہے کہ فضاء میں روشنی کی رفتار سے بھی تیز تر پرواز کر سکے؟ معراج کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کائنات کے افقِ اعلیٰ تک تشریف لے گئے، پھر واپس بھی تشریف لے آئے حالانکہ مشہور عالم سائنسدان اور ریاضی دان آئن اسٹائن کے نزدیک کائنات کے دائرہ کے قطر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اگر روشنی سفر کرے تو اس کو یہ مسافت طے کرنے کے لیے تین ہزار ملین نوری سال کا عرصہ درکار ہے جب کہ روشنی کی اپنی رفتار تین لاکھ کلو میٹر فی سیکنڈ ہے جسے ہندسوں میں یوں لکھا جا سکتا ہے: 3000000000=3000x1000000 یعنی تین ارب نوری سال۔

(نظرۃ الجدیدہ، صفحہ ۱۴۳، مطبع بیروت)

علمائے طبیعیات کی نظر سے جب یہ مضمون گزرے گا تو یقیناً ان کے دل و دماغ میں یہ شبہات پیدا ہوں گے کہ واقعی جسدِ خاکی کا اس رفتار سے سفر کرنا عقلی طور پر ناممکنات سے ہے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ بیشک عقلی طور پر بظاہر یہ ممکنات سے نہیں لیکن جب منزل ایمان میں قدم رکھتے ہیں تو ہر صاحبِ ایمان اس کی نفی کرنے کو اس کے قبول کرنے پر ایمان کی دلیل گردانتا ہے، مثلاً: خود کونسٹانس جیور جیو (اس کتاب ''نظرۃ الجدیدۃ'' کا مصنف) اسی کتاب میں آگے چل کر اپنے ہی مضمون میں اس اعتراض سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ شاید اس لیے کہ وہ بھی اہلِ کتاب (عیسائی) ہے، کہتا ہے:

''اگر چہ علم طبیعیات کے نزدیک یہ امر ممکن نہیں کہ اتنی مسافت رات کے ایک قلیل حصے میں طے ہو لیکن مذہبی نقطۂ نظر سے ہمیں اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں کہ ہم عیسائی بھی ہیں جو بہت سی ایسی چیزوں کو اپنے مذہبی عقاید میں شمار کرتے ہیں اور ان کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے ہمیں مسلمانوں پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔''

(نظرۃ الجدیدہ فی سیرت رسول ﷺ، ص ۱۴۳، مطبع بیروت)

اتنے قوی اعتراض کے باوجود، جو سائنسی نقطۂ نگاہ سے مضبوط بھی ہے اور مدلّل بھی، اپنے بیان کے آخری حصے میں مسلمانوں کے عقیدے پر اعتراض نہ کرنے کی طرف کس لیے لوٹ آیا کہ اس نے اپنے عقیدے کی بات وہاں شامل کر لی اور وہ یہ جانتا تھا کہ اگر طبعی امور کی بنیاد پر اس واقعے سے انحراف کیا جائے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے لیے ہم (عیسائی) کہاں سے دلیل لائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا ان کے عقیدے کی بنیادی باتوں میں سے ایک ہے خواہ وہ انجیلِ مرقس ہو یا انجیلِ لوقا۔ میں یہاں ان دونوں کا حوالہ بھی پیش کرتا ہوں:

انجیلِ مرقس اور انجیلِ لوقا:

''غرض خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی دہنی طرف بیٹھ گیا۔'' (انجیلِ مرقس: باب سولھواں، آیت ۱۹)

''پھر وہ انھیں بیتِ عنیاہ کی طرف لے گیا اور اپنے ہاتھ اٹھا کر انھیں برکت دی۔ جب وہ انھیں برکت دے رہا تھا تو ایسا ہوا کہ وہ ان سے جدا ہو گیا اور آسمان پر اٹھایا گیا۔'' (انجیلِ لوقا: باب ۲۴، آیت ۵۰-۵۱)

کیا قرآنِ کریم میں صرف یہی ایک واقعۂ معراج ایسا بیان کیا گیا جو علم طبیعیات کی رو سے قابلِ قبول نہ ہو؟ ایک تو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے جو قرآن ہی میں بیان ہوا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر سورۃ النمل میں بڑی شان اور اہتمام سے کیا گیا ہے جس میں ایسے ہی سفر کا بیان ہے جو طویل فاصلے کو پلک جھپکتے میں طے کرنے اور قدرتِ خداوندی کی کرشمہ سازی کا نہایت دلچسپ واقعہ ہے۔ ''سیّد الثقلین'' کے زیرِ عنوان اس واقعے کی جھلک آپ کو آیندہ اوراق میں ملے گی جو جنّہ (مخلوق جنّ) کی تفصیل میں بیان ہوا ہے۔

چونکہ بات طبیعیات کے علم کے حوالے سے ہے اور واقعۂ معراج پر اس کی ضرب لگائی گئی ہے میں ایک حوالہ اور پیش کرتا ہوں کہ قرآنِ کریم کے کس کس واقعے کو عقلی دلایل سے رد کریں گے؟

سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ یہ واقعہ پندرھویں آیت: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا سے وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تک پھیلا ہوا ہے۔ کل تعداد آیات چالیس ہے۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے:

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے تحایف قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اس کے قاصد اسے واپس لے گئے اور سارا ماجرا اپنی ملکہ (بلقیس) سے کہہ سنایا۔ وہ سمجھ گئی کہ آپ علیہ السلام بادشاہ نہیں ہیں اور ان سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہے لیکن ایمان لانے سے قبل وہ آپ علیہ السلام کے احوال کا خود مشاہدہ کرنا چاہتی ہے چنانچہ شاہی تزک واحتشام کے ساتھ وہ (بلقیس) آپ علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئی۔ جب وہ قریب پہنچ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ اپنے ربّ کی قدرت کاملہ کا ایک بیّن ثبوت بلقیس کو دکھائیں اور اس پر یہ امر واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ (سلیمان علیہ السلام) کو کتنی عزت وکمال عطا کیا ہے کہ آپ علیہ السلام کے غلاموں میں ایسے باکمال موجود ہیں جو کرشمے دکھا سکتے ہیں چنانچہ

آپ علیہ السلام نے درباریوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"تم میں سے کون بلقیس کے شاہی تخت کو اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے لا سکتا ہے؟" جنوں میں سے ایک طاقتور جن اٹھا اور دست بستہ عرض کی کہ اگر اس خادم کو حکم ہو تو اس مجلس کے برخواست ہونے سے قبل اسے (تخت) یہاں پہنچا دوں۔ (اگر چہ وہ بڑا بھاری بھر کم ہے اور مسافت بھی پندرہ سو میل سے زیادہ ہے لیکن) میں قوی ہوں، ایسا کر سکتا ہوں اور امین ہوں۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ

لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کو اتنا انتظار گوارا نہیں تھا چنانچہ ایک اور آدمی کھڑا ہوا، اس نے مؤدبانہ عرض کی کہ اگر مجھے اجازت مرحمت فرمادی جائے تو آنکھ جھپکنے سے پہلے "قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ" تخت کو وہاں سے اٹھا کر آپ علیہ السلام کے قدموں میں لا کر رکھ دوں گا۔ آپ علیہ السلام نے اجازت مرحمت فرمائی اور جب آپ علیہ السلام نے آنکھ اٹھائی تو تخت وہاں موجود تھا۔

اس تذکرے میں قابلِ غور بات ایک اور بھی ہے، وہ یہ کہ عفریت یعنی طاقتور جن نے یہ خواہش ظاہر کی مگر آپ علیہ السلام نے ایک ایسے شخص کو اجازت مرحمت فرمائی جو انسانوں میں سے تھا اور کمال اس میں "علم کتاب" کی وجہ سے تھا جس کا ذکر قرآن نے اس طرح کیا: "قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ" (عرض کی اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا)۔ قرآنِ کریم میں اس آدمی کی جانب سے صرف اجازت طلب کرنا کافی تھا پھر کتاب سے اس کے تعلق کا ذکر کیوں فرمایا؟ یہ ہم بعد میں بتائیں گے۔ یہاں یہ بات، کہ پندرہ سو میل کا سفر جسدِ خاکی نے کیا اور جو چیز وہ لایا (تخت) وہ بھی مادی اشیاء سے بنی ہوئی تھی، قابلِ غور ہے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار کا ایک شخص، ان کا ادنیٰ غلام، علمِ طبیعی کے تمام قوانین، اصول وحدود کو توڑ کر جا سکتا ہے، آ سکتا ہے اور سامان لا سکتا ہے، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین سے افلاک کی بلندی پر اٹھائے جا سکتے ہیں تو جو

سیّد البشر ﷺ ہیں، وجہِ وجودِ کائنات اور محبوب ﷺ رب ہیں وہ کیوں کر جسدِ اطہر کے ساتھ معراج کا سفر نہیں کر سکتے؟ جو اعتراض سائنسی اور ریاضی کے اصول پر سفرِ معراج پر ہوتا ہے وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر بھی ہوتا ہے لیکن مستشرقین نے ضرب لگائی تو واقعہِ معراج پر کیونکہ انھیں قرآن کو، نعوذ باللہ، جھٹلانا تھا تاکہ وہ اپنی کتابوں، توریت اور انجیل، کے محرّف ہو جانے کا بدلہ لے سکیں۔ اگر وہ دیگر انبیائے بنی اسرائیل یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایسے اعتراض کرتے تو ان کا مذہبی تقدس مجروح ہوتا۔ اس نکتے کو ہمارے احباب نہ سمجھ سکے اور ان کے ہمنوا بن گئے اور خود ہی Law of Nature کے حوالے سے معراج کے جسمانی ہونے سے منکر ہو گئے۔

یہ سائنس اور ریاضی ایسے خشک مضامین ہیں جن کے حوالوں سے گفتگو لذتِ گفتار سے محروم ہو جاتی ہے، گویائی کا حسن چلا جاتا ہے اور قاری بہت جلد اکتا جاتا ہے۔ دیکھیے وہ فقیرانِ درِ دربارِ کرم، وہ گدایانِ کوچہِ رحمت، وہ عاشقانِ رسول ﷺ واقعہِ معراج کو جب دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو کیا کہتے ہیں:

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، درویشِ خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی، وہ کیا فرماتے ہیں:

شبِ معراج عروجِ تو ز افلاک گزشت
بہ مقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

اے اللہ کے حبیب ﷺ! آپ ﷺ کی بلندی مرتبہ تو افلاک کی بلندیوں سے بھی گزر گئی۔ آپ ﷺ اس مقام تک جا پہنچے جہاں کسی نبی علیہ السلام کو پہنچنے کا شرف حاصل نہ ہوا۔

فیضی زبانِ فارسی کا عظیم و بلند پایہ شاعر ہے۔ چھوٹی بحر میں بڑے لطیف خیال کو، دریا کو کوزے میں جیسے، بند کر دکھاتا ہے۔ یہاں بھی صرف دو مصرعوں میں دو علیحدہ علیحدہ مراتب کو کس خوبی کے ساتھ بتا رہا ہے:

خاکی و بَر اوجِ عرش منزل
اُمّی و کتاب خانہ دَر دل

اگر چہ آپ ﷺ بہ اعتبارِ جسم خاکی ہیں لیکن اپنی منزلت کے اعتبار سے عرش کی

بلندی آپ ﷺ کا مقام و منزل ہے۔ اگرچہ آپ ﷺ اپنے ظاہر میں امی ہیں لیکن آپ ﷺ کا دل ایک کتاب خانہ ہے کیوں کہ پہاڑ تو ریزہ ریزہ ہو جاتے اگر قرآن ان پر نازل ہوتا یہ تو قلبِ مصطفےٰ ﷺ تھا جو دنیا کی سب سے عظیم کتاب کو اپنے اندر جذب کر گیا۔ درود تــــاج کا نام تاج اس لیے رکھا گیا ہے کہ حضور ﷺ کے اسمائے صفاتی میں آپ ﷺ کا ایک نام الاکلیل ہے (بمعنی تاج)۔ آپ ﷺ انبیاء کے سر کا تاج ہیں۔ آپ ﷺ کے شرف اور علو کے سبب سے یہ نام ہے۔ تاج کا نام اکلیل رکھا گیا کہ کل سر کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ تحقیق امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو "المواہب اللدنیہ" میں اسمائے صفاتی کی بحث میں منقول ہے جسے زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح المواہب اللدنیہ میں پیش کیا ہے۔

گزشتہ اوراق میں زیرِ عنوان محمد ﷺ اسمائے مبارکہ کا ذکر تفصیل سے گزر چکا ہے لیکن اس موضوع پر مزید عالمانہ بحث اور تفصیل، جو بہت دلچسپ ہے، زیرِ عنوان "اسمہ مکتوب مرفوع مشفوع منقوش فی اللوح والقلم" پیش کی ہے۔ آپ کی نظر سے گزرے گی جو آپ کے ذوق مطالعہ کی تسکین و تشفی کا باعث ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ۔ المواہب اللدنیہ جلد دویم کے صفحہ ۲۱۳ پر امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کا ایک اسمِ شریف "صاحب التاج" ہے اور آپ ﷺ کی یہ صفت انجیل میں ہے۔ صاحب التاج سے مراد صاحبِ عمامہ ہے۔ بطریق استعارہ عمامے کو اس تاج سے تشبیہ دی گئی ہے جو "اکلیل" ہے۔ عرب عمامے سے زینت کیا کرتے تھے جیسے کہ عجم کے لوگ تاج سے۔

وَالْبُرَاقِ

نظر اٹھائی جو مرکب نے جانبِ راکب
ہوا ہے جتنا وہ نازاں، درود تــاج میں ہے

وَالبُراق

رکھا ہے زین روحِ امیں علیہ السلام نے براق پر
جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گنبدِ نیلی رواق پر

براق کی تعریف:

براق اس سواری کا نام ہے جس کا ذکر معراج شریف کے واقعے میں آتا ہے۔ قرآنِ کریم میں براق کا تذکرہ نہیں ہے۔ براق کے ہونے اور نہ ہونے کی بحث بھی تاریخ کا ایک حصہ ہے اور اس پر اعتراض بھی کیا گیا ہے کیوں کہ دنیا میں سب سے آسان کام اعتراض ہے، جب چاہا جہاں چاہا اور جس پر چاہا کر دیا، اب دلیل اور حجت کے لیے کچھ پاس ہو کہ نہ ہو۔ چونکہ قرآنِ کریم میں براق کا ذکر نہیں ہے اس لیے کتبِ احادیث، تاریخ اور سیرت کی کتابوں سے ہی اس پر تحقیق کی جا سکتی ہے۔ اس مرکبِ ہمایوں کی تصدیق کے لیے ایک ہی واقعہ ایسا ہے جو حجت ہے اس کے وجود پر۔

علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت کی کتاب "انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون" میں، جو سیرت حلبیہ کے نام سے بھی مشہور ہے، مستند حوالوں کے ساتھ اس واقعے کو پیش کیا ہے، لکھتے ہیں:

نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ گرامی جب ہرقل، قیصرِ روم کو ملا وہ اس وقت ایلیا میں تھا۔ اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ شہر میں تلاش کرو اگر مکّے کا کوئی باشندہ یہاں آیا ہوا ہو تو اسے میرے پاس پیش کرو۔ اتفاق سے ابوسفیان، جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا، اپنے تجارتی کارواں کے ہمراہ یہاں آیا ہوا تھا۔ اسے اس کے ساتھیوں سمیت قیصر کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ قیصر نے ان لوگوں سے پوچھا: مکّے کے جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم میں سے اس کا قریبی رشتے دار کون ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ میں ان صلی اللہ علیہ وسلم

کا سب سے قریبی رشتے دار ہوں۔ قیصر نے ابوسفیان کو اپنے سامنے بٹھایا اور حضور ﷺ کے بارے میں سوالات کرنا شروع کر دیے۔ باتوں باتوں میں موقع پا کر ابوسفیان کہنے لگا: اے بادشاہ! کیا میں تمھیں ایک ایسی بات بتاؤں جس سے تمھیں پتا چل جائے کہ وہ ﷺ شخص جھوٹا (العیاذ باللہ) ہے۔ قیصر نے کہا بتاؤ: اس نے (ابوسفیان نے) کہا: وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ایک رات حرم مکّہ میں مکّہ کی سرزمین سے روانہ ہو کر یہاں تمھاری اس مسجد میں آیا اور یہاں سے ہو کر اسی رات مکّہ واپس پہنچ گیا۔ ابوسفیان کا تو یہ خیال تھا کہ اس بات کو سن کر قیصر حضور ﷺ کو جھوٹا سمجھنے لگے گا اور آپ ﷺ سے متنفر ہو جائے گا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ یہ بات سن کر پادریوں کا ایک سردار اٹھا اور کہنے لگا کہ میں اس رات کو پہچانتا ہوں جب وہ (حضور ﷺ) یہاں آئے۔ قیصر نے پوچھا: تمھیں کیسے اس کا پتا چلا؟ بطریق بولا: میرا معمول تھا کہ سونے سے پہلے میں مسجد کے تمام دروازے بند کر کے سویا کرتا تھا۔ اس رات بھی میں نے سارے دروازے بند کر دیے لیکن ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا۔ میں نے سب حاضرین کو بلایا تاکہ سب مل کر اس دروازے کو بند کر سکیں۔ ہم نے مل کر زور لگایا لیکن ہم اسے بند نہ کر سکے، آخر یہ طے پایا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا، شاید ساری عمارت کا بوجھ اس ایک دروازے پر آ پڑا ہے، آج رات اسے یوں ہی رہنے دو، صبح کسی معمار کو بلا کر دیکھیں گے اور اسے درست کرائیں گے۔ ہم سب چلے گئے۔ صبح سویرے جاگ کر میں اس دروازے کی جگہ پر پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ دروازے کے ایک کونے میں جو پتھر تھا اس میں تازہ تازہ کسی نے سوراخ کر دیا تھا۔ وہاں ایک چوپائے کے بندھنے کے نشان بھی تھے۔ میں نے جب کواڑ بند کیے تو آسانی سے بند ہو گئے۔ اس سے مجھے اُس بات کی تصدیق ہوئی، جو میں نے قدیم کتابوں میں پڑھی تھی، کہ ایک نبی ﷺ بیت المقدس سے آسمان کی جانب عروج فرمائے گا۔

("انسان العیون" جلد اول، ص ۳۵۳)

سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "سیرت النبی ﷺ" جلد سویم میں اس واقعے پر روشنی ڈالی ہے۔ تین حوالوں سے براق کا ذکر کیا ہے۔ مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ، ترمذی شریف اور ابنِ جریر طبری لکھتے ہیں: جب آپ ﷺ نے براق پر سوار

ہونے کا قصد کیا تو براق نے شوخی کی، جبریل علیہ السلام نے کہا: کیوں شوخی کرتا ہے؟ تیری پشت پر آج تک محمد ﷺ سے زیادہ خدا کے نزدیک برگزیدہ کوئی دوسرا سوار نہیں ہوا۔ یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا۔

سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخصوص طرزِ بیان میں خوبصورت جملوں میں اس واقعے کو اس طرح لکھا ہے:

"الغرض جب اسلام کی سخت اور پُرخطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا اور ہجرت کے بعد سے اطمینان وسکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا تو وہ شبِ مبارک آئی اور اس شبِ مبارک میں وہ ساعتِ ہمایونی آئی جو دیوانِ قضاء میں سرورِ عالم ﷺ کی سیرِ ملکوت کے لیے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہِ ربانی سے احکامِ خاص کا اجراء اور نفاذِ عمل میں آنے والا تھا۔ رضوانِ جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے کہ شاہدِ عالم آج یہاں مہمان بن کر آئے گا۔ روح الامین علیہ السلام کو پیغام پہنچا کہ وہ سواری، جو بجلی سے تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطۂ لاہوت کے مسافروں کے لیے مخصوص ہے، حرم ابراہیم (کعبہ) میں لے کر حاضر ہو۔

"کارکنانِ عناصر کو حکم ہوا کہ مملکتِ آب و خاک کے تمام مادی احکام وقوانین تھوڑی دیر کے لیے معطل کر دیے جائیں اور زمان و مکان، سفر و اقامت، رویت وسماعت، تخاطب و کلام کی تمام پابندیوں کو اٹھا دیا جائے۔"

("سیرت النبی ﷺ" جلد سویم، ۴۰۶)

علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے "انسان العیون" میں جس طرح اس واقعے کی تصدیق فرمائی ہے اسے اب تک کوئی دروغ یا خلاف واقعہ ثابت نہیں کر سکا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ براق کے متعلق بھی تحقیق کا سلسلہ قایم ہوتا، کیونکہ واقعۂ معراج سے اس کا تعلق ہے۔ جہاں واقعۂ معراج پر شدّ ومد سے اعتراضات ہوئے براق پر بھی کیے جا سکتے تھے۔ سیرت کی تمام کتابوں کا میں نے مطالعہ کیا کہ کہیں کوئی نئی بات مل جائے لیکن ہر کتاب سیرت میں

ایک ہی طرز کا بیان ملتا ہے اور کہیں کہیں تو نہایت اختصار کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک آدھ جملے پر ہی اکتفا کیا ہے۔

حضور ﷺ ایک رات خانۂ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبریلِ امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور خواب سے بیدار کیا اور ارادہ خداوندی سے آگاہی بخشی۔ حضور ﷺ اٹھے، چاہ زمزم کے قریب لائے گئے، سینۂ مبارک کو چاک کیا گیا، قلبِ اطہر میں ایمان وحکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا گیا، پھر سینۂ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ حضور ﷺ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور جس حلقے سے انبیاء علیہم السلام کی سواریوں کو باندھا جاتا براق کو باندھ دیا گیا۔ حضور ﷺ مسجدِ اقصیٰ میں تشریف لے گئے جہاں جملہ سابقین انبیاء علیہم السلام حضور ﷺ کے لیے چشم براہ تھے۔ حضور ﷺ کی اقتدا میں سب نے نماز ادا کی۔ اس طرح ارواحِ انبیاء علیہم السلام سے روزِ ازل جو وعدہ لیا گیا تھا، کہ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران : آیت ۸۱) تم میرے محبوب ﷺ پر ضرور ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا، کی تکمیل ہوئی۔ ازاں بعد مرکبِ ہمایوں بلندیوں کی طرف پر کشا ہوا۔ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ یہاں ختم ہوا۔

امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس منظر کو اس طرح اپنے شعر میں پیش کیا اور بہت خوب کیا:

آپ ﷺ بالائے براق آتے ہیں اور روحِ امیں علیہ السلام
بوسہ دیتے ہوئے بالائے قدم آتے ہیں

وَالعَلَم

وہ روزِ حشر ، وہ دستِ نبی ﷺ ، لواءُ الحمد
کرم جو ہوگا پھر ارزاں، درود تاج میں ہے

وَالعَلَمِ

ترمذی شریف کی حدیث اور مناقبِ رسول ﷺ:

فخرِ کون و مکان، رحمتِ عالم و عالمیان، وجہِ وجودِ کائنات، باعثِ ایجادِ کل، شبِ الست کا بدرالدجی، صبحِ کائنات کا شمس الضحٰی، سیّدِ اولادِ آدم ﷺ کی زبانِ گہر بار نے اپنا قصیدہ یوں سنایا:

> قیامت کے دن میں پیغمبروں کا نمائندہ اور امام اور ان کی شفاعت کا پیرو کار ہوں گا اور اس پر فخر نہیں۔ اور میرے ہی ہاتھ میں ''لواء الحمد'' (علم) ہوگا اور اس پر فخر نہیں۔ اور قیامت کے دن آدم علیہ السلام اور تمام پیغمبر علیہم السلام میرے علم کے نیچے ہوں گے اور اس پر فخر نہیں۔ اور سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر آؤں گا۔ لوگ قبروں سے جب اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلا اٹھنے والا میں ہوں گا۔ جب وہ (لوگ) خدا کے سامنے حاضر ہوں گے تو ان کی طرف سے بولنے والا میں ہوں گا۔ جب وہ ناامید ہوں گے تو ان کو خوشخبری سنانے والا میں ہوں گا۔ اس دن خدا کی حمد کا علم میرے ہاتھوں میں ہوگا۔

(ترمذی شریف، مناقب نبوی ﷺ)

اس حدیثِ مبارکہ میں واضح طور پر لواء الحمد کا ذکر شاہکارِ موقلمِ کبریا کی زبان سے ہو رہا ہے۔ اس تاجدارِ سلطنتِ دوسرا اور شہریارِ مملکتِ انبیاء علیہم السلام کی بلندی درجات

کے جتنے بھی اعلیٰ وارفع مقامات شمار کرائے گئے، اگرچہ ان کا شمار ممکنات سے نہیں، ان تمام میں روزِ محشر لواء الحمد مظہرِ جمالِ خدا کے ہاتھ میں ہوگا۔ یہ وہ مرتبہ اعلیٰ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس روز اسی علم کے نیچے ہوں گے۔

یہ قرآنِ کریم ہی ہے جس میں مختلف مقامات پر مختلف انداز میں مالک و مختار مطلق، خالقِ ارض و سماء، حریمِ غیب کے پردہ کشا کے لیے اہلِ جہاں کو بتا رہا ہے کہ جو اس کا محبوب ﷺ ہے وہ افتخارِ مسندِ مجد و علا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے عہد اسی کے لیے لیا اور گواہی میں خود کو شامل کیا۔ مسجدِ اقصیٰ میں صفِ پیشینیاں میں پیش سردار ساجدین کو رکھا۔ سورہ کوثر اتاری۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى بھیجی۔ کبھی غمگین دیکھنا گوارہ نہ کیا۔ پھر لنریہ من 'ایتنا فرما کر اپنی نشانیاں دکھائیں۔ پھر لحہ بہ لحہ درجات کی بلند سے بلند منزلوں سے دانائے کامل کو گزارا۔ یہاں ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى کی منزل آئی جہاں سے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کا مقام عطا ہوا۔ جو کسی کو نہ ہوا وہ انھی کا نصیب ہوا، جو کسی کو نہ ملا وہ انھیں ملا۔ انتہائی قرب اور ہم کلامی۔ نہ فکرِ انسانی وہاں تک پہنچ سکتی ہے نہ تصور اس مقام تک لے جاتا ہے جو مالکِ بزمِ کون و مکاں نے صاحبِ لولاک لما کے لیے فرمایا: فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى۔

سرِ عرش پر ہے تری گزر، دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

لواءُ الحمد کی شان:

اور پھر ترمذی شریف کی اس حدیث کی طرف واپس آجایئے جہاں لواءُ الحمد کا ذکر فرمایا گیا۔ دارمی، مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ہے جس میں سرورِ کشورِ رسالت ﷺ نے فرمایا:

اذا ینسوا الکرامة والمفاتیح یومئذ بیدی ولواء الحمد یومئذ بیدی

(دارمی، مشکوٰۃ شریف، ص ۵۱۴)

ترجمہ: قیامت کے دن جب لوگ مایوس ہوں گے عزت و کرامت کی کنجیاں

میرے ہاتھ میں ہوں گی اور حمد کا جھنڈا بھی اس دن میرے ہاتھ ہی ہوگا۔

روزِ محشر، وہ یومِ حساب کہ جس کے تصور سے بڑے سے بڑے عابد و زاہد، متقی و شب زندہ داروں کے بدن میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے، جس روز کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا، وہ ایسے امتحان کا دن ہوگا جس دن لوگ خدا سے التجا کریں گے کہ ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ ہم جو نہ کر سکے اب جا کر وہ کریں، لیکن اس روز کسی کی نہ سنی جائے گی اور اس لیے وہ دن مختص ہوگا شنوائی کے لیے اپنے محبوب ﷺ کی زبان سے جو عرش کے سایے میں جلوہ فرما ہوگا اور تمام نیک و بد، اولیاء و اصفیاء، صدیقین و شہداء، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و انبیاء علیہم السلام اس علم کے گرد جمع ہوں گے جو عالمِ ظہور کے فرماں رواء اور حریمِ غیب کے پردہ کشا کے ہاتھ میں ہوگا۔ وہی اس روز دوزخ سے نجات کا ذریعہ اور بخشش کا سہارا ہوگا۔ اور کیوں نہ ان کے دستِ اقدس کو لواء الحمد مرحمت فرمایا جاتا کہ آپ ﷺ نے مکّے کی سرزمین پر توحید کا جو علم بلند کیا اسے قیامت تک سرنگوں نہ ہونا تھا، جس کی سربلندی کے لیے بدر کے میدان سے لے کر میدانِ کربلا تک رگِ جاں کا خون شامل رہا، اسی بہتے خون کے لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

تا قیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد

یعنی اس کے خون کی بوند نے قیامت تک کے لیے استبداد کا راستہ منقطع کر دیا۔ یہی وہ خون ہے جو کبھی طائف میں، کبھی کربلا میں بہا اور جس کی موج سے ایک ایسا چمن ایجاد ہوا کہ قیامت تک خزاں اس کے قریب سے نہ گزرے گی۔ انشاء اللہ!

دافع البلاء

بلا کو پھر نہ ملا ٹھیرنے کو کوئی مکاں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وہ احساں درود تاج میں ہے

دافِعِ البلاء

کاشفِ سرِ ازل کی بارگاہ کے آداب:

کاشفِ سرِ ازل، پردہ کشائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرستادہ تمام انبیاء ومرسلین میں جو مقام ارفع واعلیٰ عطا فرمایا اس پر صاحبانِ تحقیق نے جو کچھ لکھا وہ بصد ادب و احترام لکھا۔ ادب واحترام کا مقصد صرف یہی نہیں کہ مناسب الفاظ میں تحریر ڈوبی ہو بلکہ ادب واحترام کا مقصد یہاں اس طرح ہے کہ جو بات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں صداقت سے دور ہوگی اس کے راوی کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ محدثین نے واقعات کی چھان بین اور روایتوں کی تصدیق حد درجہ احتیاط سے کی ہے۔ یہ احتیاط، ادب واحترام کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ تحریر و تحقیق میں اس ادب واحترام، بالفاظ دیگر اس احتیاط کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ اگر روایت غلط بیانی کی اور احتیاط سے کام نہ لیا اور مستشرقین کو مخالفت کا مواد ہاتھ آ گیا تو پھر وہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیغام کا مذاق اڑانے میں دیر نہیں لگائیں گے۔

دافعِ البلاء کے ضمن میں جو احادیث اور مستند اقوال، اگر وہ شکوک وشبہات سے بالاتر ہیں، تو کھلے دل سے ان کا اعتراف کرنا ہوگا، انکار سے بحث کے دروازے کھلیں گے۔ یہی ہماری تاریخ کا وہ حصہ ہے جب صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے آیاتِ ربانی پیش فرمائیں اور بت پرستی چھوڑ کر توحید کی راہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ اگرچہ یہ آیاتِ بینات تمام شکوک سے بالاتر تھیں لیکن ہوا یہ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور علی کرم اللہ وجہہٗ نے دل سے قبول کرلیا، ابوجہل، شیبہ، ابوسفیان اور عتبہ نے اس کی حقانیت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔۔۔ تو کیا ان کا انکار کردینا کوئی وزن رکھتا تھا؟

بعض صاحبانِ ایمان معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمانِ کامل رکھتے ہیں، ایسا ایمان جو ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہو لیکن بعض انھی معجزات کو جادو کہتے ہیں، جیسا کہ عہدِ رسالت میں ہوا، اور پھر قرآن میں ان باطل تصورات کے خلاف آیات کا نزول ہوا۔ بات ساری ایمانِ کامل کی ہے۔

دافعِ البلاء کی تفسیر سے پہلے ان کلمات کا پیش کرنا بھی ضروری تھا کیونکہ معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین اور شک دو مختلف ومتضاد تسلیمی وانکاری کیفیات کا نام ہے: وہ دافعِ البلاء ہیں، وہ دافعِ البلاء نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو کھوٹے اور کھرے، حق اور باطل میں تمیز کرنے کی خوبی اور صلاحیت بخشتا ہے انھی کو اس کا فیض پہنچتا ہے۔ پانی اپنی شکل میں صاف اور شفاف ہوتا ہے لیکن ایسا نظر آنے کے بعد وہی میٹھا بھی ہوتا ہے اور وہی نمکین بھی۔ سونا جب تک کسوٹی پر نہ رکھا جائے سونا نظر آتا ہے، کھرا یا کھوٹا معلوم نہیں ہوتا۔ خدا نے جس کی روح میں کسوٹی رکھ دی ہے وہ یقین اور شک میں تمیز کر لیتا ہے۔ جب دل بیماری سے پاک ہو تو وہ صدق اور کذب کے ذائقے کو جان لیتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ معجزہ غیر ذی روح اشیاء پر، مثلاً: چاند کا شق ہو جانا، جب اثر کرتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ روحِ انسانی کو متاثر کرنا ہوتا ہے، مقصود یہ ہوتا ہے کہ روحِ انسانی اثر پذیر ہو، اب روحِ انسانی میں جیسی روح ہو۔ معجزہ کی مثال دریا کی سی سمجھ لیں اور روحِ ناقص کو خشکی کا پرندہ تصور کریں، جب یہ خشکی کا پرندہ دریا میں جائے گا تو ڈوبنا اس کا مقدر بنے گا، اس کے مقابل روحِ کامل آبی پرندہ ہے، وہ موت سے بے پروا ہوتے ہوئے دریا کی موج اور آبِ رواں کا دوست ہوگا۔ مچھلی کا تو یہ عالم ہے کہ اگر وہ دریا کو چھوڑ کر خشکی پر آ جائے تو تڑپ تڑپ کر جان دے دے۔

مخلوق کی حاجت روائی کا ذریعہ:

دافعِ البلاء کے ضمن میں عرض کرتا ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس بندے سے مخلوق کی حاجت روائی کا کام لیتا ہے۔ جب وہ کسی ایک بندے سے اس کے ہی جیسے بہت سے بندوں کی حاجت روائی کا کام لیتا ہے تو

جس کو ساری کائنات کے لیے اپنے اذنِ خاص سے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا اس کے لیے بلاؤں کا، وباؤں کا، قحط کا، مرض کا یا رنج والم کا دور کر دینا کیا کوئی مشکل بات ہے؟ (رحمت کا مفہوم کیا ہے اور اس لفظ کے مفہوم میں کتنی وسعت ہے، یہ زیرِ عنوان رحمت للعالمین میں ملاحظہ فرمائیے گا۔)

اب یہ بات کہ کیا بندہ حاجت روا ہو سکتا ہے؟ تو قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سند پیش کرتا ہوں، فرمایا رحمتِ دو جہاں، حامیِ بیکساں صلی اللہ علیہ وسلم نے:

اذا اراد اللہ، بعبد خیرا استعملہ علیٰ قضاء حوائج الناس

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس سے مخلوق کی حاجت روائی کا کام لیتا ہے۔ (بیہقی فی الشعب عن ابی عمر رضی اللہ عنہ)

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بندہ بندوں کی حاجت روائی بحکمِ ربی کرتا ہے۔ ضرورت اس بات کی نہیں، کہ اللہ عام بندے کے مقابل نبی کو کیا کچھ دیتا ہے، اس پر احادیث پیش کی جائیں ورنہ ایک دفتر پیش کیا جا سکتا ہے۔ محدّث کبیر حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اختیاراتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "الامن والعلیٰ" میں ان تمام احادیث کو یکجا فرما دیا ہے جو قابلِ مطالعہ ہیں۔

بلاء کا مفہوم جن، بھوت، پریت یا آسیب ہی نہیں بلکہ مصائب کو بھی بلاء ہی کہا جاتا ہے۔ کرب وبلاء کا مفہوم آپ کیا لیتے ہیں؟ وہ مصیبت جیسے آگ، جو انسان کو یا کسی بھی شے کو جلا دیتی ہے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کا واقعہ:

وہ مصائب، جن کا ذکر قرآنی آیات میں بھی آیا ہو، ان تمام کو بلاء ہی کہا جائے گا، مثلاً: ایک واقعہ، جسے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن میمون نے فرمایا، کہ جب مشرکینِ مکہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کو آگ میں ڈال دینا چاہا تو تیار تھے کہ انھیں آگ میں پھینک دیتے، اتنے میں وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا صلی اللہ علیہ وسلم آ گیا، اپنا دستِ کرم حضرت

عمار رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھ دیا اور دُعا فرمائی:

یا نار کونی بردا و سلما علیٰ عمار کما کنت علیٰ ابراھیم تقتلک الفئة الباغیة۔ (او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

فرمایا: اے آگ عمار رضی اللہ عنہ پر ٹھنڈی ہو جا جیسے کہ تو ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی۔ اے عمار رضی اللہ عنہ! تیرے مرنے کا یہ وقت نہیں بلکہ باغیوں کا ایک گروہ تجھے قتل کرے گا۔

(طبقات ابنِ سعد، کنز العمال، خصائص الکبریٰ جلد دوئم ص ۸۰، زرقانی جلد پنجم ص ۱۹۳)

آپ کا فرمان سن کر آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ بعد ازاں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر نے شامی باغیوں کے ہاتھوں شہادت پائی اور واقفِ اسرارِ کون و مکاں کی پیش گوئی پوری ہوئی۔

قانونِ قدرت کی بحث ابتدا میں گزر چکی ہے، اس فلسفے کے پیروکار اس واقعے پر غور کریں کہ آگ کا فطری عمل جلانا ہے، اگر کوئی آگ کی خوشامد کرے تو کیا وہ جلانا چھوڑ دے گی؟ وہ اپنی فطرت کو بدلنے پر قدرت نہیں رکھتی لیکن اہلِ ایمان کا عقیدہ یہ ہے کہ آگ مخلوق ہے جس کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس میں جلانے کی تاثیر بھی اسی نے بخشی ہے۔ جو خدا اس کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اس کی صفت (جلانا) کو مٹا دینے کی بھی طاقت رکھتا ہے۔ نمرود نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یہی کیا تھا لیکن آگ نے وہاں بھی وہی کیا جو اس کے خالق نے اس وقت چاہا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر دعوت کا واقعہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر پر ایک دعوت میں جس دسترخوان پر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھایا اور جس رومال سے ہاتھ پونچھے تھے وہ دسترخوان اور رومال آگ میں ڈالے گئے اور وہ نہ جلے، اس واقعے کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے خوبصورت اشعار میں پیش کیا ہے اور نتیجہ بھی خوب نکالا:

اے دل ترسندہ از نار عذاب
با چناں دست و لب کن اقتراب

چوں جمادے را چنیں تشریف داد
جانِ عاشق را چہا خواہد کشاد

ترجمہ: اے وہ دل، جس کو نارِ جہنم یعنی عذاب دوزخ کا ڈر ہے، ان پیارے پیارے ہونٹوں اور مقدس ہاتھوں سے نزدیکی کیوں نہیں حاصل کر لیتا جب کہ بے جان چیز نے دسترخوان کو ایسی فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی کہ وہ آگ میں نہ جلے تو جو ان کے عاشقِ صادق اور بندہ بارگاہ بیکس پناہ ہیں ان پر جہنم کیوں نہ حرام ہو۔

بلاء کا مفہوم اور الخصائص الکبریٰ کا حوالہ:

بلاء کا مفہوم، جیسا کہ آغاز میں بیان کر چکا ہوں، صرف جن اور بھوت پریت کا ہی نہیں ہے، لیکن دافعِ بلاء پر شدید اعتراض کرنے والوں کو یہ گمان نہ ہو کہ بلاء کے معنی جو اصل ہیں اسے تبدیل کر دیا گیا اور نئے معنی پہنا کر ان کا جواب دیا جا رہا ہے تو یہاں ان کے بنیادی اعتراض کا جواب دیتا ہوں اور بلاء کا جو محدود تصور وہ اپنے ذہن میں رکھتے ہیں ان کے لیے یہ جواب کافی ہوگا ورنہ اگر دل تمیزِ حق و باطل سے محروم ہے تو ایک نہیں ستر امثال بھی ان کی تسلی نہیں کر سکتیں۔

"حضرت ام جندب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ کے مقام پر دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمرۃ العقبیٰ کے پاس ارکانِ رمی ادا فرما رہے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا تھا، واپس تشریف لائے ایک خاتون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس کے ہمراہ اس کا بیٹا تھا جو آسیب زدہ تھا۔ اس کی ماں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس لڑکے پر بلاء مسلط ہوگئی ہے، کہ یہ بات ہی نہیں کر سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا کہ پانی لاؤ۔ وہ ایک برتن میں پانی لے آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (عورت) سے پانی لے کر اس برتن میں کلی فرمائی اور دُعا بھی فرمائی اور (پانی) اسے دے کر فرمایا: یہ پانی اس لڑکے کو پلاؤ اور اس پانی میں اسے غسل دو۔ اُم جندب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب وہ عورت چلی گئی تو میں بھی اس کے پیچھے گئی اور اس عورت سے کہا کہ

اس میں سے تھوڑا پانی مجھے بھی دے دے۔ اس عورت نے کہا: لے لو۔ میں نے وہ لے کر اپنے بیٹے عبداللہ کو پلا دیا تو ماشاء اللہ وہ زندہ رہا اور بہت نیک بخت ہوا۔ پھر میں اس عورت سے ملی تو معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا اچھا ہوگیا تھا اور اپنے ہم عمر لڑکوں میں ایسا ہوگیا کہ اس سے بہتر کوئی لڑکا نہیں تھا۔ وہ عقل و فراست میں اوروں سے بڑھ گیا تھا۔"

(تفسیرِ بیہقی، احمد، خصائصِ کبریٰ جلد دوم، ص ۳۸)

دُنیا والوں پر عذاب الٰہی سے بڑھ کر اور کوئی بلاء نہیں ہے کیونکہ جب یہ آتا ہے تو انبیاء علیہم السلام سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اب آپ علیحدہ ہو جائیں۔ اس کی کئی مثالیں قرآنِ کریم میں موجود ہیں کہ جب بھی عذاب آیا کوئی بچانے والا نہ تھا۔ اب اگر کوئی قوم اپنے بداعمال کے نتیجے میں عذاب کی مستحق ہو جائے تو عذاب آنا یقینی ہے لیکن اس رحمت للعالمین کا یہ معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ان پر عذاب نازل نہیں فرماتا حالانکہ جن اُمتوں پر عذاب اُترا نبیوں سے فرمایا گیا کہ آپ اس شہر سے باہر نکل جائیں لیکن یہاں فرماتا ہے:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کافروں پر عذاب نہ فرمائے گا جب تک اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔

آپ نے غور فرمایا اس آیت کے مفہوم پر کہ کافروں پر بھی عذاب روک دیا گیا صرف اس لیے کہ اس کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف فرما ہے۔ جو ذات صلی اللہ علیہ وسلم کفار پر عذاب کو ٹالنے والی ہے ایمان والوں کے لیے اللہ تعالیٰ ان کے طفیل کیا کچھ نہ ٹالے گا؟ بلاء کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں، یہ تو ان کے اولیاء اللہ بھی دور کر دیتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں نے یہ کام کیا ہے اور آفتوں اور بلاؤں کو ٹالا ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان امرأة جاء ت بابن لها الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فقالت یا رسول اللہ ان ابنی بہ جنون و انہ لیاخذہ عند غدائنا و عشا ئنا فمسح رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم صدرہ فثعّ ثعّة و خرج من جوفہ مثل الجر والاسود یسعی۔

ترجمہ: ایک عورت اپنے لڑکے کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس بیٹے کو جن چمٹا ہوا ہے اور اسے صبح و شام پریشان کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا، اسے فی الفور قے شروع ہوگئی اور اس کے پیٹ سے کالے پلّے جیسی ایک چیز نکلی جو اِدھر اُدھر دوڑتی پھرتی تھی۔

(دارمی، مشکوٰۃ شریف، شفا شریف ص ۲۱۴ جلد پہلی، زرقانی علی المواہب جلد پنجم، ص ۱۸۵)

اس ضمن میں متواتر احادیث ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ فیض رساں سے لوگوں کو فیض پہنچا اور بلاؤں کا رد ہوا۔ ان احادیثِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے اپنے لیے قاسمِ نعمت کے الفاظ کہے اور اپنے اختیارات کا اعلان بھی کبھی کبھی فرمایا۔ آئندہ اوراق میں جہاں ضرورت ہوگی قرآنِ کریم کی آیات اور احادیث پیش کی جائیں گی، انشاء اللہ!

کیا دافعِ البلاء کہنا شرک ہے، بدعت ہے؟

یہ شرک و بدعت کی بحث بہت طویل ہے۔ اس عقیدہ فاسدہ اور نظریہ فسادیہ کی مکمل بیخ کنی امام اہلِ سنت الشاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت تفصیل کے ساتھ مستند احادیث اور آیات کے حوالوں سے مختلف تصانیف میں رقم فرما دی ہے اور میں دعوے سے یہ بات سپردِ قلم کر رہا ہوں کہ اگر ان تصانیف کا صرف ایک بار مطالعہ کر لیا جائے تو تمام شکوک و شبہاتِ شرک و بدعت کا غبار چھٹ جائے گا اور تمام عقیدہ فاسدہ کے داغ سے حضور دافعِ البلاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب کا دامن صاف نظر آئے گا۔ ناچیز نے اس تصنیف کے مقدمے میں بھی اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ جن لوگوں کو درود تاج سے والہانہ محبت اور عقیدت ہے وہ دیگر کتب کے مطالعے سے گریز کرتے ہیں۔ جب آپ ایسی کتب کے مطالعے سے محروم رہیں گے، جن میں آپ کے عقائد پر اعتراض کے مدلل جواب دیے گئے ہیں، تو آپ کی سادہ دلی ان اعتراضات کا شکار ہو جائے گی۔ اس ناچیز سے کئی حضرات نے دافعِ البلاء پر بار بار استفسار کیا کہ ان لفظوں پر اعتراض کی بوچھاڑ ہوتی ہے اور اسے شرک کہا جاتا ہے۔

یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آپ نے اعتراض سنا، اس کے جواب تک نہ پہنچے اور اپنی متاعِ ایمان لٹا بیٹھے، چنانچہ درود تاج کی تشریح میں دافعِ البلاء کا موضوع بہت اہم قرار دے کر اسے تفصیل سے بیان کر رہا ہوں۔

یہ بات حیرت واستعجاب کا سبب ہے کہ ان معترضین نے یہ کیسے تصور کر لیا کہ جو چیز اللہ کی قدرت میں ہے اسے غیر کے لیے بعطائے الٰہی ماننا شرک ہو گیا؟ آیئے پہلے اس بات کو خود اچھی طرح آپ (قاری صاحبان) سمجھ لیجیے جسے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جملے میں بہ آسانی سمجھا دیا ہے۔ ایک حقیقتِ ذاتیہ ہے اور ایک حقیقت عطائیہ، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

نسبت واسناد کی دو قسم ہے: حقیقی کی سند الیہ حقیقتاً سے متصف ہو اور مجازی کی کسی علاقہ سے غیر متصف کی طرف نسبت کر دیں جیسے نہر کو جاری یا جالس کہتے ہیں اور سفینے کو متحرک کہتے ہیں حالانکہ حقیقتاً آب وکشتی جاری ومتحرک ہیں۔

پھر حقیقی بھی دو قسم ہیں: ذاتی، کہ خود اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو اور عطائی کہ دوسرے نے اسے حقیقتاً متصف کر دیا ہو خواہ وہ دوسرا خود بھی اس وصف سے متصف ہو (یہ بحث طویل ہے، آگے چل کر فرماتے ہیں)، یعنی حقیقتِ ذاتیہ یہ ہے کہ وہ کسی کی عطا کے بغیر اپنی ذات سے عالم ہے، جیسا کہ وہ اپنے نفسِ کریم کو "عالم" کہتا ہے اور حقیقتِ عطائیہ یہ ہے کہ قرآن میں، جیسا کہ وارد ہوا، انبیائے کرام کے ضمن میں اولو العلم و علموا بنی اسرائیل یعنی لفظ علیم انبیاء علیہم السلام کی نسبت وارد ہوا تو یہ حقیقتِ عطائیہ ہوئی۔ وہ لوگ سخت احمق ہیں جو ان اطلاقات میں فرق نہ کر سکیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "الامن والعلیٰ" میں یہ حوالہ پیش فرماتے ہیں:

"امام، علامہ، سیّدی، تقی الملۃ والدین علی بن عبد الکافی سبکی قدس سرہ الملکی، جن کی امامت وجلالت محلِ خلاف وشبہات نہیں، یہاں تک کہ میاں نذیر حسین دہلوی اپنے ایک مہری مصدق فتوے میں انھیں بالاتفاق امام مجتہد مانتے ہیں، کتاب مستطاب "شفاء السقام شریف" میں فرماتے ہیں:

لیس المراد نسبۃ النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم الی الخلق و الاستقلال بالافعال ھذا لا یقصدہ مسلم فصرف الکلام الیہ و

منعہ من باب التلبیس فی الدین و التشویش علیٰ عوام الموحدین۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خالق وفاعلِ مستقل ہیں۔ یہ تو کوئی مسلمان ارادہ نہیں کرتا تو اس معنی پر کلام کو ڈھالنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کو منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔

تقی الملت کے ان کلمات پر خوش ہو کر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

صدقت یا سیّدی جزاک اللہ عن الاسلام و المسلمین خیراً آمین۔

ان کلمات نے افکارِ شرک کی تمام عمارت کو مسمار کر دیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ایک نظر "الامن و العلیٰ" کا مطالعہ کریں اور علمائے حق سے مزید اپنے مطالعے کے لیے رہنمائی حاصل کریں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کی حیرت کی انتہا نہ رہے گی جب آپ کے علم میں یہ بات آئے گی کہ ان کے (معترضین کے) پیشوا اور "صراطِ مستقیم" کے مصنف نے چھ سو سال کے تمام علماء کو کافر قرار دے دیا ہے، پھر اسی کتاب کے مطالعہ سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ انھی کے بعض جید علماء و پیشوا نے حضور دافعِ البلاء صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے نہیں بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مدد مانگنے اور مشکلات کے حل کے طریقے سکھائے ہیں۔ اسی کتاب سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ حضور رحمتِ عالم ودافعِ البلاء کو اللہ نے اس قدر اختیار عطا فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس شرع کے حکم سے جس کو چاہتے مستثنیٰ فرما دیتے۔

آپ کی نظر سے اس کتاب کے آغاز میں حضرت قبلہ مولانا عبد السبحان قادری کا تبصرہ گزرا ہو گا جس میں حضرت علامہ نے ان حضرات کے ان بزرگوں کی تحریروں کا حوالہ دیا ہے، جنھوں نے درود تاج کا بطور وظیفہ ورد کرنے کی اجازت دی البتہ اتنا اضافہ کیا کہ اس میں دافعِ البلاء، والوباء، والقحط، والمرض، والالم کو درود شریف میں کسی جانب سے اضافہ قرار دے کر پڑھنے سے منع کیا ہے، گویا درود تاج کے دیگر القابات سے تعرض نہیں، جو ہے وہ

دافعِ البلاء سے ہے اور وہ بھی ان کی اپنی کم علمی کا نتیجہ ہے جسے اس فقیر نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ مزید حوالے حضور دافع البلاء کے ان واقعات سے پیشِ خدمت ہیں جو دافع البلاء، وباء، قحط، مرض اور الم سے متعلق ہیں۔ اتنی بات یاد رکھنی چاہیے کہ جو دل بیماری سے پاک نہ ہو وہ صدق اور کذب کے ذایقے کو نہیں جانتا اور اپنے ربّ کے حضور یہ دُعا مانگتے رہیں کہ حق و باطل کی تمیز جو تو نے بخشی ہے اس کی حفاظت فرما، آمین!

وَالْوَبَآءِ

وبائے شہرِ مدینہ نے شہر چھوڑ دیا
گئی کدھر وہ پریشاں، دورد تاج میں ہے

وَالْوَبَآءِ

مدینہ دارالہجرہ بننے سے پہلے یثرب کہلاتا تھا۔ یثرب کا ماخذ ثرب ہے یا تثریب۔ ثرب کے معنی فساد کے ہیں، یعنی وہاں کی ہر چیز فاسد تھی، جو وہاں آتا وہ وہاں کی آب وہوا میں شدید امراض میں مبتلا ہو جاتا۔ وہاں زہریلے بخار کی وباء بھی تھی، جو کوئی بیمار ہوتا لوگ اسے ملامت کرتے کہ تو یہاں زہریلے بخار میں مبتلا ہونے کے لیے آیا تھا۔

مکّے والوں نے اہلِ ایمان پر جب ظلم و تشدد کی انتہا کر دی تو ہجرت کا عمل شروع ہوا۔ صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب ہجرت فرما کر وہاں پہنچے تو وہ اس زہریلے بخار میں مبتلا ہو گئے، اس دم انھیں مکّہ بہت یاد آیا یہاں تک کہ دافعِ البلاء رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سرزمینِ یثرب میں جلوہ افروز ہوے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس حال میں پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں کی برکت سے مدینے کی بیماریاں دور ہو گئیں۔

غبارِ مدینہ میں شفاء ہے:

غبار المدینة شفاء من الجذام۔

ترجمہ: مدینے کا غبار جذام سے شفاء ہے۔

(الوفاء لابن الجوزی جلد اوّل، ص ۲۵۳، الوفاء الوفاء جلد اوّل، ص ۶۷)

علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل بلاء، وباء، قحط، مرض اور الم کے دفع ہونے کی صداقت پر مندرجہ ذیل احادیث شاہدِ عدل ہیں۔

''حضور ﷺ مدینے تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ دونوں کو سخت بخار ہو گیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے آپ ﷺ کو بتایا اور آپ ﷺ نے دُعا فرمائی:

اللهم حبب الينا المدينة كحبنا مكة او اشد حباً و صححها و بارك لنا في صاعها و مدّها و انقل حُمّاها فاجعلها بالجحفة۔

ترجمہ: یا اللہ! مکے کی طرح مدینے کو ہمارا محبوب بنادے، بلکہ مکے سے زیادہ اور مدینے کی آب و ہوا ہمارے لیے درست فرمادے اور اس کے صاع اور مد یعنی غلّے اور پھلوں میں ہمارے لیے برکت فرما اور مدینے کی بیماریاں جُحفة (یہود کی بستی) کی طرف منتقل فرمادے۔

(بخاری شریف جلد اوّل، ص ۵۵۹)

حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے ایک سیاہ فام پراگندہ سر عورت کو دیکھا خواب میں جو مدینے سے نکل کر جُحفة میں پہنچ گئی۔''

فاولت ان وباء المدينة نقل اليها۔

ترجمہ: میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ مدینے کی وباء جُحفة کی طرف چلی گئی۔

(بخاری جلد دویم، ص ۱۰۴۲)

قبیلہِ بنی اسد اور نظرِ بد:

بنی اسد قبیلہ تھا جس میں کئی ایسے افراد تھے جن کی نظرِ بد کبھی خطا نہ جاتی تھی۔ اگر وہ کسی شخص کو ہلاک یا کسی جانور کو مارنا چاہتے تو تین دن فاقہ کرتے اور پھر اس چیز کے پاس جاتے اور کہتے: یہ کتنی خوبصورت اور عمدہ ہے، ایسی چیز تو ہم نے آج تک نہیں دیکھی۔ بس اتنا کہنے کی دیر ہوتی اور وہ چیز تڑپ کر جان دے دیتی۔ اگر کوئی موٹی گائے یا اونٹنی ان بدنظر

والوں کے پاس سے گزرتی تو ان کی بدنظر فوراً اپنا کام دکھاتی، پھر وہ اپنی لونڈی کو حکم دیتے کہ جا اور جا کر اس جانور کا گوشت خرید لا۔ وہ جاتی تو معلوم ہوتا کہ وہ جانور ذبح کر دیا گیا ہے۔ قریش حضور ﷺ کی جان کے دشمن تھے، وہ ہر چیز کر گزرتے جو اللہ کے محبوب ﷺ کی ہلاکت کے لیے ممکن ہوتی چنانچہ انھوں نے بنی اسد میں سے ایک ایسے ہی کسی نظر باز کی خدمات حاصل کیں اور اسے اس کام پر مقرر کیا۔ لیکن جس کی خدا حفاظت فرمائے اسے کون اذیت پہنچا سکتا ہے؟

حضور نبیِ کریم ﷺ اپنے دونوں نواسوں (حسنین کریمین علیہم السلام) کو یہ کلمات دم فرماتے:

اعوذ بكلمات الله التامات من كل شيطان و هامة و من كل عين لامة۔

حضور ﷺ ہر بلا کا ردّ ہیں:

بلا ہو، نظرِ بد ہو، بیماریاں ہوں، رنج و الم ہو، شدید ضرب ہو، گہرے زخم ہوں، الغرض دُنیا میں رہ کر جو ظاہری تکالیف ہوں، فاقہ ہو یا اور کچھ ان سے زیادہ مصائبِ آخرت ہیں کہ دُنیا میں رہ کر آخرت کی طرف سے غافل رہنا، کفر اور شرک، بت پرستی اور تمام عیوب جو انسان کو جہنم کا ایندھن بنا دیتے ہیں، حضور ﷺ نے ان تمام ظاہری و باطنی عیوب و امراض سے انسانوں کو نجات دلائی۔ اس لیے یہ سوچنا کہ آپ دافعِ البلاء، والوباء، والقحط، والمرض، والالم نہیں ہیں جہلِ علم کا طرّہ امتیاز ہے۔ آپ غور کریں تو خود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کو رحمت لقب بنایا اور رحمت بھی بنایا تو کسی ایک عالم کے لیے نہیں۔ جب آپ ﷺ سراپا رحمت ہی ہیں تو یہ شانِ رحمت کیسی کہ وہ بلاء کے آگے اپنی سپر ڈال دے، وباء کے سامنے معذور ہو جائے۔ سیرت نبوی ﷺ کے ۲۳ سال پر نظر ڈالیے تو لمحہ لمحہ آپ ﷺ کا نہ صرف قبول کرنے والوں پر رحمت بن کر گزرا بلکہ اس آیت پر ذرا غور کیجیے کہ وہ کفار، جو عذاب کے مستحق ہیں، جہنم جن کا مقدر بن چکی ہے، عذاب کے فرشتے اپنے پر تول رہے ہیں لیکن ربِّ محمد ﷺ فرما رہا ہے کہ اے میرے محبوب ﷺ جب تک آپ ﷺ ان میں موجود ہیں ان پر عذاب نہیں اترے گا۔ یہ کیا فلسفہ ہے؟ کیا عذاب اور

رحمت کی جنبش اور دستِ رحمت کے اٹھنے کے بعد بلاء، وباء، قحط، مرض اور الم کو کہیں ٹھہرنے کی جگہ مل سکتی ہے؟ حضور نبیِ کریم ﷺ، جن کی بارگاہ نبوت میں قدسی ارمغانِ صلوٰت لے کر آتے ہیں، تمام انبیاء علیہم السلام بلکہ تمام مخلوق میں واحد ہیں کہ خدا جن کی رضا چاہتا ہے:

ثانی مصطفےٰ ﷺ نہیں وسعتِ کائنات میں
نہ کہیں ہفت چرخ میں، نہ کہیں شش جہات میں
ان ﷺ کے غلام کو نہیں خوف و خطر، غم و ملال
حشر کے واقعات میں، دہر کے حادثات میں

(علیم ناصری)

وَالْقَحْطِ

فلک پہ ابر رہا منتظر کہ حکم تو دیں
چلا وہ حُسن کے خراماں، درود تاج میں ہے

والقحط

لب ایسے جن پہ جھوٹی بات کوئی آ نہیں سکتی
دُعا گر کوئی فرما دیں تو خالی جا نہیں سکتی

(احسان دانش)

صحیحین و دیگر کتبِ احادیث میں یہ مضمون بہ اسانیدِ کثیرہ وارد ہے کہ عہدِ رسالت میں مدینے میں قحط پڑا، خطبہ جمعہ کے موقع پر حضور رحمت للعالمین ﷺ سے بارانِ رحمت کے لیے دُعا کی درخواست کی گئی، ابرِ رحمت خود انتظار میں تھا کہ ہمیں بھی ان کے قدموں تک پہنچنے کا کوئی وسیلہ بنے، رحمتِ عالم ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں بارش کے لیے ہاتھ اٹھائے اور دُعا کی۔

اِدھر اٹھائے نہ تھے ہاتھ التجا کے لیے
اُدھر سے دستِ کرم بڑھ گیا عطا کے لیے

(ادیب رائے پوری)

اور بارانِ رحمت شروع ہوگئی۔ چشمِ عالم نے دیکھا کہ بارش اس کثرت سے ہوئی کہ دوسرے جمعہ کے موقع پر حضور ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں لوگ حاضر ہوے اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اب تو بارش کی کثرت کے سبب مکان گرنے لگے، آپ ﷺ دُعا فرمائیں کہ بارش رک جائے۔ آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور آسمان کی جانب اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر چاروں طرف اشارہ فرمایا اور دُعا فرمائی:

اللّٰھم حوالینا و لا علینا

ترجمہ: یا اللہ ہمارے اطراف پانی برسا ہمارے اوپر نہ برسا۔

رحمتِ عالم وعالمیان ﷺ کے اشارے کے ساتھ بادل چھٹ گیا اور صاف آسمان گول دائرے کی طرح نظر آنے لگا۔ مدینے میں بارش رک گئی، آس پاس جاری رہی۔ قحط دفع ہوا، خشک سالی خوشحالی میں بدل گئی۔

(بخاری شریف جلد اوّل، ص ۱۴۰-۱۴۱-۵۰۶)

قحطِ عام الرمادہ کے موقع پر سیدنا عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر بارش کے واسطے اس طرح دُعا فرمائی:

> "خدایا پہلے ہم رسول ﷺ کا وسیلہ لے کر حاضر ہوتے تھے اور اب ہم حضور اکرم ﷺ کے عمِ محترم کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ان کے طفیل ہمیں سیراب کردے۔" (بخاری شریف جلد پہلی، ص ۵۲۶)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بارش کے لیے دُعا:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابن عبدالمطلب منبر پر تشریف لائے اور منبر شریف پر رونق افروز ہو کر دُعا کے لیے بارگاہ خداوندی میں ہاتھ پھیلا دیے۔ یکایک آسمان پر بادل نمودار ہوے اور دیکھتے ہی دیکھتے بارانِ رحمت نے سارے علاقے کو سیراب کردیا چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت نے اسی واقعے کو اس طرح نظم فرمایا:

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار واقعۂ بارش پر:

۱- امام کے دُعا مانگنے پر بھی خشک سالی بڑھتی ہی گئی لیکن عباس رضی اللہ عنہ کے شرف وعزت کے طفیل ابر نے سیراب کردیا۔

۲- وہ (عباس رضی اللہ عنہ) حضور ﷺ کے چچا اور آپ ﷺ کے والد کے حقیقی بھائی ہیں، انھوں نے تمام لوگوں کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کی وراثت پائی ہے۔

۳- ان کے طفیل میں خدا نے ملک کو زندہ کردیا اور نا اُمیدی کے بعد پھر تمام میدان سرسبز ہوگئے۔

"استیعاب" میں تذکرہ عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب میں درج ہے کہ یہ بارش اتنی غیر متوقع ہوئی کہ لوگ خوشی میں ڈوب کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اور پاؤں کا بوسہ لیتے اور ساتھ ساتھ کہتے: یا ساقی الحرمین، یا ساقی الحرمین، مبارک، مبارک۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ اور ابنِ ہشام:

اسی واقعے کو ابنِ ہشام نے اپنی "سیرت النبی ﷺ" میں پیش کیا ہے۔ جس کا اندازِ تحریر جداگانہ ہے لیکن بات عشق کی ہے، محبت کی ہے، تعظیم کی ہے، نسبت کی ہے یعنی حضور ﷺ کو اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے بھتیجے خاتم النبیین ﷺ سے کس درجے محبت تھی۔ ایک تو یہ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں نذر کیا جسے میں نے تفصیل اور تبصرے کے ساتھ "مشکوٰۃ النعت" میں شامل کیا ہے، فی الواقع "قصیدہ نور" ہے۔ دوئم ان کی باہمی محبت کا اندازہ اس طرح لگائیے کہ جب قیدیوں کو لباس تقسیم کیے گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بڑی قدآور شخصیت کے مالک تھے، کسی کا لباس آپ رضی اللہ عنہ کے بدن پر موزوں نہ ہوا۔ عبداللہ بن اُبَیّ جو منافق اور شدت پسند تھا اور جس کی منافقت کی داستان طویل ہے اس وقت وہ بھی موجود تھا۔ اس کا قد بھی طویل تھا۔ اس نے اپنا کرتا اتار کر پیش کیا جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہم قد تھا۔ جب عبداللہ بن اُبَیّ فوت ہوا تو رحمت للعالمین ﷺ کی نظر میں یہ واقعہ محفوظ تھا۔ آپ ﷺ نے اپنا کرتا مبارک اتار کر عبداللہ بن اُبَیّ کی لاش کو پہنانے کے لیے عطا فرمایا اور اس طرح اس کے احسان کا بدلہ یا معاوضہ ادا کردیا۔

اسی طرح رحمتِ عالم ﷺ نے ہجرت کے موقعے پر خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو روکتے ہوے ایسا جملہ زبانِ مبارک سے ادا فرمایا جسے تاریخ نے محفوظ کرلیا اور قیامت تک تاریخ اسلام کا حصہ رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> "آپ رضی اللہ عنہ کا مکّے میں مقیم رہنا بہتر ہے، خدا نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ پر ہجرت ختم کرے گا۔"

ابن ہشام اس واقعۂ قحط اور ابر وباراں کو اس طرح بیان کرتا ہے:

بارانِ رحمت پر حضور ﷺ کا اپنے چچا رضی اللہ عنہ کو یاد کرنا:

مدینے والوں پر قحط کی بلا نازل ہوئی تو وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ سے شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے منبر پر جا کر بارش کے لیے دعا فرمائی۔ پھر

تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اتنی بارش ہوئی کہ آس پاس کے لوگ ڈوبنے کے ڈر سے شکایت لے کر پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللّٰھم حوالینا ولا علینا

(یا اللہ ہمارے اطراف پانی برسا ہمارے اوپر نہ برسا)

پھر مدینے پر سے ابر پھٹ کر اس کے اطراف میں بصورت دائرہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لو ادرک ابو طالب ھذا الیوم لسرّہ

اگر آج ابو طالب علیہ السلام ہوتے تو اس سے انھیں خوشی ہوتی۔

آپ ﷺ سے بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! گویا آپ ﷺ (ابو طالب کے) اس شعر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ

ثمال الیتامیٰ، عصمۃ للارامل

ترجمہ: جو ایسے روشن چہرے والا ہے کہ اس کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ یتیموں کی سرپرستی کرنے والا اور بیواؤں کی پناہ گاہ۔

آپ ﷺ نے سن کر فرمایا: اجل (ہاں)۔

(ابنِ ہشام جلد اول، ص ۳۰۰)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا:

انا فی عطش وسخاک اتم، اے گیسوئے پاک، اے ابرِ کرم
برسن ہارے، رم جھم رم جھم، دو بوند ادھر بھی گرا جانا

ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی کی تحقیق:

عربی کے فاضل محقق ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی، جنھیں عربی لغات کا وسیع مطالعہ اور نعتیہ عربی ادب میں ان کی تحقیق ایک مقام رکھتی ہے، ویناکی مختلف یونیورسٹیوں میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ ''عربی میں نعتیہ کلام'' کے زیرِ عنوان اردو میں ایک

کتاب تصنیف فرمائی جس کے مطالعے کے بعد ان سے ملاقات کا اشتیاق بڑھ گیا۔ ظہر کی نماز کے بعد حرم شریف (کعبہ) میں عبادت میں مصروف تھا کہ اچانک محترم جناب ابوالامتیاز ع س مسلم (حمد و نعت کی دنیا میں محتاجِ تعارف نہیں) تشریف لائے اور اسی شب بعد نماز عشاء ایک عرب بزرگ کی قیام گاہ پر ڈاکٹر صاحب سے شرف نیاز بھی حاصل ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے حضرت ابو طالب علیہ السلام کے مندرجہ بالا شعر پر جو مزید تحقیق کے گل کھلائے اس سے یہ اور بھی مہک اٹھے اور میں اس مہک کو آپ تک پہنچائے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس تشریح کا پورا پورا لطف آپ بھی حاصل کریں، ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

اس شعر میں دو لفظ ''ثمال'' اور ''عصمۃ'' آئے ہیں جن کا مفہوم ایک لفظ میں بیان کرنا مشکل ہے، دوسرے اس شعر میں کچھ اور حسن بھی ہے اس کی طرف اشارہ ضروری ہے۔ ''ثمال'' (بالکسر) فریادرس، سہارا، جس پر شدت اور مصیبت کے وقت بھروسہ کیا جائے، کو کہتے ہیں۔ ''لسان العرب'' میں اس کی مثال یوں دی ہے: ''فلاں شخص فلاں قوم کا ثمال ہے'' یعنی وہ اس کا ایسا ستون ہے جس پر اس کی عمارت قایم ہے۔ ابو طالب علیہ السلام کے شعر میں نبیِ اکرم ﷺ کو ''ثمال الیتامیٰ'' کہا گیا ہے یعنی ''یتیموں (بے سہارا افراد) کے آپ ﷺ ہی سرپناہ ہیں۔'' آگے چل کر ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں:

اسی طرح ''عصمۃ'' کا لفظ ہے جس کے عربی میں معنی روک، بچاؤ، حفاظت کے ہیں۔ عرب کہتے ہیں فلاں عورت اپنے باپ کی عصمت میں ہے یا اپنے شوہر کی عصمت میں ہے، اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اس عورت کے لیے ڈھال اور سپر ہے، کوئی بری نگاہ سے اس کو دیکھ نہیں سکتا، اس کی ضروریات کا وہ کفیل ہے اور اس کے ناموس کا وہ محافظ ہے۔ بیوہ عورت، جو اپنے عاصم سے محروم ہو چکی ہے، آپ ﷺ اس کے عاصم ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ

''آج اللہ کے حکم سے بچانے والی کوئی شے نہیں البتہ وہ شخص بچے گا جس پر اللہ نے رحم کیا ہو۔''

ڈاکٹر عباس ندوی کا بیان یہاں ختم ہوا۔

ابنِ نباتہ مصری کا تذکرہ:

ابنِ نباتہ مصری، جن کا پورا نام جمال الدین محمد بن محمد ہے، نہایت ہی پر گو شاعر تھے اور آپ نے قصیدہ ''بانت سعادُ'' کے وزن پر اور اسی قافیے میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ ''بانت سعادُ'' وہ مشہور قصیدہ ہے جسے کعب ؓ بن زہیر بن ابی سلمٰی بن رباح نے لکھا تھا اور جسے سن کر رحمتِ دو عالم ﷺ نے چادر مبارک عطا فرمائی تھی، اسی لیے اسے قصیدہ بردہ (چادر) بھی کہا جاتا ہے لیکن حضرت امام بوصیری ؒ کے قصیدے اور اس میں تمیز کے لیے کعب ؓ بن زہیر کے قصیدے کو ''بانت سعادُ'' کہا جاتا ہے۔ یہ مقبول بارگاہ ہوا اور عرب میں شیوخ و صوفیاء اپنی مجالس کا آغاز ہی اس قصیدے سے کرتے ہیں۔ بات آگے جا رہی ہے لیکن میرا ذوق چاہتا ہے کچھ اور عرض کر دوں۔ ڈاکٹر زکی مبارک اور ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی تصانیف میں یہ حوالہ شامل کیا ہے، لکھتے ہیں:

''کعب ؓ بن زہیر کا قصیدہ صوفیاء اور مشائخ کے حلقوں میں کافی مقبول ہے۔ میں نے سنا ہے اسکندریہ میں ایک صوفی بزرگ، جن کا حلقہ بہت وسیع ہے، اپنی مجالس کا افتتاح ہمیشہ اس قصیدے سے کرتے ہیں۔ ان سے جب اس کا سبب دریافت کیا گیا تو کہا کہ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کعب کے قصیدے کی کیا حقیقت ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ میں اس کو اور اس کے پسند کرنے والوں کو عزیز رکھتا ہوں۔ چنانچہ اس روز سے میرا معمول ہے کہ ایک بار دن رات میں اس کو پڑھ لیتا ہوں۔''

(ڈاکٹر زکی مبارک: المدائح النبویہ فی الادب العربی، ص ۸۵)

ابنِ نباتہ مصری کے ذکر میں اس مقدس اور بابرکت قصیدے ''بانت سعادُ'' کا ذکر نکل آیا، یقیناً اس کا فیضان ہمیں اور آپ کو اپنے دامانِ کرم میں لے گا۔ ابنِ نباتہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کے اس شعر کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں اس شعر میں **یستسقی الغمام** کو بجائے مجہول صیغے کے معروف صیغے میں پڑھتا ہوں یعنی **یستسقی الغمام** جس کے یہ معنی ہوے خود بادل آپ ﷺ کے چہرہ انور کے صدقے برسنے کی اجازت چاہتا ہے۔

وہ حسنِ دو عالم ہیں، ادیب ان کے قدم سے
صحرا میں اگر پھول کھل آئیں تو عجب کیا

حضرت ابو طالب علیہ السلام کے اس شعر کی قبولیت کی بھی یہ سند ہے جس پر اتنے حوالے گزرے۔ ''مشکوٰۃ النعت'' میں یہ قصیدہ اردو ترجمے کے ساتھ اسی لیے پیش کیا کہ اس کا مطالعہ اہلِ علم اور شاعری کی لذت سے آشنا حضرات کر سکیں۔ عربی ادب میں یہ بلند پایہ قصیدہ ہے، جس کے اشعار کی تعداد چورانوے ہے۔ عربی شاعری کے دیگر محاسن کے ساتھ ساتھ ان اشعار کی تعداد سولہ ہے جو خالص نعت کے ہیں اور حبِ رسول ﷺ کی خوشبو سے مہک رہے ہیں۔

وہ لوگ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قانونِ قدرت کے مطابق یہ نظامِ فطرت چل رہا ہے، جس کا کوئی عمل بھی فطرت کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے اور کوئی واقعہ قابلِ قبول نہیں ہے، وہ اس بارش کے واقعے پھر بادل چھٹ جانے اور اطراف میں برسنے پر کیا نظریہ پیش کریں گے؟ یا وہ سرے سے اس کا انکار کر دیں یا اپنے فلسفے سے دست بردار ہو جائیں۔

دادا علیہ السلام نے پوتے ﷺ کا وسیلہ لے کر بارانِ رحمت کی دعا مانگی:

تاریخ ابنِ ہشام اور سیرت کی مستند کتب اٹھا کر دیکھیے اس چہرہ والضحیٰ کی عظمت و شان کا منظر جب مکے میں بارش کے لیے حضور رحمت للعالمین ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے رحمتِ عالم ﷺ کو، جب آپ ﷺ کم سن تھے، خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑے کر دیا، پھر اس چہرہ انور کی طرف دیکھا اور اس حسین چہرے کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا مانگی اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے ابرِ کرم بھیج دیا۔ سبحان اللہ! آپ ﷺ کی وہ کم سنی کا عالم کہ خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ خاموش کھڑے ہیں اور آپ ﷺ نے خود نہ تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور نہ زبان سے کچھ کہا لیکن بادل آئے اور بارش ہوگئی۔ شاید میر حسن دہلوی کے پیشِ نگاہ یہی واقعہ ہو جو یوں بیان کرتا ہے:

بغیر از لکھے اور کیے بے رقم
چلے حکم پر اس کے لوح و قلم

وَالمَرَضِ

لعاب دہن سے اندھے بھی ہوگئے بینا
شفاء جو اس میں تھی پنہاں درود تاج میں ہے

والمرض

بر دامنِ طیبہ است دعائے تو گہر ریز
آب است وصفاہا وتراب است وشفاہا (محمد افضل فقیر)

حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بن سعد کا بیان:

حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بن سعد فرماتے ہیں کہ فتح خیبر کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابن ابی طالب کی آنکھوں میں آشوب تھا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، مسیحاؤں کے مسیحا نے انھیں بلایا۔

"فبصق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فی عینیہ و دعالہ فبرء حتیٰ کان لم یکن بہ وجع۔"

"اور اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈال دیا اور دعا فرمائی تو وہ فوراً تندرست ہوگئے، گویا درد چشم ہوا ہی نہ تھا۔" (بخاری شریف، ص ۶۰۶)

حضرت نعمان بن ثابت، امام اعظم، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کو اپنے اشعار میں یوں بیان کرتے ہیں:

وعلی من رمد بہ رویۃ
فی خیبر فشفی بطیب لماک (قصیدہ نعمانیہ)

"اور خیبر کی لڑائی میں جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو آشوب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب مبارک لگانے سے اسی وقت شفاء ہوگئی۔"

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کا بیان:

رُمیت بسہم یوم بدر ففُقعت عینی فبصق فیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم و دعالی فما آذانی منہا شیئی۔

"بدر کے دن میری آنکھ میں تیر لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ڈال

دیا اور دعا فرمائی، پس مجھے اس تیر کے لگنے کی ذرا بھی تکلیف نہ رہی اور آنکھ بالکل درست ہوگئی۔" (خصائص الکبریٰ جلد اول، ص ۶۰۵)

جنگِ بدر میں ابوجہل نے حضرت مسعود بن عفراء رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کاٹ دیا تو وہ اپنا ہاتھ اٹھائے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعاب دہن لگا دیا اور اس کو ملا دیا، وہ اسی لمحے جڑ گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کٹا ہی نہیں تھا۔

فجاء یحمل یده فبصق علیها رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم والصقها فلصقت۔ (شفا شریف جلد اول، ص ۲۱۳)

بخاری اور شفاء شریف کے حوالے:

غزوہ خیبر کے دن حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع کی پنڈلی پر ایسی ضرب لگی جو اتنی شدید تھی کہ لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ شہید ہوگئے، فرماتے ہیں:

فاتیت النبی صلی الله علیه و آله وسلم فنفث فیه ثلاث نفثات فما اشتکیتها حتی الساعة۔

"میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اس پر دم فرمایا، پھر پنڈلی میں کبھی درد نہیں ہوا۔"

(بخاری شریف جلد دوئم، ص ۲۰۵)

"شفاء شریف" میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جنگِ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ بن حصین کو لایا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے سینے پر ایک تیر لگا تھا۔

فبصق رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم فیه فبرء۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن لگایا، وہ فی الفور اچھے ہوگئے۔"

("شفاء شریف"، امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ)

نہایت اختصار کے ساتھ "دافعِ المرض" کی تشریح میں یہ چند حوالے پیش کیے گئے، مزید حوالوں سے گریز کیا گیا، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ زندگی میں ایسے واقعات کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان تمام کو یکجا کیا جائے تو یہ بھی ایک ضخیم کتاب ہوگی۔ شدید سے شدید ضرب، گہرے سے گہرا زخم، نسیان کا مرض، بینائی غرض کوئی مرض، کوئی تکلیف ایسی نہیں تھی جس میں کوئی شخص یہ تکلیف لے کر خدمتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہو اور علاج سے محروم رہا ہو۔

ان تمام واقعات کے حوالے بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف، مسلم شریف، ترمذی، نسائی، زرقانی علی المواہب، خصائص الکبریٰ اور ان تمام کتب سے لیے گئے ہیں۔

یہاں ایک مرتبہ پھر یہ بات دہراتا ہوں کہ یہ وہ واحد ہستی ہے جسے اللہ نے اپنا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بنایا اور اپنے فضل و کرم کے تمام خزانے لٹانے کا اختیار عطا فرمایا۔ جب حق سبحانہ وتعالیٰ نے خود ہی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام دنیا و آخرت، دونوں جگہ، عطا فرما دیا تو اب کوئی واقعہ بطور حوالے کے پیش کرنا ایک تو سعادت کے لیے دوسرے قاری کے علم میں اضافے کے لیے ہے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام حوالوں کے بغیر صاحبِ جود وسخا، صاحبِ لطف وکرم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو بھی نکل گیا وہ پورا ہوگیا۔

نہ جانے کتنے عالم ہیں، ہر اک عالم انھیں کا ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس کس عالم میں ہیں اور کس طرح ہیں؟ یہ جاننا ممکن نہیں۔ ایک عالمِ ارواح، جہاں کی خبر قرآن نے ہی دی کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے عہد لیا گیا؛ ایک حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں نور بن کر؛ ایک حضرت ابوالبشر علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کے لیے اسم کی صورت میں عرش پر؛ ایک وہ ستارہ جسے حضرت جبریل علیہ السلام ہمیشہ سے دیکھا کرتے، اور پھر وہ تمام عالمین جن کا ذکر نہ قرآن میں آیا ہے نہ ہی رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے ان عالمین کا، جو مخفی ہیں، ذکر کیا تو اب کیسے کوئی جانے مگر بندگانِ خدا، مخلوق اور امتیوں کے ساتھ ان کے دو عالم ہیں: ایک یہ دنیا جہاں وہ تشریف لاکر صراطِ مستقیم بتا گئے، خدا سے تعلق جوڑ دیا۔ دوسرا وہ عالم جب یہ عالمِ آب وخاک دھواں بن کر اڑ جائے گا۔ روزِ محشر سب انھیں کے پیش ہوں گے۔ یہاں خدا کے پیش ہونے کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ اللہ کی ذات روزِ محشر بھی بے پردہ نہیں ہوگی، سامنے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے، اور گزشتہ اوراق میں روزِ محشر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت، مراتبِ اعلیٰ اور بلند درجات کا اور اختیارات کا ذکر تفصیل سے کر چکا۔ یہاں یہ بات غور فرمائیے کہ ہر عالم میں، جہاں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، مراتب و اختیارات یکساں ہیں۔ دنیا میں چونکہ ہدایت و تربیت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر عمل سے، جن میں شدید مصائب اور دکھ بھری زندگی، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں صاحبِ اختیار کم تھے اور عالمِ بالا میں اختیارات بڑھا دیے جائیں گے۔ اسے یوں سمجھیے کہ طائف میں کیا نہ

گزری اور اللہ تعالیٰ نے حضرت روح الامین علیہ السلام کو پیغام دے کر بھیجا کہ طائف کے پہاڑ ان بدبختوں پر پٹک دیں کہ وہ لوگ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ اب یہ اختیار ہاتھ میں پہنچا یا نہیں لیکن آپ ﷺ نے اپنے ربّ کے سامنے یہ بتایا کہ یہ پہاڑ ان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط و توانا نہیں جن کے لیے یہ کہا گیا کہ اگر قرآن مضبوط، غیر متزلزل اور منجمد پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ خشیتِ الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ اس وقت، اے ربّ، قادرِ مطلق تو نے اس قلب کو جو قوت اور طاقت بخشی کہ وہ اسے اپنے اندر جذب کر گیا تو اب یہ پہاڑ جیسے مصائب کا برداشت کرنا دشوار نہیں۔ ایسے کئی مقامات دنیاوی زندگی میں آئے لیکن چونکہ یہ ایمان لانے والوں کے لیے ایک تربیت گاہ تھی جہاں ان میں عزم و حوصلہ، ہمت اور بہادری، صبر و ضبط، ایثار و قربانی اور تمام اوصاف سے امت کو سنوارنا تھا اس لیے ان اختیارات کا مظاہرہ اگر نہیں کیا تو صاحبانِ ایمان اس بات سے باخبر تھے اور ہیں، لیکن جو دلِ بینا نہیں رکھتے وہ اس منزل و مقام تک رسائی نہیں پاتے۔

اختیاراتِ مصطفےٰ ﷺ:

آپ ﷺ نے دنیا میں یہ بھی کر کے دکھایا کہ ایک حکم قرآن میں آ گیا، اب اس کے مطابق ویسا ہی کرنا ہوگا، شریعت میں کسی دوسرے راستے کی گنجائش نہیں لیکن آپ ﷺ نے اپنی منشاء سے، اپنی مرضی سے اس حکم کو بدل دیا اور اجازت خصوصی مرحمت فرما دی۔ یہ بات قابلِ فہم تو نہیں معلوم ہوتی لیکن واقعات تصدیق کرتے ہیں۔ میں ان کی مثال پیش کرتا ہوں تاکہ شبہات دور ہو جائیں اور واقعات کی مثال بھی حدیث ہی سے دوں گا۔ یہاں ایک جملۂ معترضہ ''اپنی منشاء'' اور ''اپنی مرضی'' کہا ہے تو یہ جان کر کہا ہے کہ نبی ﷺ کے لیے یہ بتانا ضروری نہیں کہ میں نے اپنے ربّ سے کب اس کی اجازت لی تھی۔ آپ اور میں کتنے ہی بڑے مفسر و محقق ہو جائیں، کتنی ہی کتابیں گھول کر پی جائیں پھر بھی یہ پوچھنے کا حق نہیں رکھتے کہ یا رسول اللہ ﷺ، قرآن تو یہ حکم دے رہا ہے مگر آپ ﷺ نے اسے بدل دیا، یا اس میں کسی خاص بندے کو خاص رعایت دے دی تو کیا کوئی وحی نازل ہوئی، استغفر اللہ ربّی۔ کس میں جرأت ہے کہ یہ سوال کر سکے۔ اگر سوال اٹھانے والے تھے تو وہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں تھے۔ جب ان میں کسی کی جرأت نہ ہو سکی تو اب آپ اور میں بے

چون و چرا ماننے کے لیے مجبور ہیں۔ ہمارا اس پر قطعی ایمان ہے جو قرآن نے فرمایا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ جب خدا نے یہ تصدیق کر دی کہ میرا محبوب ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا ہے، جو کچھ اس کا ربّ فرماتا ہے وہی کہتا ہے۔ ربّ نے کب کیا کیا فرمایا، ضروری نہیں تھا کہ وہ قرآن کی آیات میں ڈھل جائے، مثلاً: قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کی منزل پر محبّ اور محبوب ﷺ کے درمیان گفتگو ہوئی، کلام ہوا لیکن کسی کو اس کی خبر نہ دی گئی اور اشارہ یہ دیا کہ کلام ہوا ضرور۔ ان مندرجہ بالا امور کو پیشِ نظر رکھ کر اب ذرا ان احادیث کو ملاحظہ فرمائیے:

جسے چاہیں جیسا نواز دیں:

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، امام جلیل فرماتے ہیں، آپ نے اپنی تصنیف خصائص الکبریٰ میں ایک باب وضع فرمایا: **باب اختصاصه صلى الله عليه و آله وسلم بانه يخص من شاء بماشاء من الاحكام۔**

''باب اس بیان کا کہ خاص نبی ﷺ کو یہ منصب حاصل ہے کہ جسے چاہیں، جس حکم سے چاہیں خاص فرما دیں۔''

حدیث صحیحین میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان کے ماموں ابو بردہ رضی اللہ عنہ بن نیاز نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی تھی۔ جب معلوم ہوا کہ یہ کافی نہیں، عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! وہ تو میں کر چکا۔ اب میرے پاس چھ مہینے کا بکری کا بچہ ہے مگر سال بھر والے سے اچھا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: **اجعل مكانه ولن يجزى عن احد بعدک۔**

ترجمہ: اس کی جگہ اسے کر دو اور ہرگز اتنی عمر کی بکری تمہارے بعد دوسروں کی قربانی میں کافی نہ ہوگی۔

ارشاد الساری فی شرح بخاری میں اس حدیث کے نیچے ہے:

خصوصيته له لا تكون لغيره اذ كان له صلى الله عليه و آله وسلم ان يخص من شاء بماشاء من الاحكام۔

ترجمہ: نبی ﷺ نے ایک خصوصیت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو بخشی جس میں دوسرے کا حصہ نہیں، اس لیے کہ نبی ﷺ کو اختیار تھا جسے چاہیں، جس حکم

سے چاہیں خاص فرمادیں۔

طبقات ابنِ سعد میں اسماء رضی اللہ عنہا بنتِ عمیس سے روایت ہے کہ جب ان کے شوہر اوّل جعفر طیّار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے سیّدِ عالم ﷺ نے ان سے فرمایا: **تَسَلَّبِی ثلثا ثم اصنعی ماشئت** ۔ تین دن سنگار سے الگ رہو پھر جو چاہو کرو۔ یہاں حضور ﷺ نے ان کو اس حکمِ عام سے استثنا فرمادیا کہ عورت کو شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ واجب ہے۔

حدیث: ابن السکن رضی اللہ عنہ بن ابونعمان ازدی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو پیام نکاح دیا۔ سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا: ''مہر دو۔'' اس نے عرض کی: میرے پاس کچھ نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: **اما تحسن سورة من القراٰن فا صدقها السورة ولا يكون لاحد بعدك مهراً** ۔

''کیا تجھے قرآن کریم کی کوئی سورۃ نہیں آتی؟ وہ سورۃ سکھانا ہی اس کا مہر کر اور تیرے بعد کسی اور کو یہ مہر کافی نہیں۔'' (رواہ سعید بن منصور رضی اللہ عنہ)

حدیثِ مشہور میں ہے کہ سیّدِ عالم ﷺ نے نمازِ عصر کے بعد نماز سے ممانعت فرمائی:

فيه عن عمرو عن ابى هريرة وعن ابى سعيد ن الخدرى كلها فى الصحيحين وعن معوية فى صحيح البخارى وعن عمرو بن عنبسة فى صحيح مسلم رضى الله تعالىٰ عنهم۔

خود امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اس ممانعت کو حضور اقدس ﷺ سے روایت کرتی ہیں۔

رواه ابو داؤد فى سننه با اينهم ام المومنين رضی اللہ عنہا۔ عصر کے بعد دو رکعت پڑھا کرتی تھیں۔ علماء فرماتے ہیں یہ امّ المومنین کی خصوصیت تھی۔ سیّدِ عالم ﷺ نے ان کے لیے جائز کر دیا تھا۔

احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان تمام کا یہاں پیش کرنا ممکن نہیں ہے، ان احادیث کے پیش کیے جانے کے بعد اختیاراتِ مصطفیٰ ﷺ کی بات زیادہ واضح ہوگئی۔ تمیزِ حق و باطل پھر بھی سب پر یکساں نہیں، اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

والالم

کہاں کا رنج و الم، اُن ﷺ کے نام لیواؤ
ہر ایک درد کا درماں درود تاج میں ہے

والآلم

درد ہے جب سے ترا نام رسول عربی ﷺ
رنج ہے کوئی نہ آلام رسول عربی ﷺ

(ادیبؔ)

اپنا ایمان سلامت رکھیے:

جن کے غلاموں کو اللہ نے اعجاز مسیحائی دیا ہو، مخلوق خدا کے رنج و آلام دور کرنے میں اس ہستی کا مقام کیا ہوگا۔ پچھلے اوراق میں جن احادیث کے حوالوں سے رحمتِ دو جہاں کی کرم نوازیوں کا ذکر ہوا، ان کے اختیارات کی ایک ادنیٰ سی جھلک دکھائی گئی، اس کے بعد اس موضوع پر مزید تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ میرے اور آپ کے آقا ﷺ کی اس طاقت، عظمت اور بڑائی پر کسی کو اعتراض ہے تو ہوا کرے، مگر وہ ہم سے اور آپ سے گلہ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اسے چاہیے کہ وہ ربِّ محمد ﷺ کی بارگاہِ قدس میں حاضری کا ذریعہ نکالے اور پھر وہاں یہ سوال اٹھائے کہ اس نے اپنے حبیب ﷺ کو اتنے اختیارات کیوں عطا فرمائے کہ جو چاہے، جیسا چاہے کر دے۔ دن کو رات چاہے تو آفتاب غروب ہو جائے۔ آفتاب کی تو حقیقت ہی کیا کہ حضور سیّدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ روزانہ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے مجھ سے اجازت طلب کرتا ہے۔ اب یہ قول بھی حیرانی کا باعث ہوگا۔ ابھی تک تو ہم تمام کے آقا و مولیٰ ﷺ کے اختیارات کی بات تھی، غلاموں کے اختیار کی خبر ہی نہ تھی اس لیے ہم کسی معترض سے الجھتے نہیں، جو ان ﷺ سے، ان ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سے، ان ﷺ کی آل علیہم السلام سے، ان ﷺ کے اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے، ان ﷺ کی ہدایت پر، ان ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے اور

چلانے والے علماء، صوفیاء اور مشائخ ہیں ان کی بات کرتے ہیں۔ حق کیا ہے، ناحق کیا ہے؟ یہ اندر کی بات ہے، دلوں کے سودے ہیں، پھر ان کا کرم بھی ہے، اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے سے آج تک اہلِ تحقیق نے، اہلِ سیر نے جو کچھ لکھا ہے آپ اس کا مطالعہ فرمائیں تا کہ ان کی صدیوں کی محنت رائیگاں نہ ہو اور آپ کا ایمان ضائع نہ ہو۔

فلسفۂ رحمتِ باری:

یہ لفظ الم کیا معنی رکھتا ہے؟ لغت کیا کہتی ہے؟ حالات کیا بتاتے ہیں؟ تاریخ کیا بتاتی ہے؟ اگر ظالم اور جابر سلطان ہو تو اس کی رعایا کے خوشحال ہونے کا کوئی حوالہ تاریخ دیتی ہے؟ اگر معاشرہ بغیر کسی سلطان کے ہے لیکن طاقتور انسان اپنی قوت اور جبر کے بھروسے پورے معاشرے پر حاوی ہیں کیا کسی ایسے معاشرے میں چین اور سکون کی مثالیں دی جاسکتی ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو دنیا میں جتنے بھی انقلاب آئے وہ ہرگز نہ آتے، نہ کوئی داعیِ انقلاب آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بے حد پیار ہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل علیہم السلام کا مسلسل آنا اس کے پیار اور اپنے بندوں سے محبت کی روشن دلیل ہے۔ سمندر سے پانی بھاپ بن کر اس وقت اڑتا ہے جب اس کی موجوں پر آفتاب کی تیز اور گرم شعاعیں پڑتی ہیں، دریائے رحمت بھی اسی وقت جوش میں آتا ہے جب کفر و ضلالت اور معصیت کے سبب معصوم اور نیک طینت انسان کچلے جاتے ہیں۔ اس کی مثال قرآن سے بہتر کوئی نہیں۔ اپنے حبیب ﷺ سے قرآن بار بار خطاب کرتا ہے اور پھر اس امت کی اصلاح کے لیے، جس میں ہم اور آپ ہیں، تاریخ کے حوالے دیے جاتے ہیں کہ اے حبیب ﷺ! آپ ﷺ انھیں بتائیں کہ جب ظلم اور جہل حد سے بڑھ جاتے ہیں تو ہم (ذات باری) کیا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ انھیں نمرود کا حال سنائیے، انھیں فرعون کے واقعات سے باخبر کیجیے۔ انھیں بتائیے کہ طوفانِ نوح علیہ السلام کیسا تھا، اور لوط علیہ السلام کی قوم پر کیا گزری تھی۔ انھیں یہ بھی بتائیے کہ عاد و ثمود کتنی طاقتور اقوام تھیں مگر ان کا حشر کیا ہوا۔ اے میرے حبیب ﷺ! انھیں ساتھ ساتھ یہ بھی بتائیے کہ جنھوں نے ہماری باتیں مان لیں اور ہمارے بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی ہم نے انھیں کیسے کیسے انعام و اکرام سے نوازا۔ جب ہم مہربان ہوتے ہیں تو ہمارے کرم کی انتہا نہیں ہوتی۔ ذرا ہمارے

کرم کی ایک نشانی بہشتِ بریں کے متعلق انھیں اپنے الفاظ میں بتائیے۔ انسان جن نعمتوں کا تصور نہیں کر سکتا وہ نعمتیں ہم نے ان کے لیے بنائی ہیں اور اے میرے پیارے حبیب ﷺ! ہماری ان تمام باتوں کو سن کر بھی یہ آپ ﷺ کو جھٹلائیں تو پھر انھیں یہ بھی بتائیے کہ آپ ﷺ مالک و مختار ہیں، ہر شے پر قادر۔ ہمارے جمال کو پسند نہ کرنے والوں کے لیے ہمارے جلال کا بھی نقشہ دکھائیے۔ عذاب کیا ہوتا ہے؟ جہنم کیا ہے اور کیسی ہے؟ یہ بھی انھیں بتا دیجیے۔ گویا قرآنِ کریم ایسی تاریخ ہے جس سے زیادہ معتبر دنیا کی کوئی تاریخ نہیں، قانون سازی کا ایسا اہتمام جو اقوام عالم کے چارٹر سے بدرجہا بہتر ہے، سزا و جزاء کے اصول و قاعدے، زندگی گزارنے کا سلیقہ، قوموں کے عروج و زوال کے اسباب۔ اب اس کتاب اور صاحبِ کتاب ﷺ کی آمد کے بعد کفر و ضلالت کا زور ٹوٹ گیا، معصیت کے بادل چھٹ گئے، دنیا کا سارا نظام ہی بدل گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری بنجر زمین پر ایسی بارش تھی کہ اس قدر ایمان کی ہریالی چھائی کہ مشرق و مغرب کے ریگستان، جہاں ایمان و اخلاص کا کوئی پودا نہ تھا، سبزہ زارِ محبت بن گئے۔ ۲۳ سالہ حیات طیبہ کا یہ ایسا انقلاب کہ بڑے بڑے فلسفی حیران اور تاریخ داں انگشت بدنداں۔ انسان تو پھر انسان ہیں، رحمتِ عالم ﷺ کا لطف و کرم تو شجر و حجر پر بھی ہوا، حتیٰ کہ جانوروں پر بھی آپ ﷺ نے کرم فرمایا جس کی مثالیں تاریخ میں مستند حوالوں سے دی گئی ہیں۔

اعلانِ حق اور قریش کا غیظ و غضب:

جب تاجدارِ مدینہ نے مکّہ میں غارِ حراء سے باہر آ کر حق کا اعلان کیا، توحیدِ باری تعالیٰ سے روشناس کرایا، بتوں کی پرستش ترک کر دینے کا مشورہ دیا تو قریش کے غیظ و غضب کا جو عالم تھا وہ رنج و الم کی داستان کا ایک رخ ہے۔ چند مٹھی بھر صاحبان نے جس استقلال اور استقامت کا مظاہرہ کرنے میں اپنے اوپر کیے جانے والے جور و ستم برداشت کیے وہ داستان بھی بڑی دردناک ہے اور غلامی کے دور میں طلوعِ آفتابِ نبوت سے پہلے کفر و معصیت کی تاریکی میں کمزوروں پر جو مظالم ہوتے تھے، غلاموں کا جو حال تباہ تھا وہ تصویرِ الم کا دوسرا رخ تھا۔ رحمتِ عالم ﷺ جب تشریف لائے تو تصویر کے دونوں رخ بدل گئے، غلامی کی زنجیریں ایک ایک کر کے ٹوٹ گئیں، عرب کے بدّو سلاطینِ زمانہ کے مقابل اس شان سے

آئے کہ ان کے احترام میں تخت خالی ہوگئے اور تاج قدموں میں رکھ دیے گئے۔ لیکن یہ سب کچھ چٹکی بجاتے نہیں ہوا۔ یہ ہوا حنا جب پتھر پر پیسی گئی، اور حنا کے پتھر پر پیسے جانے کی تاریخ ہی اسلام کا وہ شاندار کارنامہ ہے کہ دنیا اسی بات پر تو حیران ہے کہ عرب کے سخت کوش و سخت جان کیسے ایک انسان کے قابو میں آگئے۔

ہم نے دامن جو ترا تھام لیا، تھام لیا:

قربان جائیے ان عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ پر، ان وفا کیش صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کہ جنھوں نے کلمہ حق اختیار کیا اور اس کی اشاعت وحفاظت میں اپنا سب کچھ وار دیا۔ سرکار ابد قرار ﷺ نے اپنا عشق بھی دیا اور معرفتِ الٰہی کا جام بھی ایسا پلا دیا کہ کوہ گراں سے ٹکرا جانا ان کا مشغلہ بن گیا، طاقت کا نشہ ہرن کر دیا، غرور سرنگوں ہوگیا جسے قایم رکھنے کے لیے قریش نے جو مظالم ابتدائی عہد میں ڈھائے، مثل آتش تپتی ریت پر بدن کو ننگا کر کے گھسیٹتے، سینے پر وزنی پتھر رکھ دیتے، آگ جلا کر جسم کو داغتے، اس قدر پشت پر درّے برساتے کہ کھال ادھڑ جاتی، تھک جاتے تو ستاتے پھر درّے برساتے، لوہے کا ٹکڑا آگ پر گرم کر کے سر پر رکھ دیتے۔ مرد وخواتین پر یکساں ظلم ہوتا مگر نہ جانے اس نورانی چہرے والے نے کیا کر دیا کہ اب یہ تمام ناقابلِ برداشت اور جان لیوا رنج والم باعثِ لذت بن گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضرت حمامہ رضی اللہ عنہا، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ، حضرت خباب رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر، ان کے والد رضی اللہ عنہ، ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا (جو اللہ کی راہ میں ظلم کے ہاتھوں پہلی شہید ہیں)، اُمِ عنیس رضی اللہ عنہا، زنیرہ رضی اللہ عنہا، النہدیہ رضی اللہ عنہا اور ان کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا۔ یہ چند نام ہیں جنھوں نے اسلامی تاریخ کے چہرے کو اپنی جاں نثاری، جاں سپاری، اطاعت گزاری اور قربانی سے روشن وتابناک بنا دیا۔

اشاعتِ دین میں کامیابی اور ناکامی کے اسباب:

یہاں ایک اہم پہلو کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں۔ بعض لوگ آج یہ کہتے ہیں کہ تبلیغ کا اب اثر اس لیے نہیں ہوتا اور ویسی کامیابی نہیں ہوتی جیسی اس مبلغِ اعظم ﷺ

کے عہد میں ہوئی، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مبلغ نہیں رہا۔ یہ بات اپنی جگہ کہ اللہ کے رسول ﷺ کی تبلیغ میں اور ہماری آپ کی تبلیغی کوششوں میں نمایاں فرق ہے، اس بات میں وزن ہے، لیکن میری رائے میں اس کا ایک سبب اور ہے، ذرا تاریخ پر نظر ڈالیے: حضور رحمتِ عالم ﷺ کے گرد جو لوگ تھے، اور جو دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے تھے، وہ تمام قریش تھے۔ سب ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے تھے اور سب اللہ کی توحید کا اعلان کرنے والی ہستی سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ ایک گروہ وہ تھا جس نے حق کو پہچان لیا تھا اور معرفتِ حق کا جو ذریعہ تھا اسے بھی پہچان لیا تھا اس لیے اس گروہ کو اللہ کے رسول ﷺ سے اس درجہ محبت ہوگئی تھی کہ شمع پر جس طرح پروانے گرتے ہیں اس طرح اپنی جان نثار کرتے تھے۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے میدانِ بدر، میدانِ احد اور خیبر کے واقعات کا ایک سرسری مطالعہ فرمائیے تو شمع اور پروانے کی حقیقت سے بھی زیادہ محبت کا چہرہ نظر آئے گا۔ دوسری طرف اس محبت کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ نخلِ تبلیغ ہر اس دور میں بارآور ہوا جہاں حضور ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد محبت کا جذبہ اسی طرح قایم رہا۔ چنانچہ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ، سیّدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ، سیّدنا علی کرم اللہ وجہہٗ ابن ابی طالب، اہلِ بیت اطہار علیہم اجمعین، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور ایسے دیگر حضرات کے عہد کا جایزہ لیجیے۔ اللہ کا رسول ﷺ بظاہر درمیان میں نہیں ہے لیکن اس سے محبت کا وہ رشتہ مضبوطی سے قایم ہے تو تبلیغِ اسلام بھی ایسی ہی تیزی سے پروان چڑھ رہی ہے اور جس دور میں یہ رشتۂ محبت ہاتھ سے چھوٹ گیا وہاں تاریخ نے بھی مسلمانوں کی طرف سے منہ موڑ لیا، اس کا راستہ جدا ہوگیا کیونکہ مسلمان کی تاریخ اور ہے اور سلاطینِ زمانہ کی تاریخ اور ہے۔

گریہ حنانہ پر اعتراض:

جب عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں تو انسان کیسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ ہمارے ایک مہربان نے تحریر کیا کہ درخت (حنانہ) بھلا کس طرح رو سکتا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ رونے کے لیے احساس، پھر دل ودماغ، پھر رونے کی آواز کے لیے پھیپھڑوں اور نظامِ تنفس اور گلے کے نظام جسمانی کی ضرورت ہوتی ہے، یہ سب کچھ

ایک درخت میں کیوں کر ہو سکتا ہے؟ پھر معجزہ تو کفار و مشرکین کو دکھانے کے لیے ہوتا ہے، جس وقت یہ واقعہ ہوا مسجدِ نبوی ﷺ اللہ کے ماننے والوں اور جاں نثاروں سے بھری ہوئی تھی پھر اس معجزے کی کیا ضرورت تھی؟

یہ خیالات ڈاکٹر برق نے اپنی کتاب ''دو اسلام'' میں صفحہ ۲۳۷ پر شدید اعتراض کی صورت میں پیش کیے ہیں، ہم ڈاکٹر صاحب کو کیا جواب دیں، وہ تو خود ہی متضاد باتیں کر رہے ہیں: ایک طرف تو کہہ رہے ہیں کہ یہ معجزہ تھا، اس کی ضرورت وہاں نہیں تھی کہ وہ مجمع کفار و مشرکین کا نہیں بلکہ جاں نثاروں کا تھا، دوسری طرف ڈاکٹر صاحب نظام تنفس اور پھیپھڑوں کے درمیان پھنس کر رہ گئے۔ ہمیں وہ شعر پھر یاد آ گیا جو کسی جگہ آغاز میں ایسی ہی کسی شخصیت کے لیے پیش کیا تھا:

آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہلِ مرکب ابدالدہر بماند

دو اسلام کی بجائے ایک اسلام:

کاش ڈاکٹر صاحب نے دو اسلام کی بجائے ایک اسلام، جس میں قرآن نازل ہوا، اس کا مکمل مطالعہ کیا ہوتا۔ جہاں فرعون اور اس کی قوم جب ہلاکت سے ہمکنار ہوئی تو قرآن نے کہا:

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ (تو ان پر آسمان اور زمین نہیں روئے)

اب یہاں آسمان اور زمین کے نظام تنفس کو تلاش کرنا بھی ضروری ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (1/8)

(اور ان (پتھروں) میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں)

اسی طرح ایک اور جگہ:

لَوْ أَنْزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ

ترجمہ: اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے جھکا ہوا، پاش پاش ہوتا۔

سر سید احمد خان کا بھی یہی تصور تھا بلکہ وہ تو بہت آگے نکل گئے۔ ان کی تفسیرِ قرآن، جو مکمل نہ کر سکے، پڑھیے اور دیکھیے وہ کیا کیا سوچتے ہیں اور کہتے بھی ہیں۔ انھوں نے بہت سی باتوں کا شروع سے انکار ہی کر دیا۔ آیات بہت ہیں، جن کے مزید حوالے دیے جا سکتے ہیں، لیکن اس طوالت کی ضرورت نہیں۔

استن حنانہ کا واقعہ جو ڈاکٹر برق کی فہم سے بالاتر ہے:

''ابھی مسجدِ نبوی ﷺ کا منبر تیار نہیں ہوا، اس کی جگہ کھجور کا ایک ستون ہے۔ حضور رحمتِ عالم ﷺ اپنی پشتِ مبارک لگا کر وعظ فرماتے ہیں۔ جب منبر شریف تیار ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس پر اپنی نشست بنالی۔ کھجور کے اس درخت کو آپ ﷺ سے قرب کی اس محرومی نے اتنا غمزدہ کر دیا کہ وہ زار و قطار رو دیا۔''

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ:

استنِ حنانہ در ہجرِ رسول ﷺ
نالہ می زد ہمچو اربابِ عقول

''آپ ﷺ نے جب رونے کی آواز سنی تو آپ ﷺ منبر شریف سے اتر گئے اور استن حنانہ کے قریب آئے، اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔ سرکار مدینہ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم، اگر اسے اپنے سینے سے نہ لگاتا تو یہ قیامت تک یوں ہی گریہ کرتا۔ پھر آپ ﷺ نے اسے کٹوا کر منبر شریف کے نیچے دفن کرا دیا اور اس طرح اپنے محبوب ﷺ کا قرب ابدی اسے نصیب ہو گیا۔''

(زرقانی علی المواہب جلد چہارم، ص ۱۳۸، بخاری شریف)

اِسْمُهُ

مَكْتُوبٌ مَّرْفُوعٌ مَّشْفُوعٌ

مَّنْقُوشٌ فِي اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

ابوالبشر علیہ السلام نے اسے عرش پر لکھا دیکھا
تھا اس قدر وہ نمایاں، درود تاج میں ہے

تلاشِ رُتبہ زاغ البصر میں چشمِ خیال
رہا نصیب میں حرماں، درود تاج میں ہے

شریکِ کلمہ طیّب ، مقامِ اسمِ حبیب ﷺ
یہ رفعتِ شہِ ذیشاں درود تاج میں ہے

دیا ہے لوح کو اعزاز اور قلم کو شرف
وہ اسمِ صاحبِ قرآں درود تاج میں ہے

اِسْمُهٗ مَكْتُوْبٌ مَّرْفُوْعٌ مَّشْفُوْعٌ مَّنْقُوْشٌ فِي اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

ممکن نہیں اس نام کی توصیف زباں سے
مل جائے اشارہ کوئی آیاتِ قرآں سے (ادیب)

نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے:

قرآن کے بعد اس اسمِ مبارک کی تعریف میں حضرت حسان وکعب، ابن رواحہ، نابغہ جعدی وصرصر وابنِ جابر و برعی، بوصیری وشوقی، حافظ و خاقانی، عرفی و رومی رضوان اللہ علیہم اجمعین زمزمہ خواں رہے۔ سنائی، سعدی وجامی، قدسی وخسرو، رضا، نبھانی، حالی واقبال رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نوا پیرا ہوئے کہ جن کے قلب عشقِ محمد ﷺ کا نشیمن بنے اور یہ سلسلہ ہر دور، ہر عہد اور خطۂ زمین پر جاری ہے۔

خیمہ افلاک کا اِستادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

حضور رحمت للعالمین ﷺ کے اسم مبارک پر گزشتہ اوراق میں بھی تحریر کیا گیا لیکن بعض باتیں اسمہٗ کے زیرِ عنوان پیش کرنی تھیں اس لیے انھیں یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ اسمِ محمد ﷺ اپنے وصف اور اپنی تعریف کے پھیلاؤ میں اتنا وسیع ہے کہ زمین وزماں اور مکین و مکاں سب اس کے دائرہ میں محدود ہیں۔ ایک میں ہی نہیں، اس پر ایسی ایسی ہستیاں، جنھیں زمانہ بحر العلوم کہتا ہے، وہ علوم کا بحر ہوتے ہوئے بھی اس نام اقدس کی مکمل تشریح کے حق سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے، البتہ اس سعادت سے محروم نہیں رہے کہ جو کچھ ملا اور جہاں جہاں

سے علاوہ موتی قرطاس پر چن دیے۔ اس فقیر کو سعادت میسر آئی ہے کہ درود تاج کے وسیلے سے یہ بھی جو کچھ حاصل کر سکا، پیش کر رہا ہے۔

امام الائمہ المحدث الشیخ احمد بن محمد ابن ابی بکر الخطیب القسطلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ تالیف "المواہب اللدنیہ" میں اس موضوع "اسمِ محمد" (ﷺ) پر عالمانہ بحث کی ہے اور بقول میرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھتے ہوئے کی ہے:

خدا در انتظار حمدِ ما نیست
محمد ﷺ چشم در راہ ثنا نیست

اور عمر خیام کی اس فکر پر:

از جان و جہان و ہر چہ در عالم ہست
مقصود توئی و بر محمد ﷺ صلوات

یعنی جمیع ما کان وما یکون کا آپ ﷺ مقصود ہیں۔ یا محمد ﷺ آپ پر درود و سلام۔ احمدِ مجتبیٰ محمد ﷺ کے ان اسماء مقدس و مبارکہ کے بیان میں، جو آپ ﷺ کے کمالات و صفات منیفہ پر دلالت کرتے ہیں (منیفہ کے معنی کمال میں اپنے غیر سے زیادہ) علامہ نے علم کے موتی بکھیر دیے ہیں، مثلاً: فرماتے ہیں:

"تم جان لو کہ اسماء اسم کی جمع ہے۔ اسم لغت میں وہ کلمہ ہے جس کو عرب نے مسمّی کے مقابلے میں وضع کیا ہے۔ جس وقت کلمہ کا اطلاق کیا جاتا ہے اس تعریف میں چار چیزوں کی مراعات ضروری ہے: ایک اسم، دوسرا مسمّٰی بفتح میم ثانی (یعنی میم پر زبر)، تیسرا مسمّی بکسر میم ثانی (یعنی دوسرے میم پر زیر)، چوتھا تسمیہ۔"

یہ بحث عالمانہ بھی ہے اور دلچسپ بھی، لیکن یہاں اس بحث کو پیش کرنا غیر ضروری ہے البتہ جو بات اسمہٗ (محمد ﷺ) کا بقیہ حصہ تھا اسے علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پیش کرتا ہوں، اگرچہ علامہ شیخ محمد یوسف بنوری مدظلہٗ نے اپنی تصنیف "معارف السنن" کی تیسری جلد کے صفحہ ۳۲۳ پر اپنے مستقل عنوان "ماہو افضل بقاع الارض" کے تحت اس

موضوع پر ان الفاظ میں فیصلہ دیا ہے:

هي افضل من السموات والعرش والكعبة ......وقول السروجي من الحنيفية لم نجد من تعرض لهذا في مذهبنا۔

ترجمہ: قبرِ اطہر سات آسمانوں، عرشِ مجید اور کعبۃ اللہ ...... سے افضل ہے اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

اندازہ فرمائیے کہ جب قبرِ اطہر کا مقام یہ ہے، یعنی ان سات آسمانوں تک کسی کی رسائی نہیں، عرشِ مجید کے مقام و مراتب کا جاننا ممکن نہیں اور کعبۃ اللہ کی فضیلت سے آگہی کا کوئی دعویدار نہیں تو اسمِ ذاتِ اقدس ﷺ کے کمال و اوصاف کون بیان کر سکتا ہے؟ یہ بات اس سعادت سے بہرہ ور ہونے کی ہے کہ وہ اس حق سے عہدہ برآ ہو جائے کہ حتی المقدور جوہر دکھائے۔

حضور ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے اپنے فرزند کا نام کیا رکھا ہے تو آپ نے فرمایا محمد ﷺ۔ لوگوں نے پھر سوال کیا کہ اے عبدالمطلب علیہ السلام! یہ نام کس لیے رکھا؟ کیوں کہ یہ نام تو آپ کے باپ دادا میں اور نہ ہی آپ کی قوم میں کسی کا ہوا ہے تو آپ (عبدالمطلب علیہ السلام) نے جواب میں فرمایا:

"میں یہ امید کرتا ہوں کہ کُل اہلِ زمین میرے فرزند کی مدح کریں۔"

اس نام مبارک کے رکھنے کے اسباب بیان کرتے ہوئے اس خواب کی حدیث کو علی القیروانی العابر نے اپنی کتاب (البیان) میں کچھ اس طرح کہا ہے کہ عبدالمطلب علیہ السلام نے تحقیق اپنے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک ایسی زنجیر چاندی کی ان کی پشت سے نکلی کہ ایک طرف اس کی آسمان میں ہے اور ایک طرف زمین میں ہے، اور ایک طرف اس کی مشرق میں ہے اور ایک طرف اس کی مغرب میں ہے۔ پھر وہ زنجیر ایسا درخت ہو گئی جس کے ہر پتے پر نور تھا اور یکایک میں نے اہلِ مشرق اور مغرب کو دیکھا گویا وہ اس سے لٹک رہے ہیں۔

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے یہ خواب ایک کاہنہ سے بیان کیا، اس نے عبدالمطلب علیہ السلام کو ایسے مولود سے تعبیر دی کہ ان کے صلب سے ہوگا اور اہلِ مشرق و مغرب اس کا اتباع کریں گے اور اہلِ آسمان اور اہلِ زمین اس مولود کی مدح کریں گے۔

اس لیے دادا نے پوتے کا نام محمد ﷺ رکھا۔

''استیعاب'' میں ابنِ عبدالبر نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے اور محمد بن جبیر بن مُطعم نے بھی اپنے والد سے اس روایت کو بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ میں محمد ﷺ ہوں، میں احمد ﷺ ہوں، میں ماحی ﷺ ہوں کہ میرے سبب اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا، اور میں وہ حاشر ﷺ ہوں کہ میرے آثارِ قدم پر آدمی حشر کیے جائیں گے اور میں عاقب ﷺ ہوں، یعنی میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ یہ حدیث شیخین سے بھی روایت ہوئی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ آدمی میرے قدم کے نشان پر اور میرے زمانے اور میری رسالت میں حشر کیے جائیں گے، یعنی جو بات ابوالحارث (جناب عبدالمطلب کو ابوالحارث کہہ کر بھی مخاطب کیا جاتا تھا) نے کہی تھی کہ میں نے یہ نام اپنے باپ دادا اور قوم کی روایات سے ہٹ کر اس لیے رکھا کہ اہلِ آسمان اور اہلِ زمین اس مولود کی مدح کریں گے اور کاہنہ نے جو تعبیرِ خواب دی تھی کہ اہلِ مشرق اور مغرب اس مولود کا اتباع کریں گے، اس حدیث سے یہی بات سامنے آئی۔ اس حدیث کے درست ہونے کی تصدیق امام بخاری کی ''تاریخِ صغیر'' اور ''اوسط'' سے، حاکم کی ''مستدرک'' سے اور ابونعیم کی ''دلایل النبوۃ'' سے بھی ہوتی ہے۔ ان سب کا اس حدیث پر اتفاق ہے۔

مزید یہ بات بتاتا چلوں کہ رحمتِ عالم ﷺ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں (ان لی خمسة اسماء: حدیث)، پھر علماء نے آپ ﷺ کے ناموں پر تحقیق کی اور وہ کثیر ہیں تو ایسا کیوں ہے؟ اس پر تفصیلی بحث ''المواہب اللدنیہ'' میں بھی ہے اور دیگر علماء محققین نے بھی اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اب یہ آپ کے ذوقِ مطالعہ کی بات ہے کہ آپ ان تفاصیل سے اپنے آپ کو آگہی بخشیں۔

قاضی ابوبکر ابن العربی نے اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں قرآن و حدیث سے تفحص کے بعد اسمائے مبارکہ کی تعداد تین سو تک بتائی ہے، لیکن بعض صوفیائے کرام کے نزدیک نبیِ کریم ﷺ کے اسمائے مبارکہ باعتبارِ صفت ایک ہزار ہیں، یعنی تمام اسمائے مقدسہ جو وارد ہوے وہ اوصافِ مدح ہیں۔ یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ اسم کا اطلاق صفت پر

اس لیے کیا جاتا ہے کہ صفت اسم پر غالب ہوتی ہے، یا اسم اور صفت دونوں ذات کی تعریف میں مشترک ہوتے ہیں اور ذات کو اس کے غیر سے تمیز دیتے ہیں۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسمِ محمد ﷺ اور اسمائے صفاتی کی جو بحث ''المواہب اللدنیہ'' کی دوسری جلد میں کی ہے اور ایک ایک اسم صفت کے معانی و مطالب جس تحقیق سے بیان کیے ہیں وہ ایک سو نوے صفات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اتنا لکھ کر بھی وہ لکھتے ہیں:

''تم جان لو کہ ہم کو کوئی راستہ نہیں ہے کہ ہم سب اسمائے شریفہ کی کامل شرح لکھیں۔''

اس تفصیل کو ملاحظہ فرمائیں تو درود تاج میں جو اسمائے صفات اور القاب شامل ہیں ان میں سے بیشتر اس تفصیل میں شامل ہیں۔

اسمائے نبیِ کریم ﷺ بھی ایک ایسا موضوع ہے جسے اگر پھیلایا جائے تو ایک کتاب کی صورت بن سکتی ہے، یعنی آپ ﷺ کے اسمائے مبارکہ، جن کا ذکر خود آپ ﷺ نے بیان فرمایا، دوئم قرآنِ کریم میں جو آپ ﷺ کے صفاتی اسمائے مبارکہ ہیں اور جن کی تلاش علمائے تحقیق نے فرمائی اور وہ اسمائے مبارکہ صفاتی جو آپ ﷺ کی صفات پر مبنی ہیں اور جو قرآنِ کریم و دیگر صحائفِ سماوی مثلاً انجیل، توریت اور زبور میں وارد ہوے؛ اور جو ان مقدس کتابوں کے علاوہ ہیں۔ جو کچھ یہاں پیش کیا وہ اختصار سے، انشاءاللہ تعالیٰ زندگی نے وفا کی تو عالمِ اسلام میں پھیلے ہوے ان صفحات کو یکجا کر کے اپنے محترم قارئین کی خدمت میں پیش کر سکوں گا۔

اسمائے مبارکہ صفاتی ہزار ہوں یا کم و بیش ان اسماء کی تشریح علمائے تحقیق نے جس جس انداز سے فرمائی ہے وہ محبتوں اور عقیدتوں کا وہ سفر ہے جو قاری کو اپنی منزل سے قریب تر کر دیتا ہے۔ اس ضمن میں علامہ امام حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شاندار کارنامہ انجام دیا ہے جب کہ دیگر محدثین نے بھی اس فرض سے بخوبی عہدہ برآ ہونے کی سعی فرمائی ہے۔ لیکن حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ الشافعی کا اپنا ایک منفرد انداز ہے جسے مکمل تو نہیں بطور نمونہ پیش کر رہا ہوں۔ آپ نے سرکارِ مدینہ ﷺ کے اسمائے مبارکہ کو حروفِ معجم پر ترتیب دیا ہے۔ حرف الف سے آپ ﷺ کے اسماء کی تعداد ستر ہے جو پیشِ خدمت ہے:

الابر باللہ، احمد، اطیب النّاس ریحا، امام الخیر، الابطحی، احید، الاعز، امام المتقین، اتقی الناس، الاعلیٰ، امام المرسلین، الاجود، آخذ الصدقات، الاعلم باللہ، امام النبیین، اجود الناس، الآخر، اکثر الناس تبعا، الامام، الاحد، ارحم الناس بالعباد، الاکرم، الآمر والناھی، الاحسن، الازھر، اکرم الناس، الآمن، احسن الناس، الاصدق فی اللہ، المص، امنۃ الصحابہ، الامین، الامی، انعم اللہ، الاول، اول شافع، اول مشفع، اول المؤمنین، اول من تنشق عنہ الارض، اول المسلمین، الارقی، الاجل، الاحشم، الارجح، الارحم، الاسد، الاشنب، اصدق الناس لھجۃ، الاطیب، الاعظم، الاعز، الاکلیل، الامجد، امام العالمین، امام العاملین، امام الناس، الامان، الامۃ، الم، المر، اسعی، الانور، المتجرد، الاواہ، الاولیٰ، اول مرسل، آیۃ اللہ۔

صرف یہی نہیں کہ اسمائے صفات کو تلاش کیا اور پیش کر دیا بلکہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر اسم کی تشریح بھی پیش کی ہے، مثلاً یہاں صرف ''الامین'' کی شرح کا حوالہ پیش کرتا ہوں:

الامین: اس اسم شریف کو ابنِ فارس نے ذکر کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس کے ساتھ اس لیے رکھا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حافظِ وحی ہیں اور طاعتِ الٰہی پر قوی ہیں۔ فعیل بمعنی فاعل ہے، مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوعاً روایت کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الا تامنونی وانا امین من فی السماء یاتینی خیر من السماء صباحا ومساء۔

اللہ نے فرمایا: انہ لقول رسول کریم، ذی قوۃ عندہ ذی العرش مکین مُطَاعٍ ثم امین۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر مفسّرین کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ اس جگہ رسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آپ کے صغرسن میں اس لیے امین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوفا، صادق القول اور قاذورات اور پلیدیوں سے پاک تھے۔ قریش نے بنائے کعبہ کے

وقت یہ کہا تھا: ھذا الامین رضینا۔ (مزید تفصیل ہے لیکن اختصار سے اتنا ہی پیش کرتا ہوں۔)

اسی طرح حرف الباء کی تختی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے صفاتی البر سے شروع ہو کر البینہ پر ختم ہوتے ہیں اور اسی طرح ہر اسم کی شرح ساتھ ساتھ ہے جو الیاء سے یٰس پر ختم ہوتی ہے۔ صرف یہ ہی نہیں، مزید احادیث سے جن اسمائے مبارکہ پر تحقیق ہوئی وہ مزید ہیں۔ الغرض اس ذات اقدس کے جس طرح اوصاف حمیدہ کی تعداد معلوم نہیں ان کے اسمائے صفات کی تعداد کا تعین بھی ممکن نہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر علماء، شعراء، اہلِ علم و دانش نے اپنے اپنے طریق سے بہت کچھ لکھا لیکن یہ بات کسی نے کہیں نہیں لکھی کہ ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں سارا جہان لکھ رہا ہے اور لکھتا رہے گا لیکن تعریف کا حق پھر بھی ادا نہ کر سکے گا۔ کیا یہ معجزہ نہیں؟ وہ شاعر خوش بخت حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں جنھوں نے فرمایا:

ان من معجز اتک العجز عن
وصفک اذلا یحدہ الاء حصاء

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان نہ کر سکنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے جب کہ شماریات ان کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

گنبدِ سبز کے سایے میں ہیں اشعار بوصیر رحمۃ اللہ علیہ
دے رہا ہے وہ ثناء گوئی کو رتبے کیا کیا

قصیدہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام:

سنا بھی ہے اور پڑھا بھی ہے کہ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور قصیدہ بردہ کے کچھ اشعار مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبدوں میں کندہ ہیں، اس قصیدے کے اوجِ مقدر کا کیا کہنا کہ آج بھی جوارِ رحمت میں ہے۔

اسی لیے مصنف درود تاج نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک کی تعریف میں یہ اضافہ خاص طور پر فرمایا کہ لوح و قلم پر بھی یہ نام مکتوب ہے۔ اسے اتنی بلندی و رفعت دی گئی کہ کلمے میں اللہ کے نام کے ساتھ ملا دیا گیا اور پھر اس اسمِ مبارک کا نقش لوح اور قلم دونوں پر ہے۔

ایک صاحب، جنھیں امام الصوفیاء اور مجتہد العصر بھی لکھا جاتا ہے ان کا نام محمد جعفر پھلواروی ہے، نہ جانے ان کے خیال میں اچانک کیا آیا درود تاج پر اعتراضات کی بوچھاڑ کردی۔ یہ اعتراض بغرضِ اشاعت کراچی کے ایک ماہنامے کو دے دیے اور اس نے بھی اسے اپنے عقیدے کی مضبوط دلیل سمجھ کر بڑے طمطراق سے شایع کر دیا۔ ہم کسی کے علم کا پردہ فاش کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، خدا کی ذات ستار العیوب ہے لیکن ہم کیا کریں کہ اس کا جواب اگر نہ دیں تو ہزاروں معصوم ذہن انھی کی طرح عصبیتِ علمی کا شکار ہو جائیں گے اور درود تاج کے متعلق ان کے جذبات پاکیزہ بری طرح مجروح ہوں گے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی شریف میں ایسے لوگوں کے لیے فرمایا:

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
مَیلش اندر طعنۂ پاکاں زند

یعنی جن کے دلوں میں خدا کے نیک بندوں سے بغض پوشیدہ ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو ان کی پردہ دری منظور ہوتی ہے تو وہ انھیں اپنے نیک بندوں کے حق میں طعنہ زنی پر مایل کر دیتا ہے۔ درود تاج پر جہاں جہاں بھی اعتراض ہوے، وہ کتنے اور کن حضرات نے کیے ہیں، معلوم نہیں اور ان تمام کا جواب دینا بھی ضروری نہیں البتہ جو اعتراض علمی ہو تو اس کا جواب دینا کافی ہے کیونکہ ابھی تو مستقبل میں بھی یہ سلسلہ ممکن ہے جاری رہے۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ردِ اعتراض سے گریز کیا جا رہا ہے اس لیے درود تاج پر کیے گئے پہلے اعتراض کا جواب پیش کرتا ہوں۔ یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ ملتان شہر کی وہ عظیم المرتبت ہستی، جنھیں غزالیِ دوراں اور رازیِ زماں کے خطابات دیے گئے تھے، حضرت علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پھلواروی صاحب کے اعتراضات کا اس انداز سے جواب تحریر فرمایا کہ پھلواروی صاحب کی علمیت کا بھانڈا پھوڑ دیا۔

پھلواروی صاحب کا پہلا غیر علمی اعتراض:

پھلواروی صاحب کہتے ہیں عربی میں ''مشفوع'' اسے کہتے ہیں جو مجنون ہو یا اسے بدنظر لگی ہو یا وہ طاق سے جفت کیا گیا ہو۔ یہ سارے معنی بے محل ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ

مشفوع لہٗ نہ ہو، لیکن یہاں یہ معنی لینا بھی صحیح نہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ''شافع'' ہیں۔ ''شفیع'' اور ''مشفّع''، یعنی شفاعت کرنے والے، مقبول الشفاعت ہیں، مشفوع لہٗ نہیں۔ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کون شفاعت کر سکتا ہے؟

یہ ہے پھلواروی صاحب کا عالمانہ اعتراض جو کسی بھی قاری کی نظر سے گزرے تو درود تاج کی عربی عبارت کی کمزوری کا تصور اس کے عقیدہ محبت اور ایمان کی کمزوری کا سبب بن جائے۔

یہ پہلا اعتراض ہے، مزید اعتراضات قاری کو دل برداشتہ کر دیں اور وہ اس کی تلاوت سے کنارہ کش ہو جائے۔

علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب:

حضرت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پھلواروی صاحب کا یہ اعتراض پڑھ کر میری حیرت کی انتہاء نہ رہی، ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے کہ انھوں نے لفظ مشفوع سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سمجھ لی حالانکہ درود تاج میں ذاتِ مقدس کے لیے نہیں بلکہ لفظ مشفوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک کے لیے استعمال ہوا ہے (مجھ جیسا طالب علم بھی حیرت میں ہے کہ لفظ مشفوع سے پہلے اسمہٗ آیا ہے تو مشفوع لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کے معنی نکالنا یقیناً خبطِ عقل کا نتیجہ ہے)۔

ذاتِ مقدس یقیناً مشفوع لہٗ نہیں، نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظرِ بد لگے ہوے ہیں، نہ ذاتِ مقدسہ کے حق میں ''مجنون'' کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ جب یہ معنی یہاں متصور ہی نہیں تو ان کے ذکر کی یہاں کیا ضرورت پیش آئی؟

مشفوع کی لغوی بحث:

علامہ فرماتے ہیں: صاحبِ درود تاج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کو نہیں بلکہ اسم مبارک کو مشفوع کہا ہے، جو الشفع سے ماخوذ ہے، الشفع کے معنی ہیں کسی چیز کی طرف اس کی مثل کو ملانا اور طاق کو جفت کرنا۔ قرآنِ پاک کی سورۃ الفجر میں ہے: وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (پ ۳۰: قسم ہے جفت کی اور قسم ہے طاق کی)۔ لغت کی مشہور کتاب ''المنجد'' میں شفع، شفعا

کے تحت مرقوم ہے:

شفع .... الشئی صیرہ شفعاً ای زوجاً بان یضیف الیہ مثلہ۔

(المنجد ص ۳۹۵ طبع بیروت) یعنی شفع الشّئ کے معنی ہیں: ''اس نے شئے کو شفع یعنی جفت کر دیا'' بایں طور کہ ایک شئے کی طرف اس کی مثل کو ملا دیا۔

ایک اور مثال: اسی طرح ''اقرب الموارد'' میں ہے:

شفع.... شفعاً صیرہ شفعاً ای زوجاً ای اضاف الی الواحد۔

ثانیاً.... یقال کان وتراً فشفعہ باخر ای قرنہ بہ۔

(اقرب الموارد ص ۵۹۹ جلد ۱) یعنی شفعا شفع کے معنی میں: ''اس نے کسی چیز کو شفع کر دیا یعنی اسے جفت بنا دیا یعنی ایک کی طرف دوسرے کو ملا دیا۔ اہلِ عرب کا مقولہ ہے کہ وہ طاق تھا، اس نے دوسرے کو اس کے ساتھ ملا کر جفت کر دیا یعنی ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا۔''

علامہ مزید فرماتے ہیں: ''درود تاج میں لفظ مشفوع، الشفع سے ماخوذ ہے اور الشفع متعدی ہے اس کا اسم مفعول مشفوع ہے۔ (قاری صاحبان کو یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ متعدی اس فعل کو کہتے ہیں جس میں فاعل کے لیے اسم مفعول ضروری ہو۔) مشفوع جو مقرون اور جفت کے معنی میں ہے اور اسمہٗ مشفوع کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کلمے میں، اذان میں، تکبیر میں اپنے اسمِ مبارک کے ساتھ اپنے حبیب ﷺ کا مبارک نام ملا دیا۔ یہ مقرون کے معنی ہیں۔ اور اذان و اقامت میں اسے ''وتر'' یعنی طاق نہیں رکھا گیا بلکہ اسے جفت بنا دیا گیا۔ مؤذن اور مکبّر، اذان و تکبیر میں حضور ﷺ کا نام ایک بار نہیں بلکہ دو بار پکارتا ہے اور یہی طاق کو جفت بناتا ہے۔

''اسمِ الٰہی کے ساتھ حضور ﷺ کے نام کا متصل ہونا اور اذان و تکبیر میں حضور ﷺ کے نام کا دوبارہ پکارنا اسمہٗ مشفوع کے معنی میں اور یہ بالکل واضح، برمحل اور مناسب ہیں، انھیں نامناسب اور بے محل قرار دینا کج فہمی اور نادانی ہے۔''

قارئینِ کرام! قرآنِ کریم میں اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ کی تکرار بھی آپ کی نظر سے گزری ہوگی، اس کے علاوہ اور بھی مقامات پر یہ نام اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آیا ہے، ذوق مطالعہ ہو تو دیکھ لیں۔

علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جملہ پھلواروی صاحب کے لیے ارشاد فرمایا ہے، آپ تک پہنچا رہا ہوں:

''اگر کوئی یک چشم دو طرفہ بازار سے گزرے اور یہ کہے کہ شہر تو بہت خوبصورت ہے مگر بازار ایک ہی طرف ہے تو جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ بازار تو دونوں طرف ہے، پھر اسی ایک بازار بند ہے تو کیا کیا جائے۔''

پھلواروی کا دوسرا اعتراض منقوش پر:

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: ''پھر نام مبارک اسمہٗ کا منقوش فی اللوح ہونا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن منقوش فی القلم ہونا نرالی سی بات ہے، اگر منقوش فی اللوح بالقلم ہوتا تو بات پھر بھی واضح ہو جاتی۔''

اب حضرت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اس کا بھی جواب مرحمت فرماتے ہیں:

''پھلواروی صاحب نے یہاں بھی ٹھوکر کھائی کہ اس لوح و قلم کا قیاس دنیا کی تختی اور قلم پر کر لیا اس لیے وہ فرما رہے ہیں کہ ''نام مبارک کا منقوش فی اللوح ہونا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن منقوش فی القلم ہونا نرالی سی بات ہے۔'' الحمد للہ لوح میں اسمِ مبارک کا منقوش ہونا تو آپ کی سمجھ میں آ گیا البتہ قلم میں منقوش ہونا صرف اس لیے آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آپ نے قیاس مع الفارق سے کام لے کر یہ سوچا کہ قلم لکھتا ہے، اس پر لکھا نہیں جاتا مگر آپ کی یہ سوچ اس عالمِ بالا تک نہیں پہنچ سکتی جہاں لوح و قلم تو در کنار ساقِ عرش پر بھی رسول اللہ ﷺ کا اسمِ مبارک منقوش ہے جب کہ حضور ﷺ کے اسمِ مبارک کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب سے مرفوعاً مروی ہے:

کان مکتوباً علی ساق العرش لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس حدیث کو طبرانی، حاکم، ابو نعیم اور بیہقی نے روایت کیا۔ حوالے کے لیے دیکھیے: تفسیر فتح العزیز، پارہ ۱، ص ۱۸۳، طبع نول کشور، لکھنو، بھارت۔ روح المعانی جلد اوّل، جز ۱، ص ۲۳۷۔ روح البیان جلد پہلی، ص ۱۱۳، طبع بیروت۔ خلاصۃ التفاسیر جلد اول، ص ۲۹، طبع انوار

محمدی، لکھنؤ۔ اسی طرح دُرِ منثور میں بھی ہے (بحوالہ خلاصۃ التفاسیر)۔ ایسی صورت میں حضور ﷺ کے اسمِ گرامی کے قلم میں منقوش ہونے کو نرالی بات کہنا بجائے خود نرالی سی بات ہے۔"

آخر میں علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اسمِ مبارک کا لوح میں مکتوب ہونا حضور ﷺ کے لیے کوئی وجہِ فضیلت نہیں، لوح میں تو ہر چیز مکتوب ہے، حضور ﷺ کی فضیلتِ عظمیٰ اور اہم ترین خصوصیت تو یہ ہے کہ نشانِ عظمت کے طور پر صرف لوح نہیں قلم پر بھی اسمِ مبارک مثبت و منقوش ہے، بلکہ ساقِ عرش پر بھی حضور ﷺ کا نام مبارک لکھا ہوا ہے۔ یہ حضور ﷺ کی اس رفعتِ شان کی ایک جھلک ہے جس کا بیان اللہ تعالیٰ نے "و رفعنا لک ذکرک" میں فرمایا۔ اگر پھلواروی صاحب اس کا انکار کریں تو ہمارے نزدیک ان کا یہ انکار پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا جب کہ آیتِ قرآنیہ اور اس کی مطابقت میں حدیثِ مذکورہ بھی حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی عظمت و رفعتِ شان کا اعلان کر رہی ہے۔ صاحبِ درود تاج نے حضور ﷺ کے اسمِ مبارک کے منقوش فی اللّوح والقلم ہونے کا ذکر اسی نشانِ عظمت و رفعت کے طور پر کیا ہے جسے پھلواروی صاحب نہیں سمجھ سکتے۔"

(علامہ کا بیان یہاں ختم ہوا)

زرقانی علی المواہب میں رقم ہے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"حضرت آدم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا! اے میرے بیٹے! میرے بعد خلیفہ ہو۔ پس خلافت کو تقویٰ کے تاج اور محکم یقین کے ساتھ پکڑے رہو اور جب تم اللہ کا ذکر کرو تو اس کے متصل نام محمد (ﷺ) کا ذکر کرو کیونکہ میں نے ان ﷺ کا نام عرش کے ستونوں پر لکھا ہوا دیکھا ہے جب کہ میں روح و طین کے درمیان تھا۔ پھر میں نے تمام آسمانوں پر نظر کی تو مجھے کوئی جگہ ایسی نظر نہ آئی جہاں نام محمد (ﷺ) لکھا ہوا نہ ہو۔ ربّ نے مجھے جنت میں رکھا تو میں نے جنت کے ہر محل، ہر بالاخانے اور برآمدے پر اور تمام حوروں کے سینے پر، جنت کے تمام درختوں کے پتوں پر، شجرِ طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر، پردوں کے کناروں پر اور فرشتوں کی آنکھوں میں نام محمد ﷺ لکھا ہوا دیکھا ہے لہٰذا تو کثرت سے ان کا ذکر کیا کر، کیونکہ فرشتے ہر وقت ان کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔

اقبل آدم علی ابنه شیث فقال ای بُنَیَّ انت خلیفتی من بعدی

فخذها بعمارة التقویٰ والعروة الوثقیٰ فکلما ذکرت الله فاذکر الی جنبه اسم محمد فانی رایت اسمه مکتوباً علیٰ ساق العرش و انا بین الروح والطین ثم انی طفت السمٰوات فلم ار فی السمٰوات موضعاً الا رایت اسم محمد مکتوباً علیه وان ربی اسکننی الجنة فلم ارفی الجنة قصراً ولا غرفة الا وجدت اسم محمدٍ مکتوباً علیه ولقد رایت اسم محمد مکتوباً علیٰ نحور الحور العین وعلیٰ ورق قصب اٰجام الجنة وعلیٰ ورق الشجرة طوبیٰ وعلیٰ ورق سدرة المنتهیٰ وعلیٰ اطراف الحجب و بین اعین الملٰئکة فاکثروا ذکره فان الملٰئکة من قبل تذکره فی کل ساعاتها۔ (زرقانی علی المواہب)

یہ بیان حضرت آدم علیہ السلام کا ہے لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے جتنا دیکھا، یا جتنا دکھایا گیا، انھوں نے بیان کر دیا، اب خدا ہی جانے کہ اس کے محبوب ﷺ کا نام کہاں کہاں ہے؟ تمام حجابات تو اس نے کسی پر نہیں اٹھائے، حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوبصورت شعر کہا:

اے کہ نامت را خدائے ذوالجلال
زد رقم بر جبہہ عرشِ بریں

بندگانِ خدا تک اسرارِ عرش و فرش یا انبیاء علیہم السلام کے ذریعے پہنچے یا نبیِ آخر الزماں ﷺ کے ذریعے، پھر نبی کو بھی جتنا حق سبحانہ وتعالیٰ نے بتایا اور اس میں رحمتِ عالم ﷺ نے جتنا مخلوق میں بتانا مناسب سمجھا۔ لوح و قلم کے متعلق بے شمار خیالات ذہنِ انسانی میں آئے اور بہت سوں نے اپنی اپنی فکر کے مطابق سمجھا اور جو سمجھا وہی دوسروں کو سمجھایا۔ اہل اللہ کا مقام جدا ہے۔ انھوں نے جو دیکھا وہ دیکھا، پھر دکھلانے والے نے اجازت دی تو بتایا ورنہ مہر بلب ہو گئے۔

لوحِ محفوظ پر کیا کیا تحریر ہے:

حضورِ نبی کریم ﷺ کو، جو "ماکان و ما یکون" کے عالم ہیں، آپ ﷺ نے

قرآن کے حوالے سے بتایا: كُلُّ صَغِيرٍ وَّ كَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ (ہر چھوٹی بڑی چیز لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے)۔

لَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ

ترجمہ: کوئی دانہ ایسا نہیں جو زمین کی اندھیریوں میں ہو اور کوئی تر اور نہ خشک چیز مگر لوحِ محفوظ میں ہے۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور لوحِ محفوظ کا ذکر:

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ لوح و قلم کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:

فان من جودک الدنیا وضرّتها
ومن علومک علم اللوح والقلم

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ بے شک دنیا و آخرت آپ کی بخشش سے ہیں اور لوحِ محفوظ اور قلم کا علم آپ ﷺ کے علوم میں سے ایک علم ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، جنھوں نے ''شفاء شریف'' کی شرح لکھی ہے، آپ شرح قصیدہ بردہ شریف میں کہتے ہیں:

وعلمهما یکون نهراً من بحور علمه و حرفاً من سطور علمه۔

ترجمہ: اور لوح و قلم کا علم آپ ﷺ کے علم کے دریاؤں میں سے ایک نہر اور آپ ﷺ کے علم کی سطروں میں سے ایک حرف ہے۔

گزشتہ اوراق سے ایک مرتبہ پھر یہ کلمات دہراتا ہوں: ''اہل اللہ کا مقام جدا ہے۔ انھوں نے جو دیکھا وہ دیکھا، پھر دکھانے والے نے اجازت دی تو بتایا ورنہ مہر برلب ہو گئے۔''

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت مجدّد الفِ ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے:

''علامہ طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، جو حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادوں کے معلّمِ خاص تھے، حضرت نے ان کی پیشانی کو بنظرِ خاص دیکھا تو بصیرت و کشف کی نگاہ سے معلوم ہوا کہ ان کی پیشانی پر ''شقی'' (بدبخت) لکھا ہوا ہے۔ حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادگان

سے یہ کیفیت بیان کی۔ صاحبزادے ملتمس ہوئے کہ حضرت دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ان کی شقاوت کو سعادت سے بدل دے۔ حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم نے لوحِ محفوظ میں نظر فرمائی تو وہاں بھی شقی ہی لکھا تھا۔ پھر آپ نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس قضائے مبرم کو بدل دیا اور شقاوت کا لفظ سعادت سے بدل گیا۔''

ایک قدم اور آگے اس پیکرِ روحانیت کا ذکر جن کا قول، جب تک سلسلۂ ولایت ہے، فضاؤں میں گونجتا رہے گا:

قدمی هذه علیٰ رقبة کل ولی اللہ۔
(میرا قدم تمام ولی اللہ کی گردن پر ہے۔)

روئے زمین پر اس قول کو سنتے ہی سب سے پہلے جس ہستی نے سر جھکایا وہ مشائخِ کبار سے تھے اور حضور سیّدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے عمر میں اٹھائیس سال بڑے تھے، الشیخ علی بن الہیتی رحمۃ اللہ علیہ، جنھیں شیخِ طریقت حضرت ابو الوفاء رحمۃ اللہ علیہ سے خرقۂ طریقت ملا تھا۔ آپ انتہائی ادب سے اٹھے، قریب ہوئے، آپ کے قدم مبارک کو اپنی گردن پر رکھ لیا اور آپ کے خرقۂ عالیہ کو اپنے سر پر ڈال لیا۔

''زبدۃ الاسرار و بہجۃ الاسرار''، جو مناقب و حالات قطبِ ربانی، غوث صمدانی، حضرت سیّد محی الدین ابی محمد عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ میں تصنیفِ لطیف ہے اور جس کے مصنف شیخ نور الدین ابی الحسن علی بن یوسف حریر الاخمی الشطنوفی شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، فرماتے ہیں:

وعزة ربی ان السعداء والاشقیاء یعرضون علی وان
عینی فی اللوح المحفوظ وانا غائص فی بحار علم اللہ۔

ترجمہ: مجھے ربّ العزت کی قسم! بے شک سعدا (نیک بخت) اور اشقیا (بدبخت) مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں اور میری آنکھ لوحِ محفوظ میں دیکھتی ہے، میں علمِ الٰہی کے سمندر میں غوطہ زن ہوں۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

قرآن و حدیث اور اقوال سلف صالحین کے بعد اب مزید بحث کی گنجائش نہیں، جیسے

جیسے جیسے آپ ان حضرات کا قرب حاصل کرتے جائیں گے آپ پر انکشافات کا دائرہ بھی پھیلتا جائے گا۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں لوح اور قلم کی جسمیت نہیں، نہ کوئی تختی ہے نہ کوئی قلم ہے، یہ تمثیل ہو سکتی ہے۔ پھر کیا ہے؟ تو فرماتے ہیں: ''علم لوح ہے اور ارادہ قلم۔'' اللہ جب اپنے کسی بندے پر مہربان ہوتا ہے تو اس پر غیب کے دروازے کھول دیتا ہے اور جسے بیان کی اجازت ملتی ہے وہی بولتا ہے۔

آخر میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ حضرت شاہ سلیمان پھلواروی، جو معترض جناب جعفر شاہ پھلواروی کے مرشد بھی ہیں اور پدرِ بزرگوار بھی، جنھوں نے اپنی کتاب ''صلوٰۃ وسلام'' میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ سید ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے درود تاج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں زیارت کے وقت پیش کیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس درود کے لیے منظوری عطا فرمائیے کہ یہ ایصالِ ثواب کے وقت ختم میں پڑھا جایا کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا۔ (صلوٰۃ وسلام، ص ۱۳)

یہاں اس حوالے کا مقصد یہ تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قصیدہ ''بانت سعاد'' (پہلا قصیدہ بردہ) پیش ہوا تو جس لفظ کو آپ نے مناسب نہ سمجھا نکال دیا اور اس کی جگہ خود اپنی طرف سے لفظ مرحمت فرمایا تو جب مولانا شاہ قاری سلیمان شاہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دی، اجازت لی اور درود تاج پیش فرمایا، اتنی بے شمار غلطیاں، جن کا انتخاب جناب جعفر شاہ پھلواروی نے گنوایا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر توجہ نہ فرمائی اور ویسا کا ویسا ہی قبول کرلیا اور موصوف کے والدِ بزرگوار کو اجازت مرحمت فرمادی۔ نعوذ باللہ۔ آپ غور کریں تو یہ گستاخی کہاں تک پہنچی؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے، آمین۔

ہم تو عاشقوں کی زبان پہچانتے ہیں اور عشق جو بولتا ہے، وہ کچھ بھی بولے، جھوٹ نہیں بولتا۔ عاشق نے کہا:

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب (اقبال)

اور ہم نے مان لیا!

سَیِّدِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ

عرب ہو یا کہ عجم، ہے انھیں صلی اللہ علیہ وسلم کی سرداری
یہ اوجِ شوکتِ ایماں درود تاج میں ہے

سَیِّدِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ

سیِّدِ اولادِ آدم ﷺ مشرق ومغرب ترے:

وہ، جنھیں بزمِ ہست وبود کا مسند نشین کہیے یا انھیں گلزارِ کن فکاں کی بہارِ حسیں کہیے۔ جنھیں سلطانِ انبیاء وشہنشاہِ مرسلین کہیے یا انھیں اس روئے زمین پر بسنے والے بیکسوں کا ولی اور معین کہیے۔ وہ چشمۂ جود وسخا، وہ آیۂ مہر ووفا رحمتِ تمام بن کر آئے تو مشرق بھی ان کی رحمت کے زیرِ سائبان آیا؛ جس طرح مغرب پر وہ جلوہ فگن ہوئے، عرب نے ان کے قدم چومے اور عجم نے اس گردِ کوئے بطحا کو اپنی آنکھ کو سرمہ بنایا۔

جس کا ربّ، مشرق ومغرب کا ہے ربّ، اس کا حبیب ﷺ
رحمتیں سایہ فگن اس کی ہیں ، مشرق مغرب
کیا عرب اور عجم ، دونوں جہاں ان ﷺ کے ہیں
کون کہتا ہے حدیں ان کی ہیں مشرق مغرب

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو سرداری عطا فرمائی تو عرب وعجم ہی نہیں تمام روئے زمین پر، تمام اولادِ آدم علیہ السلام کے لیے سرداری کا شرف بخشا۔

بخاری شریف کی حدیث ہے اور، جو مسلم شریف میں بھی ہے، جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں:

انا سید ولد آدم یوم القیٰمۃ۔ (میں روزِ قیامت اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا۔)

خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کو اپنی مثنوی ''منطق الطیر'' میں فرماتے ہیں:

خواجگی ہر دو عالم تا ابد
کرد وقفِ احمدِ مرسل ﷺ احد

یعنی دونوں عالم کی خواجگی مولائے کریم نے احمدِ مرسل ﷺ کے لیے وقف کردی اور تا ابد کردی۔ کیا خوبصورت شعر خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور مقام پر کہا ہے، فرماتے ہیں:

ہر دو گیتی گرد خاک پائے تست
در گلیمے خفتہ چہ جائے تست

دونوں عالم آپ ﷺ کی گرد خاک پا ہیں۔ یہ مقام آپ کا ہے اور (دوسرے مصرعے میں قرآن کا اندازِ بیان اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں) اے کمبل میں سوئے ہوئے کیا مقام ہے آپ ﷺ کا۔

لفظ عجم اور لغت:

لفظ عجم کی لغوی تعریف: یہ لفظ عربی زبان کا ہے جس کے معنی ہیں حروف پر نقطہ دینا، حروف کے اعراب کے ہیں۔ اس میں ج پر جزم ہے۔ لفظ ''عجم'' میں ج پر ع کی طرح فتح (زبر) ہے، یہاں جیم ساکن نہیں ہے یعنی وہ ملک جو سوائے عرب کے ہو، مردم غیر عرب کے لیے بھی یہ لفظ مستعمل ہے۔ ایک معنی چھوہارے، انگور اور ہر چیز کی گٹھلی اور بیج کے بھی ہیں۔
عجمی: جو شخص عرب کا باشندہ نہ ہو، اکثر مراد ایرانی و فارسی ہوتی ہے۔ ایک لفظ عجم ہے یہاں ع پر ضمہ (پیش) اور ج ساکن ہے۔ اس کے معنی کند زبان لوگ، ملک عجم کے باشندے، گونگے لوگ۔ (لغات کشوری، مطبع نول کشور، لکھنو)

عربی اور عجمی کی تفریق اور اہلِ عرب:

عرب وعجم کی تقسیم صرف جغرافیائی حدود پر ہی نہیں ہے بلکہ اہلِ عرب نے جو شرائط عرب اور غیر عرب کی رکھیں وہ یوں ہیں: اول یہ کہ ان کی زبان عربی ہو، دوم یہ کہ وہ عربوں کی اولاد سے ہوں، سوم یہ کہ ان کا مسکن سرزمینِ عرب ہو، یعنی غیر عرب اگر عرب میں آباد

اور تو عربی نہیں کہلائے گا، یعنی وہ جزیرۃ العرب کے رہنے والے ہوں؛ جن میں یہ اوصاف پائے جائیں صرف انھیں کو عرب کہا جائے گا۔
دوم علاقائی تقسیم یعنی عرب کہاں سے کہاں تک اپنی حدود رکھتا ہے: جزیرۃ العرب کا علاقہ بحیرہ قلزم سے لے کر بحیرہ بصرہ تک اور یمن میں حجر کی آخری حدود سے لے کر شام کی اولین حدود تک کچھ اس طرح سے کہ سرزمین یمن کا علاقہ تو شامل ہو لیکن ملک شام کا علاقہ شامل نہ ہو۔ اسی بنیاد پر عرب مؤرخین نے عربوں کو تین طبقات میں تقسیم کردیا ہے: عرب بائدہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے ''مشکوٰۃ النعت'')

شعراء اور فلسفہِ عرب وعجم:

وہ ہستی، جس نے رنگ ونسل کا ایک ایک بت پاش پاش کردیا، عالمِ انسانیت کو ایک خاندان بنادیا، اسی لیے سید عاصم گیلانی نے کہا:

غلط کہ ان کا تعلق فقط عرب سے ہے
نبی ﷺ کے فیضِ دوامی کو ربط سب سے ہے

اور ضیاء محمد ضیاء کہتے ہیں:

نور چمکا حرا تا حرم آپ ﷺ کا
فیض پہنچا عرب تا عجم آپ ﷺ کا
کعبہ انس و جاں بارگہ آپ ﷺ کی
آستاں، قبلہ گاہ اُمم، آپ ﷺ کا

مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا منفرد انداز ہے۔ آپ نے عرب وعجم پر خوبصورت شعر کہا، فرماتے ہیں:

اے عربی نسبت و اُمّی لقب
بندہ تو ہم عجم و ہم عرب
گرد سرت اَبطحی و یثربی
خاک درت مشرقی و مغربی

حضور ﷺ آپ ﷺ کا نسب عربی ہے اور آپ ﷺ کا لقب اُمّی ہے لیکن عرب ہو کہ عجم سب آپ ﷺ کے غلام ہیں، آپ ﷺ کے حلقہ بگوش اَبطحی بھی ہیں اور یثرب والے بھی، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے در کی خاک مشرقی بھی ہے اور مغربی (یہاں خاک سے مفہوم غلام کے ہیں) بھی۔

اب ذرا قدسی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دیکھیے، جن کی مشہور نعت ہے "مرحبا سیّدِ مکی مدنی العربی"، وہ کیا کہتے ہیں؟ قدسی رحمۃ اللہ علیہ عرب و عجم کی حدود کو توڑ کر آپ ﷺ کی رسالت پناہی میں ہر خطے کے انسانوں کو بصد عجز و نیاز لا کر پیش کرتے ہیں:

بر درِ فیضِ تو اِستادہ بصد عجز و نیاز
رومی و طوسی و ہندی، حلبی و عربی

درود تاج کی نغمگی اور حسنِ ترتیبِ الفاظ:

درود تاج کے مصنف نے جو حسنِ ترتیب کا مظاہرہ کیا ہے وہ کمالِ فن ہے اور ادبی کمال کی انتہاء ہے۔ جو حضرات بصد خلوص و بصد شوق و اعتقاد اس کا ورد کرتے ہیں غالباً ان کی نظر اس حسنِ ترتیب پر نہ گئی ہو جسے میں یہاں پیش کرتا ہوں۔

سید العرب والعجم سے پہلے فی اللوح والقلم ہے جو سید العرب والعجم کا ہم وزن اور ہم قافیہ ہے، بعد ازاں فی البیت والحرم ہے۔ یہاں ذرا اِن کے اوپر نظر ڈالیے تو چار لفظ ہم قافیہ بعد میں ہیں۔ پھر پہلے چار ہم قافیہ الفاظ کا آغاز اگر اسمہٗ سے ہو رہا ہے تو دوسرے ہم قافیہ چار الفاظ کا آغاز جسمہٗ سے ہوتا ہے اور اسمہٗ و جسمہٗ بھی آپس میں ہم قافیہ ہیں۔ اب اس ترتیب کو یوں دیکھیے تو حیرت ہوگی:

اسمہٗ..... مکتوب، مّرفوع، مّشفوع، مّنقوش..... فی اللوح والقلم
سیّد العرب والعجم
جسمہٗ..... مقدس، مّعطر، مّطہر، مّنور..... فی البیت والحرم

کوئی صاحبِ زبان ہی اس عبارت کے حسن تک پہنچتا ہے یا عاشق کا دل ان ضربات پر رقص کرسکتا ہے۔ آپ درود تاج کی تمام عبارت پر غور فرمائیں تو یہی مترنم لب و

لہجہ، یہی نغمگی از اوّل تا آخر پائیں گے۔ ہم قافیہ الفاظ کا انتخاب ابتداء سے انتہا تک ہے اور معنویت اس التزام میں کہیں مجروح نہیں ہوئی ہے۔ تمام درود تاج میں حضور ﷺ کا اسم مبارک محمد (ﷺ) دو مرتبہ آیا ہے۔

آپ ﷺ کے القاب کی جملہ تعداد اڑسٹھ ہے۔ یہ دو مرتبہ جو اسم مبارک علیحدہ آیا ہے، شامل کرلیں تو ستر ہیں۔ کہیں دس قافیے مسلسل ہیں کہیں آٹھ۔ سیّدنا مولنا سے "نور من نور اللہ" تک یہی کیف اور نغمگی ہے۔ یہ فیض بھی اسی مبدائے فیض کا عطا کردہ اور یہ لہجہ بھی قرآن نے بخشا ہے۔

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ بردہ شریف میں عرب و عجم کا ذکر اس خوبصورتی سے فرمایا کہ دل نہیں چاہتا کہ وہ یہاں پیش ہونے سے رہ جائے۔ آپ فرماتے ہیں:

محمد ﷺ سیّد الکونین والثقلین
والفریقین من عرب ومن عجم

منظوم ترجمہ:

ہو محمد ﷺ پر سلام، اللہ نے دی سروری
آخرت، دنیا، عرب، انساں، عجم، جنّات کی (ہلال صدیقی)

درود تاج میں جو اوصاف بیان ہوئے اگرچہ ایک ذرہ ہے ان کی مدح و ثناء و صفات و مراتب کے بیان میں لیکن ہم گناہ گاروں کے لیے یہ ایسی نعمت ہے کہ اس کا شکر اس کو حرزِ جاں بنا کر ہی ادا ہوسکتا ہے، ورنہ جگر نے کہا ہے:

کے عقل تواں رسد بہ پایاں
ہم عشق ہنوز نارسیدہ
لولاک لما خلقت الافلاک
در مدح تو جانِ ہر قصیدہ

بھلا عقل کا کیا مقام جو آپ ﷺ تک پہنچ سکے، عشق خود بھی ابھی اس منزل میں نارسیدہ ہے۔ سچ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعریف ہر قصیدے کی جان بس لولاک لما کی حدیث ہے۔

جِسمِ مُقدّس

بلند عرش ہے لیکن حضور ﷺ مجھ میں ہیں
مدینہ اس پہ ہے نازاں، درود تاج میں ہے

جِسمۂ مُقدّسؒ

جس نے جسدِ اطہر ﷺ کا لمس پایا وہ شے صاحبِ کرامت ہوگئی:

وجہِ وجودِ کائنات، باعثِ ایجادِ کل، صاحبِ لولاک لما کے جسدِ اطہر و منور کے لیے یہ اعزاز ہے کہ زمین سے یہ طاقت سلب کرلی گئی کہ وہ آپ ﷺ کے جسدِ مقدس کو نقصان پہنچائے۔ آپ ﷺ کے جسدِ اقدس سے جس شے کو لمس مل جاتا تو وہ اپنی قدر و قیمت میں دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہوجاتی۔ پہلے وہ کمترین ہوتی تو لمسِ مبارک پاکر دنیا کی بہترین شے ہوجاتی۔ سرِ اقدس پر عمامہ مبارک ہو یا نعلینِ پاک جو قدموں میں ہو، شانۂ اقدس پر پڑی ہوئی گلیم ہو یا چادرِ مبارک کہ خدائے قدوس قرآن میں اس کا ذکر کرے، دستِ کرم میں تھاما ہوا عصاء ہو یا انگشتِ مبارک سے لپٹی ہوئی انگشتری، لب ہائے گہربار کا بار بار لمس پانے والا آب خورہ یا سینۂ اقدس کے ہزار بوسے لیتا ہوا کرتا۔۔۔ ہر وہ شے، جس نے آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کا لمس پایا، وہ شے صاحبِ کرامت ہوگئی۔ کبھی کسی شاخ کو اٹھا کر دیا تو وہ رات کی تاریکی میں مشعلِ نور ہوگئی اور کبھی میدانِ جنگ میں شاخ اٹھا کر دی تو وہ تلوار بن گئی، کبھی راہ میں پڑے ہوئے گمنام اور بے قدر پتھر اٹھائے تو کلمہ گو بن گئے۔ اس جسدِ مقدس کا احوال کوئی کیا بتا سکے کہ اندھیرے میں مسکرا دیں اور دندانِ مبارک ظاہر ہوجائیں تو رات کی تاریکی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوزنِ گمشدہ مل جائے۔ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر میں وہ روحِ مقدس رکھی گئی جسے انوار و اسرارِ خداوندی کی جلوہ گاہ ہونا تھا۔ اس جسدِ مقدس کی پاکیزگی کا مرتبہ کس اوج پر ہوگا جس میں وہ قلبِ منوّر و مطہر تھا جس نے اس بارِ گراں کو اٹھایا جسے اٹھانے کے لیے آسمان و زمین اور کیا کہسار، تمام نے اپنا اپنا اظہارِ عجز کرلیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی علیہ السلام کو یہ شان عطا کی کہ انھیں ہر طرح کے جسمانی عیوب سے

پاک ومنزہ رکھا۔ اگر کسی بھی نبی علیہ السلام میں کوئی جسمانی ساخت کا عیب پایا جاتا تو اس کے ماننے والے اسی عیب کو ان کے انکارِ نبوت کے لیے دلیل بنا لیتے، جسمانی عیب قبولِ حق میں حجاب بن جاتا۔ میں آپ کی خدمت میں اپنے اس بیان کی دلیل کے لیے ایک دو حوالے پیش کرتا ہوں۔ انبیائے کرام کے حسن و جمال اور جسمانی عیوب سے پاک ہونے کی تعریف خود خورشیدِ رسالت ﷺ نے کس طرح فرمائی:

حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن المسیب کی روایت:

فقد روی سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم وصف لا صحابہ ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ فقال اما ابراھیم فلم ار رجلا قط اشبہ بصاحبکم ولا صاحبکم اشبہ بہ منہ ، واما موسیٰ فرجل آدم طویل رب جعدا اقنی کانہ من رجال شھنوۃ واما عیسیٰ بن مریم فرجل احمر بین القصیر وطویل سبط الشعر کثیر خیلان الوجہ کانہ خرج من دیماس تخال راسہ یقطر ماء ولیس بہ ماء اشبہ رجالکم بہ عروۃ بن مسعود۔

”حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن المسیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کیا:“ فرمایا: میں نے کوئی آدمی نہیں دیکھا جو تمھارے نبی کریم ﷺ سے زیادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہت رکھتا ہو۔ اور نہ کوئی ایسا آدمی دیکھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ تمھارے نبی ﷺ کے ہم شکل ہو۔ اور موسیٰ علیہ السلام گندم گوں، سرخی مایل، طویل القامت، چھریرے بدن والے تھے۔ ان کے بال گھنگھریالے اور ناک اونچی تھی گویا وہ بنی ازد کے ایک قبیلے شہنوہ کے ایک مرد تھے۔ رہے عیسیٰ علیہ السلام تو آپ کی رنگت سرخ تھی، آپ علیہ السلام کا قد درمیانہ، آپ علیہ السلام کے بال سیدھے تھے، چہرے پر تل تھے، گویا ابھی حمام سے باہر نکلے ہیں۔ سر پر پانی

کے قطرے معلوم ہوتے تھے حالانکہ وہاں پانی کا نشان بھی نہ تھا۔ تمھارے مردوں میں سے عروہ رضی اللہ عنہ بن مسعود شکل وصورت میں ان سے مشابہ ہیں۔“

(خاتم النّبیین جلد اول، ص ۴۶۲)

اس حدیث کی بدولت آپ یہ جان سکے کہ ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی مشابہت حضرت ابراہیم علیہ السلام میں پائی جاتی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور ﷺ کے ہم شکل تھے، سبحان اللہ تعالیٰ۔ دوئم حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بن مسعود صحابیِ رسول ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے شکل وصورت میں مشابہت رکھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت بھی ملاحظہ کیجیے، وہ فرماتے ہیں:

”قد روی الدار قطنی من حدیث انسؓ بن مالکؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ان النبی علیہ الصلوۃ والسلام قال ما بعث اللہ تعالیٰ نبیاً الاحسن الوجہ ، حسن الصوت و کان نبیکم احسنھم صوتا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک خادم رسول ﷺ روایت کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا مگر خوبصورت چہرے والا، دلکش آواز والا۔ اور تمھارے نبی ﷺ کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت اور ان کی آواز سب سے زیادہ دلکش ہے۔

(بحوالہ خاتم النّبیین جلد اول، ص ۲۶۴)

ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ اور اُمِّ معبد رضی اللہ عنہا : یزداں دگرے نہ آفریدہ:

آپ ﷺ کے حسن و جمال پر تو لاکھوں صفحات صرف شعرائے کرام نے بھر دیے، دفتر کے دفتر ختم ہو گئے، اس پراگندہ اوراق میں شمس الضحیٰ اور بدر الدجیٰ کے زیرِ عنوان بہت کچھ مطالعے میں آئے گا یہاں آپ ﷺ کے قد وقامتِ جسدِ مقدس کی بات ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی آنکھیں تھیں وہ جنھوں نے یکبارگی انھیں دیکھا اور قصیدہ کہہ دیا، سرتاپا

آپ ﷺ کا حلیہ بیان کر دیا۔ ہماری تاریخ میں یوں تو تمام شعرائے عہدِ رسالت ﷺ نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے لیکن کچھ ہستیاں ایسی ہیں جن کے بیان کو تاریخی اہمیت حاصل ہو گئی ہے: ایک اُمِّ معبد رضی اللہ عنہا جنھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چند لمحوں کے لیے دیکھا اور دوسری ہستی ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ۔ ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ کے فرزند تھے اور ابی ہالہ اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ابی ہالہ کے ایک فرزند تولد ہوئے، ان کا نام ہند تھا۔ یہی وہ ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ ہیں۔ اُمِّ معبد رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا جو احوال اپنے شوہر سے بیان کیا وہ تاریخ میں نثر کا شاندار قصیدہ بن گیا جو ہزار ہا قصائد پر بھاری ہو گیا۔ ادھر ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ نے جو تصویر کشی کی اس کے راوی خود ان کے صاحبزادے اور ابی ہالہ کے پوتے تھے جن کا نام سیّدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام تھا جنھوں نے یہ نثری قصیدہ روایت کیا۔

ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ کے متعلق، اور ان کے علم و فضل کے متعلق، کہا جاتا ہے کہ ان میں خداوند قدّوس نے گہرائی میں اتر جانے والی عقل اور حقیقت کو پردہ اٹھا کر دیکھنے والی آنکھ عطا کی: جس پر نظر ڈالتے ظاہر سے باطن تک نگاہ اتر جاتی۔

”ضیاء النبی ﷺ“ کے مصنف فرماتے ہیں: ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ جس شخصیت، جس واقعے یا جن امور کی بابت اپنی رائے کا اظہار فرماتے وہ سیر حاصل، جامع اور حقائق پر مبنی ہوتی، اس طرح کہ ان کے دریافت کرنے والے کو مزید استفسار کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ وہ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کی تعریف اس طرح بیان فرماتے ہیں:

ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ کا بیانِ حلیۂ مبارک حبیبِ خدا ﷺ:

سَئلتُ خالی ھند بن ابی ھالۃ عن حلیۃ رسول اللہ۔

میں نے اپنے ماموں ہند رضی اللہ عنہ بن ابی ہالہ سے رسول اللہ ﷺ کے حلیۂ مبارکہ کے بارے میں استفسار کیا۔

وکان وصّافاً وانا ارجو ان یصف لی منھا شیأ اتعلّق بہ۔

آپ کسی چیز کی حقیقت بیان کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ مجھے توقع تھی کہ وہ حضور ﷺ کے بارے میں ایسی چیزیں بیان کریں گے جن کو میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔

قال:

انھوں نے کہا:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فخماً مفخماً

رسول اللہ ﷺ لوگوں کی نگاہوں میں بڑے جلیل القدر اور عظیم الشان دکھائی دیتے تھے

یتلألأ وجھہ تلألؤ القمر لیلۃ البدر

حضور ﷺ کا چہرہ اس طرح چمکتا تھا جس طرح چودھویں رات کا چاند

اطول من الربوع واقصر من المشذب

چھوٹے قد والے سے لمبے اور زیادہ طویل قد والے سے کم

عظیم الھامۃ

سرِ مبارک بڑا تھا

رجل الشعران

گیسوئے مبارک زیادہ گھنگریالے نہ تھے

انفرقت عقیقۃ فرق

اگر موئے مبارک الجھ جاتے تو حضور ﷺ مانگ نکال لیتے

والّا فلا یجاوز شعرہ شحمۃ اُذنیہ

ورنہ حضور ﷺ کے گیسو کانوں کی لو سے نیچے نہ جاتے

اذا ھو وفرۃ

کانوں کی لو تک آویزاں رہتے

ازھر اللّون

چہرے کا رنگ چمکدار تھا

واسع الجبین

پیشانیِ مبارک کشادہ تھی

ازجّ الحواجب سوابغ من غیر قرن

ابرو مبارک باریک بھرے ہوئے لیکن باہم ملے ہوئے نہ تھے

بينهما عرق يدره الغضب

دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے وقت پھول جاتی تھی

اقنى العرنين

ناکِ مبارک اونچی تھی

له' نورٌ يعلوه ويحسبه من لم يتامله اشم

اس کے اوپر نور برس رہا ہوتا، دیکھنے والا گمان کرتا کہ یہ بہت اونچی ہے

كثّ اللّحية

داڑھی مبارک گھنی تھی

ادعج سهل الخدّين

دونوں رخسار ہموار تھے

ضليع الفم اشنب

دہنِ مبارک کشادہ اور دندانِ مبارک چمکدار اور شاداب تھے

مفلّج الاسنان

دندانِ مبارک کھلے تھے

دقيق المسربة

بالوں کا خط، جو سینے سے ناف تک چلا گیا تھا، وہ باریک تھا

كان عنقه جيد دميةٍ في صفاء الفضة

گردن مبارک یوں تھی جیسے کسی چاندی کی گڑیا کی صاف گردن ہو

معتدل الخلق بادناً متماسكاً

تمام اعضاء معتدل تھے اور ان کا اعتدال آشکارا تھا

سواء البطن والصدر

شکم اور سینۂ مبارک ہموار تھا

مشيح الصدر

سینۂ مبارک کشادہ تھا

بعيد ما بين المنكبين

دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا

ضخم الكراديس انور المتجرد

ہڈیوں کے جوڑ ضخیم

موصول ما بين اللبة والسرة بشعر يجري كالخط

سینے کی ہڈی اور ناف کے درمیان بالوں کا خط ملا ہوا تھا

عاري الثديين ما سوى ذلك

اس کے علاوہ سینہ اور شکم بالوں سے صاف تھا

اشعر الذراعين والمنكبين واعالي الصدر

دونوں بازوؤں، دونوں کندھوں اور سینے کے اوپر والے حصے میں بال اُگے ہوئے تھے

طويل الزندين

دونوں بازوؤں کی ہڈی لمبی تھی

رحب الراحة شثن الكفين والقدمين

ہاتھ مبارک کشادہ تھے، دونوں ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں اور دونوں پاؤں بھرے ہوئے تھے

سائل الاطراف اوقال سائن الاطراف سبط العصب

تمام اندام ہموار تھے

خمصان الاخمصين

دونوں پاؤں کا درمیانی حصہ اٹھا ہوا تھا

مسيح القدمين ينبو عنهما الماء اذا زال زال تقلّعاً ويخطو تكفؤاً

جب قدم اٹھاتے تو قوت سے اٹھاتے، رکھتے تو جما کے رکھتے

ويمشي هوناً ذريع المشية

آہستہ خرام مگر تیز رفتار

اذا مشى كانّما ينحط من صبب

جب چلتے تو یوں معلوم ہوتا کہ بلندی سے پستی کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں

واذا التفت التفت جمیعاً

جب کسی کی طرف التفات فرماتے تو ہمہ تن ملتفت ہوتے

خافض الطرف

نگاہیں جھکی ہوئی ہوتیں

نظره الی الارض اطول من نظره الی السماء

آپ ﷺ کی نظر زمین کی طرف طویل ہوتی تھی بہ نسبت آسمان کی طرف آپ ﷺ کی نگاہ کے

جل نظره الملاحظة

آپ ﷺ کا دیکھنا گہرا مشاہدہ ہوا کرتا تھا

یسوق اصحابه

آپ ﷺ حسنِ تدبیر سے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو شاہراہِ ہدایت پر چلاتے

ویبدا من لقیه بالسلام

جس سے ملاقات فرماتے اسے پہلے خود سلام کرتے

ہند رضی اللہ عنہ ابی ہالہ نے اپنے حافظے، اپنی یادداشت اور بالخصوص اندازِ بیان کی ادبی مہارت کے ساتھ پہلے روئے انور پھر قامت، سرِ اقدس، گیسوئے مبارک، روئے تاباں کی رنگت، جبینِ سعادت، ابرو، جنھیں ہمارے شعراء محرابِ حرم کہتے ہیں، اور دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ، پائے اقدس، خرامِ نبوّت، رفتار التفات، نگاہیں، حسنِ نظر، حسنِ تدبر نہایت اہتمام سے، اور ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے، تعریف کی ہے۔ پیر کرم شاہ ازہری نے اپنی تصنیف ''ضیاء النبی ﷺ'' میں اور دیگر سیرت نگاروں نے اپنی کتبِ سیر و سیرت میں اسے بصد اہتمام پیش کیا ہے۔

امِّ معبد رضی اللہ عنہا کا نثری قصیدہ:

امِّ معبد رضی اللہ عنہا کا بیان اس واقعے سے تعلق رکھتا ہے جب رحمتِ عالم ﷺ ہجرت کا آغاز فرماتے ہیں، رفیقِ غار حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو لے کر غارِ ثور سے باہر آتے ہیں اور بصد احتیاط مدینے کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ راہ میں امِّ معبد رضی اللہ عنہا کا مکان آجاتا

ہے۔ آپ ﷺ دودھ کی تلاش میں امِّ معبد رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے ہیں۔ وہ اپنی مجبوری ظاہر کرتی ہے۔ ایک بیمار بکری، جس کے تھن سوکھے ہوئے ہیں، آپ ﷺ اس پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ تھن دودھ سے لبریز ہو جاتے ہیں، وہ حیران و ششدر دیکھتی رہ جاتی ہے۔

آپ ﷺ اپنے سفر کو جاری رکھتے ہیں۔ شام ہو جاتی ہے۔ امِّ معبد رضی اللہ عنہا کا شوہر بکریاں چرا کر واپس ہوتا ہے تو اس کی حیرانی کا عالم ہی اور ہوتا ہے۔ وہ ناقابلِ یقین صورت حال کو دیکھ کر پوچھتا ہے۔ امِّ معبد رضی اللہ عنہا سارا حال سنا دیتی ہے۔ جب وہ اس ہستی کے متعلق مزید دریافت کرنا چاہتا ہے تو امِّ معبد رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کا جو نقشہ بنا کر پیش کرتی ہے وہ یہ قصیدہ ہے جس پر ہزار قصیدے قربان۔ آپ چونکہ عربی زبان سے واقف نہیں اس لیے اس کا ترجمہ آخر ترجمہ ہی رہے گا۔ بہر حال، میں عربی متن اور اردو ترجمہ دونوں پیش کرتا ہوں:

فقالت :

ام معبد رضی اللہ عنہا کہنے لگی:

رایت رجلاً ظاهر الوضائة ، حسن الخلق ، ملیح الوجه

میں نے ایک ایسا مرد دیکھا جس کا حسن نمایاں تھا، جس کی ساخت بڑی خوبصورت اور چہرہ ملیح تھا

لم تعبه ثجلة ولم تذربه صعلة

نہ رنگت کی سفیدی اس کو معیوب بنا رہی تھی اور نہ گردن اور سر کا پتلا ہونا اس میں نقص پیدا کر رہا تھا

قسیم وسیم

بڑا حسین، بہت خوبرو

فی عینیه دعج و فی اشفاره وطف

آنکھیں سیاہ اور بڑی تھیں، پلکیں لانبی تھیں

وفی صوته صهل

اس ﷺ کی آواز گونج دار تھی

احول اکحل

سیاہ چشم، سرگیں

ازج، اقرن

دونوں ابرو باریک اور ملے ہوئے

فی عنقه سطع

گردن چمکدار تھی

وفی لحیة کثافة

ریشِ مبارک گھنی تھی

اذصمت فعلیه الوقار

جب وہ خاموش ہوتے تو پُر وقار ہوتے

واذا تکلم سما و علاه البهاء

جب گفتگو فرماتے تو چہرہ پُر نور اور بارونق ہوتا

حلو المنطق

شیریں گفتار

فصل لا نزر ولا هزر

گفتگو واضح ہوتی، نہ بے فائدہ ہوتی نہ بے ہودہ

کان منطقه خرزات نظم یتحدرن

گفتگو گویا موتیوں کی لڑی ہے جس سے موتی جھڑ رہے ہوتے

ابهی الناس و اجملهم من بعید

دور سے دیکھنے پر سب سے زیادہ بارعب اور جمیل نظر آتے

واحلاهم واحسنهم من قریب ربعة

اور قریب سے سب سے زیادہ شیریں اور حسین دکھائی دیتے، قد درمیانہ تھا

لا تشنوه عین من طول

نہ اتنا طویل کہ آنکھوں کو برا لگے

لا تقتحمه عین من قصر

نہ اتنا پست کہ آنکھیں حقیر سمجھنے لگیں

غصن بین غصنین فهو انضر الثلاثه منظراً و احسنهم قدا

آپ ﷺ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ کی مانند تھے جو سب سے سرسبز وشاداب اور قد آور ہو

له رفقاء یحفون به

ان کے ایسے ساتھی تھے جو ان کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے

وان قال استمعوا لقوله

اگر آپ ﷺ انھیں کچھ کہتے تو فوراً اس کی تعمیل کرتے

وان امر تبادروا الی امره

اگر آپ ﷺ انھیں حکم دیتے تو وہ فوراً اس کو بجالاتے

محفود، محشود

سب کے مخدوم، سب کے محترم

لا عابس ولا مفند

نہ وہ ترش رو تھے نہ ان کے فرمان کی مخالفت کی جاتی تھی

نبی کریم، افضل الصلوٰۃ واطیب التسلیم کے خداداد حسن وجمال کے بارے میں دو چار یا دس بیس کی یہ رائے نہ تھی بلکہ ہر وہ شخص، جس کو قدرت نے ذوق سلیم کی نعمت سے نوازا ہوتا، وہ حسنِ مصطفوی ﷺ کی دلربائیوں سے اسی طرح مسحور ہو جایا کرتا اور ہر ایک اپنی زبان سے بے ساختہ یہی بیان کرتا۔

اوصاف وکمالات جسدِ اطہر ﷺ:

ترمذی شریف اور مشکوٰۃ شریف میں بھی آپ ﷺ کا حلیہ تحریر ہے جسے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ ابنِ ابی طالب نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور تاریخ میں آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کے لیے بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ تین باتیں خصوصیت کی تھیں: ایک آپ ﷺ کے جسم سے جو خوشبو آتی وہ مشک وعنبر سے تیز ہوتی حتیٰ کہ آپ ﷺ مدینے کی کسی گلی سے گزر جاتے تو صحابہ کرام علیہم اجمعین جان لیتے کہ حضور ﷺ کا اس جگہ سے گزر ہوا ہے۔ (اس کی تفصیل زیرِ عنوان ''معطر'' میں دی گئی ہے۔)

دوسری بات کہ مکھی آپ ﷺ کے جسمِ اطہر پر نہیں بیٹھتی تھی۔ تاریخ اس اہم واقعے کی گواہ ہے، اور یہ بات یقیناً درست ہے کہ مکھی وہ جانور ہے جو غلاظت پر بھی بیٹھتی ہے، پھر بھلا حق تعالیٰ کو یہ کیوں کر گوارا ہوتا کہ وہ آپ ﷺ کے جسمِ مطہر پر بیٹھے؟

بے سایہ وسائبانِ عالم:

تیسری بات، جس کا تعلق بھی جسم سے ہے، وہ ہے آپ ﷺ کا سایہ۔ آپ ﷺ کا سایہ نہ ہونے کے موضوع پر ترمذی شریف، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، تفسیر مدارک، حضرت عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ بن مبارک اور علامہ حافظ ابن جوزی محدث رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ذکوان تابعی رحمۃ اللہ علیہ، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، علامہ امام شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام محمد زرقانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ حسین بن محمد دیا بکری رحمۃ اللہ علیہ، امام ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ، شیخ المحدثین، شیخِ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ حتیٰ کہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ حضور نورِ مجسم ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ اس مضمون پر خاص تحقیقی کام دو جلدوں میں لاہور کے راجہ رشید محمود نے شائع کر دیا ہے لیکن کچھ لوگ اب بھی اس بات پر یقین نہیں رکھتے۔ جو لوگ اس پر تحقیق وتصدیق چاہیں وہ ان

کتب کا مطالعہ کریں:

ترمذی شریف: کتاب الدعوات	خصائص الکبریٰ جلد پہلی، ص ۶۸
تفسیر مدارک، ص ۲۳۱	شفاء شریف جلد پہلی، ص ۲۴۲
جمع الوسائل للقاری پہلی جلد، ص ۱۷۶	نسیم الریاض
زرقانی علی المواہب جلد چہارم، ص ۲۲۰	کتاب الخمیس فی احوال انفس نفیس
شرح شمائل سمناوی جلد پہلی، ص ۴۷	فتوحات احمدیہ
ترمذی شریف فی نوادر الاصول	افضل القریٰ
مدارج النبوت، ص ۲۶	مکتوبات امام ربانی
تذکرۃ الموتیٰ والقبور، ص ۲۱	تفسیرِ عزیزی: سورۂ والضحیٰ
امداد السلوک، ص ۸۵	شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمۃ، ص ۳۹

''نور من نور اللہ'' کے زیرِ عنوان حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی سایہ پر دلیل ملاحظہ کیجیے گا۔

جسمِ مقدس کی شرح میں یہ ناچیز یہاں تک پہنچا لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود سے پوچھتا ہوں: کہاں تک پہنچا؟ آپ ﷺ کے جسمِ اقدس کی اور بھی صفات ہیں جو سیرت کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں البتہ اگر عاشقوں سے کچھ معلوم کرنا چاہیں تو یہ شاعر کبھی اس بحث میں نہیں الجھتے کہ سایہ تھا یا نہ تھا، یہ اپنے مفتی سے فتویٰ مانگتے ہیں اور وہ جو فتویٰ دیتا ہے یہ اسے اس طرح خوبصورت لفظوں میں ڈھالتے ہیں کہ سن کر دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ کتنے اوراق آپ کی نظر سے گزرے، اب ذرا یہاں دیکھیے میر حسن دہلوی کو مفتیِ قلب نے کیا فتویٰ دیا:

یہ تھی رمز جو اس ﷺ کے سایہ نہ تھا
کہ رنگِ دوئی واں تک آیا نہ تھا
نہ ہونے کے سایے کے تھا یہ سبب
ہوا صَرف پوشش میں کعبے کی سب
وہ قد اس لیے تھا نہ سایہ فگن

کہ تھا گل وہ اک معجزے کا بدن
وہ ہوتا زمیں گیر کیا فرش پر
قدم اس کے سایے کا تھا عرش پر
ہوا اس کا سایہ لطیف اس قدر
نہ آیا لطافت کے باعث نظر
جہاں تک کہ تھے یاں کے اہلِ نظر
سمجھ مایۂ نور کحل البصر
سبھوں نے لیا پتلیوں پر اٹھا
زمیں پر نہ سایے کو گرنے دیا
سیاہی کی پتلی کا ہے یہ سبب
وہی سایہ پھرتا ہے آنکھوں میں اب
وگرنہ یہ تھی چشم اپنی کہاں
اسی سے یہ روشن ہے سارا جہاں
نظر سے جو غایب وہ سایہ رہا
ملایک کے دل میں سمایا رہا

میر حسن نے بہر حال دس اشعار میں بہت خوبصورتی سے یہ بات کہی، لیکن جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں، فارسی شعراء دو مصرعوں میں بڑے سے بڑے مضمون کو سمیٹ لیتے ہیں، مثلاً: مشہور شاعر فیضی کا یہ شعر دیکھیے:

اُمّی و دقیقہ دانِ عالم
بے سایہ و سائبانِ عالم

ان دو مصرعوں کے اندر تاریخ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ آپ ﷺ کے اُمّی ہونے اور یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کے دنیاوی سر پرستوں کا اٹھ جانا، اُمّی ہو کر علوم جہان پر چھا جانا اور سارے عالم کے سائبان کی حیثیت پالینا، ان تمام واقعات کو کتنے مختصر یعنی کوزے میں دریا کی

مثال اس شعر سے دی جاسکتی ہے۔ تشبیہات کا بادشاہ میر انیس اپنا ایک مخصوص انداز رکھتا ہے، سایہ سے متعلق تین شعر دیکھیے:

بے سایہ جو مشہور وہ سلطانِ عرب ﷺ ہے
پیشِ عقلا وجہ یہ ہے اور یہ سبب ہے
ہے کون عدیل اس کا کہ وہ سایہ ربّ ہے
دنیا میں کسی سایے کا سایہ کہو کب ہے
ہے دوسری یہ وجہ کہ وہ جانِ جہاں تھا
بے سایہ ہے یہ جاں کی طرح، سایہ کہاں تھا

اسی مضمون میں مندرجہ بالا سطور میں علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دے چکا ہوں۔ آپ نے علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی ''شفاء شریف'' کی شرح ''نسیم الریاض'' لکھی ہے۔ دو شعر:

ما جر لظل احمد اذيال
فى الكرامة كما قد قالوا
هذا عجب و كم به من عجب
والناس بظله جميعاً قالوا

اب ترجمہ دیکھیے: سایۂ احمد ﷺ کا دامن بسبب حضور ﷺ کی کرامت و فضیلت کے زمین پر نہ کھینچا گیا، اور تعجب ہے کہ باوجود اس کے تمام آدمی ان کے سایے میں آرام کرتے ہیں۔

انھیں اشعار پر اکتفا کرتا ہوں۔

مُعَطّر

مہک رہے ہیں سب القاب عطرِ گُل بن کر
یہ ذکرِ جانِ بہاراں درود تاج میں ہے

مُعطّر

آیہ کائنات کا معنیِ دیر یاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو (اقبالؔ)

رنگ و بو کے قافلوں کا رخ ہے طیبہ کی طرف:

وہ جن ﷺ کی زلف کے گلستاں کے رگ و پے میں لہو کا رنگ دوڑے، وہ ان ﷺ کا نام سن کر رنگ و بو کے قافلے طیبہ کا رخ کر لیں، نسیمِ سحری جن ﷺ کی زلفوں کی ترجمانی کرے، وہ جن ﷺ کی زلف کی خوشبو سے تشبیہ دیے جانے پر مشک و عنبر فرشِ راہِ مدینہ بن جائیں، ان ﷺ کے جسدِ اطہر کی خوشبو کا تذکرہ احادیثِ نبوی اور تاریخ کے صفحات پر مہک رہا ہے کہ جس پر قلم اٹھاتے ہی روح معطّر ہو جاتی ہے اور سانس مشک بار بن جاتی ہے — اسی کا ذکر کرنے چلا ہوں:

عنادل چھوڑ کر آئے چمن اپنا اسی جانب
گلِ مرقد سے آقا ﷺ کی اٹھی جب لہر خوشبو کی (ادیبؔ)

اور یہ صرف شاعری نہیں بلکہ تاریخ کا وہ اہم یادگار واقعہ ہے جب مادرِ حسنین کریمین علیہم السلام اجمعین اور جگر گوشۂ رسول ﷺ خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا قبرِ انور حضور نبیِ کریم ﷺ پر تشریف لائیں تو اشکبار ہو کر یہ شعر فرمایا:

ما ذا علی من شمّ تربة احمد ﷺ
الاّ یشم مدی الزمان غوالیا

"جس نے ایک مرتبہ بھی خاکِ تربتِ مصطفیٰ ﷺ سونگھ
لی تعجب کیا ہے وہ ساری عمر اور کوئی خوشبو نہ سونگھے۔"

جب خاکِ تربت کا یہ عالم ہے کہ جسدِ اطہر کا لمس پا کر اتنی معطر ہو گئی تو کیا کوئی بیان کرے اس جسدِ مقدس کی خوشبو کا؟ محدثینِ کرام اور شارحینِ احادیث و مفسرین نے اس موضوع پر عطرِ خیال میں قلم کو ڈبو کر مہکتے الفاظ میں جو یادگار تحریریں چھوڑی ہیں ان میں ابن ماجہ، احمد، بیہقی، جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، ابونعیم، بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، شفاء شریف اور دیگر سیرتِ نبوی ﷺ و شمائل کی تصانیف شامل ہیں۔ ان کے علاوہ صوفیاء و مشائخ اور اہل اللہ نے اپنے مشاہدات و واردات جو قلمبند فرمائے ان کے ایک ایک لفظ میں رنگِ وحدت و غنچۂ خلوت کی مہک ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان:

ما مسست ديباجة ولا حريرا الين من كف رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم ولا شممت مسكا و لا عنبرة اطيب من رائحة النبى ﷺ۔

ترجمہ: میں نے کسی ریشم اور دیبا کو حضور ﷺ کے کفِ دست سے نرم نہیں پایا اور نہ کسی مشک و عنبر کی خوشبو کو آپ ﷺ کی خوشبو سے بڑھ کر پایا۔

(بخاری جلد اول، ص ۲۶۴۔ مشکوٰۃ شریف، ص ۵۱۶)

پھول مہکے تو یہ محسوس ہوا
آپ ﷺ کا نام لیا ہو جیسے (غیور احمد غیور)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن سمرہ کا بیان:

"میں نے حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ مسجد سے باہر تشریف لائے تو میں بھی (جابر رضی اللہ عنہ بن سمرہ) ساتھ تھا۔ بچے آپ ﷺ کے سامنے آئے تو آپ ﷺ ان میں سے ہر ایک کے رخسار پر اپنا دستِ مبارک پھیرتے، میرے

رخسار پر بھی آپ ﷺ نے ہاتھ پھیرا۔

فوجدت في يده بردا و ريحاً كانما اخرجها من جوفة عطار۔

"تو میں نے آپ ﷺ کے دستِ مبارک کی ٹھنڈک اور خوشبو ایسی پائی کہ گویا آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک عطار کے صندوقچے سے نکالا ہے۔"

(مسلم شریف جلد دوئم، ص ۲۵۶)

مسلم شریف کے بعد بخاری شریف کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فجعل الناس ياخذون يديه فيمسحون بها وجوههم قال فاخذت بيده فوضعتها على وجهى فاذا هى ابرد من الثلج اطيب رائحة من المسک۔

"حضور ﷺ نماز پڑھ کر تشریف لائے تو لوگ حضور ﷺ کے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے چہروں پر ملنے لگے۔ میں نے بھی آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرے پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔"

حضرت وائل رضی اللہ عنہ بن حجر فرماتے ہیں:

قال اتى النبى صلى الله عليه و آله وسلم بدلو من ماء فشرب من الدلو ثم مج فى البئر ففاح منه مثل رائحة المسک۔

"حضور ﷺ کے پاس ایک ڈول میں پانی لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے پیا اور کلی کر کے ایک کنویں میں ڈال دیا تو اس کنویں میں سے کستوری کی سی خوشبو آنے لگی۔"

(زرقانی جلد ۴، ص ۹۴۔ ابنِ ماجہ، بیہقی، ابونعیم، خصائص الکبریٰ جلد اول، ص ۶۶۱)

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ بن فرقد، جنھوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں موصل کو فتح کیا تھا، ان کی بیوی حضرت امِ عاصم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عتبہ رضی اللہ عنہ کے یہاں ہم

چار عورتیں تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک عتبہ رضی اللہ عنہ کی خاطر ایک دوسری سے زیادہ خوشبودار رہنے کی کوشش کرتی پھر بھی جو خوشبو عتبہ رضی اللہ عنہ کے وجود سے آتی وہ ہم سب کی خوشبوؤں سے اچھی ہوتی۔

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان:

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو ''خصائص الکبریٰ'' میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

وكان اذا خرج الى الناس قالوا ما شممنا ريحاً اطيب من ريح عتبة فقلنا له في ذالك قال اخذني في الشرى علىٰ عهد رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم فشكوت ذالك اليه فامرني ان اتجرد فتجردت عن ثوبي وقعدت بين يديه والقيت ثوبي علىٰ فرجي فنفخث في يده ثم وضع يده على ظهري و بطني بيده فعبق بي هذا الطيب من يومئذ۔

''اور جب وہ لوگوں میں جا بیٹھتا تو لوگ کہتے کہ ہم نے کوئی ایسی خوشبو نہیں سونگھی جو عتبہ رضی اللہ عنہ کی خوشبو سے اچھی ہو۔ ایک دن ہم نے اس سے (عتبہ رضی اللہ عنہ سے) اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں میرے بدن پر آبلے پڑے۔ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں اس بیماری کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کپڑے اتار دے۔ میں نے کپڑے اتار دیے اور ستر چھپا کر بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اپنا مبارک لعاب دہن اپنے دستِ مبارک پر ڈال کر میری پشت اور شکم پر مل دیا۔ اس دن سے یہ خوشبو مجھ میں پیدا ہوگئی اور بیماری جاتی رہی۔''

(خصائص الکبریٰ، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جلد دوئم، ص ۸۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک فرماتے ہیں حضور ﷺ کبھی کبھی دوپہر کے وقت ہمارے گھر تشریف لا کر آرام فرماتے۔ جب آپ ﷺ سو جاتے تو آپ ﷺ کو پسینہ آتا

اور میری والدہ پسینہ مبارک کی بوندوں کو شیشی میں جمع کر لیتیں۔ ایک دن حضور اکرم ﷺ نے انھیں ایسا کرتے دیکھا تو فرمایا: اے اُمِّ سلیم! یہ کیا کرتی ہو؟ اب جواب دیکھیے:

قالت هذا عرقك نجعله في طيبنا و هو من اطيب الطيب۔

''انھوں نے عرض کیا: یہ حضور ﷺ کا پسینہ ہے، ہم اسے عطر میں ملا لیں گے، اور یہ تو سب عطروں اور خوشبوؤں سے بڑھ کر خوشبودار ہے۔''

(بخاری شریف، مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف، ص ۵۱۷)

جس راہ چل دیے ہیں کوچے بسا دیے ہیں:

جب سرکار مدینہ، تاجدار حرم، منبع جود و سخا ﷺ مدینے کی گلیوں سے گزرتے ہوں گے تو عشاق کا عالم کیا ہوتا ہوگا؟ وہ راستے مہک اٹھتے ہوں گے، وہ گلیاں مشکبار ہو جاتی ہوں گی اور ہوائیں عطر بیز ہونے کے لیے آپ ﷺ کے جسم کو چھو چھو کر جاتی ہوں گی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مقام اصحاب رسول اللہ ﷺ میں جس رفعت کا حامل ہے وہ سیرت نگاروں سے پوشیدہ نہیں۔ یہ دونوں صحابیِ رسول ﷺ فرماتے ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم اذا مر في طريق من طرق المدينة وجدوا منه رائحة الطيب وقالوا مرّ رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم من هذا الطريق۔

ترجمہ: حضور ﷺ جب مدینہ منورہ کی کسی گلی سے گزرتے تو لوگ اس گلی سے خوشبو پا کر کہتے کہ اس گلی میں حضور ﷺ کا گزر ہوا ہے۔

(دارمی، احمد بیہقی، ابونعیم، بزار، ابویعلی، دلائل النبوت، ص ۳۸۰، خصائص الکبریٰ، سیوطی رضی اللہ عنہ، جلد اول، ص ۶۷، زرقانی جلد چہارم، ص ۲۲۴)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تصور انھیں کھینچ کر اسی رہ گزر پر لے جاتا ہے اور وہ مشکباری کرتے ہیں:

ان ﷺ کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل دیے ہیں، کوچے بسا دیے ہیں

مندرجہ بالا واقعے کی یہ شعر کس طرح ترجمانی کرتا ہے:

عنبر زمیں ، عبیر ہوا ، مشکِ تر غبار
ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہ گزر کی ہے

کسی مادہ پرست کو یقین نہ آئے کہ وہ مادی نظام حیات کے اصولوں سے اس درجہ مغلوب ہے کہ روح بیمار ہوگئی ہے؛ کرامات و معجزات کا اعتبار یوں نہیں کہ وہ عقلِ انسانی کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے لیکن یہ روزِ روشن سے بھی زیادہ روشن حقیقت ہے کہ مدینہ منورہ کے در و دیوار اور اس سرزمین کی خاکِ مقدس اور وہاں کی ہواؤں میں مشک و عنبر کی خوشبو شامل ہے۔

لیکن اسے شامۂ محبت سے ہی سونگھا جا سکتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ السمہودی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان:

وفاء الوفاء میں شیخ الاسلام السمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے ابنِ بطال کا یہ قول نقل کیا ہے:

''جو شخص مدینہ منورہ میں رہتا ہے وہ اس کی خاک مبارک اور در و دیوار سے خوشبو محسوس کرتا ہے۔''

اس خیال کو ''یاقوت'' نے اپنے لفظوں میں پیش کیا ہے:

''من جملہ خصائصِ مدینہ، اس کی ہوا کا خوشبودار ہونا اور وہاں کی بارش میں بوئے خوش ہوتی ہے جو کسی اور جگہ کی بارش میں نہیں ہوتی۔''

ایک شاندار حوالہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان:

جلیل القدر صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی بیٹی کا نکاح کرنا ہے اور میرے پاس خوشبو نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ خوشبو عنایت فرما دیں۔ فرمایا: کل ایک کھلے منہ والا برتن (شیشی) لے آنا۔ دوسرے روز وہ شخص شیشی لے آیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس میں پسینہ ڈال دیا یہاں تک کہ وہ بھر گئی، پھر ارشاد

فرمایا: اسے لے جا اور بیٹی سے کہنا اسے لگا لیا کرے۔

فكانت اذا الطيب به يشم اهل المدينة رائحة ذالك الطيب فسمو بيت المطيّبين۔

''پس وہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینۂ مبارک کو لگاتی تو تمام اہلِ مدینہ کو اس کی خوشبو پہنچتی، یہاں تک کہ ان کے گھر کا نام بیت مطیّبین (خوشبو والوں کا گھر) مشہور ہو گیا۔''

(ابو یعلی، طبرانی، ابنِ عساکر، زرقانی جلد چہارم، ص ۲۲۴، خصائص الکبریٰ جلد اول، ص ۶۷)

غسلِ میّت کا واقعہ اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا بیان:

جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین صحابیوں نے غسل دیا جن میں ایک حضرت علی ابنِ ابی طالب کرّم اللہ وجہہٗ تھے، آپ کرّم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں: جب میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو غسل دیا تو:

سطعت منه ريح طيبة لم نجد مثلها قط۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی پاکیزہ خوشبو پھیلی کہ ہم نے اس کی مثل کبھی نہیں پائی۔''

حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''جذب القلوب'' میں اس طرح اظہارِ خیال فرماتے ہیں:

''و شبلی رحمۃ اللہ علیہ، کہ یکے از علمائے صاحبِ وجدان است، می گوید کہ تربتِ مدینہ رائحہ خاص است کہ در ہیچ مشک و عنبر نیست۔''

ترجمہ: حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ، جو صاحبِ علم و وجدان ہیں، فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی مٹی میں ایک خاص قسم کی خوشبو ہے جو مشک و عنبر میں نہیں۔''

(جذب القلوب، ص ۱۰)

خاکِ طیبہ از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ در وے دلبر است (اقبالؔ)

مُطَہَّرُ

زمین جن کے قدم چوم کر بنی مسجد
وہ ذکرِ پاکیِ داماں درود تاج میں ہے

مُطَھَّرُ

از رخش گردد منور گر ہمہ جنت بود
وز لبش یابد طہارت گر ہمہ زمزم بود
(سنائی غزنوی)

طہارت بدنی وطہارت قلبی:

طہارت کی دو قسمیں ہیں: ایک ظاہری، دوسری باطنی۔ جس طرح طہارت جسمانی (ظاہری) کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی اسی طرح دل (باطنی) کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی۔ بدنی طہارت کے لیے پاک شفاف پانی چاہیے، دل کی طہارت کے لیے پاک توحید چاہیے جو ملوث نہ ہو۔ اکل حلال، صدق مقال، جملہ حواس کا معصیت سے پاک ہونا اور دل کا اوصاف ذمیمہ، بغض، حسد، کینہ جیسے تمام اوصاف سے پاک ہونا۔ مقام توحید حاصل کرنا آب وخاک کا کام نہیں، اس کی جگہ تو صاف دل اور پاک جان میں ہے۔

توحید نہ کار آب و خاک است
کاں در دلِ صاف و جانِ پاک است

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ
(اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔)

دل کی طہارت کا معاملہ اتنا آسان نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، جن کی تشریف آوری ہی نفس کے تزکیے کے لیے ہوئی تھی جس کا ذکر بار بار قرآن میں آیا، خود اپنے لیے فرمایا کرتے:

اللّٰھم طھّر قلبی من النفاق
(اے اللہ میرے دل کو نفاق سے پاک کر۔)

اقسامِ طہارت تین ہیں:

بات بہت نازک ہے، سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں: اجمالاً طہارت تین قسم کی ہوئی: جسم، لباس، وہ لقمہ جو حلال ہو۔ اگر اتنا ہو گیا تو سعادت کی منزل کی جانب یہ پہلا قدم ہوگا، حواسِ خمسہ جب خلاف و معصیت سے پاک ہو گئے تو انسان نے دوسرا قدم جانبِ منزل رکھا اور جب دل اوصافِ ذمیمہ سے پاک ہو گیا تو وہ یہ تیسرا قدم ہے جہاں توبہ کی حقیقت کھل گئی۔ ان مراحل سے جو گزرا، ان سعادتوں کو جس نے حاصل کر لیا وہ بندہ میکدہ تھا مسجد ہو گیا، بت خانہ تھا صومعہ ہو گیا، دیو تھا آدمی ہو گیا، خاک تھا زرِ خالص ہو گیا، شبِ تار تھا روزِ روشن ہو گیا۔ یہاں اس شبہے کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ لاکھوں آدمی، جو اسلام اور ایمان کے دعویدار ہیں، کلمہ گو ہیں مگر اس طہارت کے درجے سے گرے ہوئے ہیں، کیا یہ سب مسلمان نہیں؟ کیا ان کو مسلمان نہیں کہنا چاہیے؟ ایسا نہیں ہے، بحکمِ ظاہر شریعت سب مسلمان ہیں کیونکہ اعتقاد کا مسئلہ بھی یہی ہے لیکن جب بات عالمِ باطن کی ہوگی تو اس عالم کے احکام کچھ اور ہی ہیں۔ جیسا کہ علم کی دو قسمیں ہیں: ایک وہبی، دوسرا کسبی، ایسے ہی طہارت کی بھی دو صورتیں ہیں: خود بخود دل میں ایسی بات پیدا ہو کہ جوارح اور حواسِ خمسہ طہارت سے آراستہ ہو جائیں لیکن یہ فضلِ محض ہے، اسی کو کفایت کہتے ہیں۔ جسے چاہے جیسے نواز دے اور اس کے لیے خواص ہی مخصوص ہیں۔ دوسری صورت مجاہدہ و ریاضت ہے۔ ان سعادتوں سے مشرف ہونے والے کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ ہر حال میں یہ سمجھتا رہے کہ حق تعالیٰ دانا اور بینا ہے۔ اس کے بے حد فائدے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ''رقیب'' بھی ہے۔ جب بندہ اس صفت سے واقف ہو جاتا ہے تو اس بندے میں شرم پیدا ہو جاتی ہے، وہ ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جو اللہ کو ناپسند ہو۔ اس طرح اس کو جو سعادت نصیب ہوئی ہے اس کی حفاظت ہو رہی ہوتی ہے کیونکہ ہزار پردے میں کوئی کام کیوں نہ کیا جائے اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ یہاں ایک بزرگ کا مختصر واقعہ:

جب معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے:

ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا کہ اس کی دلیل اور نشانی کیا ہے کہ آپ کو

معرفتِ الٰہی حاصل ہے۔ آپ (بزرگ) نے فرمایا کہ جب برا اندیشہ دل میں پیدا ہوتا ہے تو اندرونِ دل سے آواز آتی ہے: ''تجھے خدا سے شرم نہیں آتی۔''

بعض آسمانی کتابوں میں یوں بھی آیا ہے:

''اے میرے بندے تو نے لباسِ حیا پہن لیا ہے، جو عیوب تجھ میں ہیں ان سب کو خلق اللہ سے چھپاؤں گا اور جس جس مقام پر تجھ سے گناہ سرزد ہوئے وہاں کے باشندوں کے دل سے میں اس کو بھلا دوں گا۔ اس کی غرض یہ ہے کہ قیامت کے دن تیرے گناہوں پر گواہی نہ گزرے اور لوحِ محفوظ سے بھی تیری برائیاں دھو دوں گا تاکہ حشر کے دن نہایت آسانی کے ساتھ حساب کتاب میں اختصار کروں تاکہ تجھ کو حساب دینا آسان ہو۔''

سجدہ گاہ بندگانِ ربّ ہوئی ساری زمیں:

صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ اس کے علاوہ مسلم شریف، نسائی و ترمذی ''باب المساجد'' میں ہے کہ فرمایا رسول ﷺ نے:

''میرے لیے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنا دی گئی۔''

خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

خاک در عہدش قوی تر چیز یافت
مسجدے گشت و طہورے نیز یافت

خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رونقِ بزمِ کون و مکاں کے عہد میں خاک کو جو انعام ملا، جو خلعت نصیب ہوئی کہ ایک قوی تر چیز مل گئی یعنی تمام روئے زمین مسجد (خدا کا گھر) بن گیا اور طہور بھی پایا۔ (طہور کہتے ہیں پاک کرنے والی چیز یعنی جس سے دوسری چیز کو پاک کیا جائے۔ یہ اشارہ تیمم کی طرف ہے۔)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، مذاہبِ عالم کا جائزہ لیجیے تو معلوم ہوگا کہ مذہب اسلام کے سوا جتنے بھی مذاہب ہیں وہ اپنی عبادت کی رسوم ایک خاص عمارت میں، کوئی چار دیواری ہی کیوں نہ ہو، عبادت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ نہ جانے انھوں نے ذکرِ خدا کا چار دیواری میں مقید کرنا کیوں اختیار کیا۔ یہودی اپنے صومعوں (عبادت کے لیے مخصوص طرز

کی عمارتوں) میں ہی قربانی اور عبادت دونوں کرتے ہیں۔ اس عبادت گاہ سے باہر نہ قربانی کر سکتے ہیں نہ خدا کا ذکر۔ اسی طرح عیسائی حضرات بھی مخصوص عمارتوں میں، جنھیں ''چرچ'' کہا جاتا ہے، اپنے مخصوص انداز میں عبادت کرتے ہیں۔ کیا جانیے ان کا تصور کیا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ زمین کی پاکی کا کوئی تصور اپنے مذہب میں نہ رکھتے ہوں۔ مسلمانوں کا خدا، جس نے ہر غلام کو آزاد کرا دیا، وہ پتھروں کی دیواروں میں خود کو مقید کیوں رکھتا؟ وہ مسجد کے اندر بھی خدا ہے، مسجد کے باہر بھی خدا ہے۔ مشرق ہو کہ مغرب، دشت و جبل ہوں، بحر و بر، مسجد ہو کہ کنشت (نصاریٰ کی عبادت گاہ) ہر جگہ سجدہ کیا جا سکتا ہے۔

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

جدھر منہ پھیرو ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے

ہر جا کنیم سجدہ با آستاں رسد

زمین کو یہ فخر و اعزاز رحمت للعالمین ﷺ کے قدم مبارک کی برکت سے ملے۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ ان گرجا گھروں میں، جن میں تصاویر نہیں ہوتی تھیں، نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری: کتاب الصلوٰۃ، سیرت النبی ﷺ جلد سویم، سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

آگ اور پانی پر بھی آپ ﷺ کی رحمت:

حضور رحمت اللعالمین ﷺ کی رحمت للعالمینی پر جس طرح زمین کا حق تھا کہ اسے مشرف باعزاز کیا جائے پانی کا بھی اتنا ہی حق تھا کیونکہ آپ ﷺ رحمتِ عالم ہیں، خاک اور آب دونوں کے لیے رحمت ہیں۔ ہوا اور آتش پر بھی آپ ﷺ کے احسانات اور کرم نوازیاں ہیں۔ ہوا کا ذکر تو جسم کی خوشبو کے عنوان سے گزر گیا کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ آگ دوزخ کی ہو یا دوزخ سے باہر کی آپ ﷺ نے اس پر بھی کرم فرمایا ہے۔ اسے آخر میں پیش کروں گا۔ پہلے آب: انسان کی سرشت میں، انسان کی تخلیق میں آب و گِل کا ہی تذکرہ ہے اور ہوتا رہے گا۔ پانی کی اہمیت کائنات کے نظام میں کیا ہے؟ یہی موجِ بیکراں ہے یہی قطرۂ شبنم ہے، مغفرت کے لیے یہی قطرۂ اشک ہے، شجر کو برگ و بار

اسی سے، موجوں کا ترنم اور دریا کی روانی کے حسین حوالے بھی یہی، طوفانِ باد و باراں، گھنگھور گھٹائیں یہاں تک کہ آبِ زم زم اور آبِ کوثر بھی یہی۔ پھر یہ مٹی کی طرح اپنا اعزاز کیوں نہ لیتا؟ مٹی کو یہ اعزاز صحبتِ قاسمِ نعمت سے ملا، جیسا کسی شاعر نے کہا:

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد

شاعر نے مٹی سے دریافت کیا تو اس قدر خوشبودار کیسے ہے کہ تجھ میں سے مشک و عنبر کی خوشبو آ رہی ہے جس کی دل آویزی سے میں مست ہوا جاتا ہوں۔ مٹی نے سوال سن کر جواب دیا: میں تو ناچیز مٹی ہی تھی۔ جمالِ ہم نشیں مجھ میں اثر کر گیا ورنہ میں بیچاری سراپا خاک تھی۔

احباب کے مذاق کو دیکھتے ہوئے یہاں ترجمہ پہلے کر دیا، اب اشعار کا لطف اٹھائیے کیونکہ ترجمہ کیسا ہی ہو ترجمہ ہی ہوتا ہے (یہ ترجمہ بھی لفظی نہیں بلکہ محاوراتی رکھا ہے)۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلآویزِ تو مستم
بگفتا: من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

جب ایک پھول نے اپنی صحبت سے مٹی کو خوشبو دے دی تو غور فرمائیے کہ خالقِ عرش و فرش کے محبوب ﷺ نے سجدے کے لیے اپنی جبینِ سعادت خاک پر رکھی ہوگی، اور بار بار رکھی ہوگی، گہ بہ مکہ، گہ بہ مدینہ، گہ بہ خیبر، گہ بہ بدر، گہ بہ جبلِ نور، گہ احد۔ تمام راستہ قدمِ مبارک لبِ خاک کو بوسے کی اجازت دیتے ہوں گے اور جب رخِ شمس الضحیٰ کے گرد آفتاب کی شعاعیں بلائیں لینے کے لیے آتی ہوں گی تو ان کی تمازت سے جبینِ ناز سے عطرِ عرق ٹپکتا ہوگا۔ جب طائف میں زخموں سے چور بدن سے زمین پر خونِ اقدس ٹپک رہا

ہوگا۔۔۔ جسے لرزتے ہاتھوں سے خاکِ طائف نے اپنے سینے سے لگایا ہوگا۔۔۔ ہاں اگر خالقِ ارض وسماء زمین کو قوتِ گویائی بخش دے تو وہی اپنے عزّوشرف کا قصہ سنا سکتی ہے۔

اگر خاک کو سرورِ کشورِ رسالت ﷺ نے سجدہ گاہ بنا دیا تو اس پر سجدہ ریز ہونے کے لیے پاکیزہ آب سے وضو کی شرط لگا دی کہ جس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ انسان ہی نہیں ہر وہ شے، جسے پاک کرنا ہو، وہ پانی سے اس پاکیزگی کو حاصل کرے گی۔ سارے جہاں کو مطہر کرنے کا ذریعہ آب کو بنا کر طہارت کا اعزاز بخش دیا۔

جس وقت سرکارِ مدینہ ﷺ وضو فرماتے اس سے پہلے آب کی قدر و قیمت خود اس کو معلوم ہوتی لیکن جب اسے دست و پائے رسول ﷺ کا لمس ملتا تو ایک لمحے میں اس کی قدر و قیمت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وضو کے اس پانی کو زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں پر مل لیتے تھے۔ آپ ﷺ کے جدِ امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے قدموں کی رگڑ سے آبِ زم زم جاری ہوا لیکن جب رحمتِ عالم ﷺ نے پانی کو یہ قیمتی اعزاز بخشا تو زم زم کے دل میں یہ تمنا کیوں نہ اٹھتی کہ اے کاش! حضور ﷺ مجھے طلب فرماتے۔ مکے میں جب جب قحط پڑا آپ ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگی گئی۔ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے دعا مانگی۔ آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے بارش کی دعائیں مانگیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، ساقیِ حرمین نے دعا مانگی۔ ابر جو منتظر تھا طلب کیے جانے کا، آپ ﷺ کا دیدار کرنے کا، آپ ﷺ کے قدموں تلے لیٹ لیٹ جانے کا، آپ ﷺ کی گزرگاہوں پر بچھ جانے کا، کاش اس کی زبان ہوتی تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کے روبرو ثناء کرتا۔ بے زبان تھا، سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر پڑھ کر خاموش ہوگیا:

کاش ہر موئے من زباں بودے
در ثنائے تو یا رسول اللہ ﷺ

مصنف درود تاج نے جسمِ انسانی کے تمام پہلوؤں کو نگاہ میں رکھا ہے۔ عام آدمی کے جسم میں ایک کثافت ہوتی ہے جو پسینہ بن کر اندر سے باہر آتی ہے، اسی لیے سادے پانی یا جدید طریقے (صابن) کے استعمال سے وہ بدن کو صاف کرتا ہے ورنہ بہت جلد یہ کثافت بو دینے لگتی ہے۔ امیروں، رؤساء، نوابوں، راجوں مہاراجوں اور سلاطین و

تاجداروں کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اپنے جسم کو زیادہ سے زیادہ خوشبودار رکھنے کے لیے کثافت کو پانی سے دور کرتے وقت اس میں خوشبویات استعمال کرتے تھے، اور اب بھی کرتے ہوں گے۔ بادشاہِ وقت ہو کر بھی کس قدر محتاج ہے، کس درجہ بے بسی ہے کہ عارضی سہاروں سے اپنی اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے پر مجبور ہیں، اور پھر کہتے ہیں کہ وہ ہماری ہی طرح تھے۔

مکھی جسمِ اطہر ﷺ پر کبھی نہ بیٹھی:

معجزہ دیکھیے کہ مکھی کو، جسے کسی بات کی تمیز نہیں کہ ابھی وہ کہاں ہے اور پھر وہاں سے اڑ کر بادشاہ سلامت کی ناک پر جا بیٹھے، یہ شعور یا حکم کس نے دیا کہ وہ جسمِ اقدسِ نبیِ کریم ﷺ پر نہ بیٹھے، اور کبھی کوئی مکھی آپ ﷺ کے جسمِ اقدس پر نہیں بیٹھی۔ وہ جس سے خوشبو کے فوارے پھوٹتے، جس سے باہر آنے والا پسینہ اگر کوئی اپنے گھر لے جائے تو اس گلی میں اس گھر کا نام ہی ''بیت المطیبین'' ہو جاتا ہے۔ مکھی، جو ایک مخصوص نظامِ حیات کی پابند ہے اور اسی دایرے میں رہ کر وہ آتی ہے اور چلی جاتی ہے لیکن کیا ہوا اے قانونِ قدرت (Law of Nature) کے فلسفیو! ایک مکھی نے تمھارے اصولوں کا تار و پود بکھیر دیا۔ پہلا قانونِ فطرت وہاں ٹوٹا کہ کثافت مُشک بن گئی، دوسرا قانونِ فطرت یہاں ٹوٹا کہ مکھی بدن پر نہیں بیٹھتی۔ قانونِ قدرت کے ہم بھی قایل ہیں اور تم بھی، فرق یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ قانون بن چکا، کن فیکون کہہ کر اب اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ زلزلہ اپنے طبعی اسباب پر آسکتا ہے اس کے بغیر نہیں لہٰذا عذاب کے نزول کی باتیں قصے ہیں حقیقت نہیں۔ وہ اتفاق سے، جب خدا نے تنبیہ کی اور قانونِ قدرت کے مطابق ایسے طبعی امور ہو گئے کہ زلزلہ آ گیا (سرسیّد احمد خان کے نظریات)۔ مگر ہم طبعی امور کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور امورِ طبعی کو ''کن'' کہہ کر نظامِ حیات کا حصہ بنانے والی قوت کو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بھی مانتے ہیں۔ اب اگر ہم غلط ہیں تو تم بتاؤ مکھی میں یہ تمیز کس نے دی، اتنی کمزور اور ناتواں ہو کر بھی ''لاء آف نیچر'' سے بغاوت کر دی اور اتنا طاقتور نظامِ حیات اس بغاوت سے اسے باز نہ رکھ سکا!

چیونٹی کی "لاءِ آف نیچر" سے بغاوت:

بات صرف مکھی کی نہیں چیونٹی کی بھی ہے اور یہ اتنی چھوٹی چھوٹی قوتیں ہی مثال بن گئیں قانون شکنی کی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو آتا دیکھ کر ایک چیونٹی نے شور مچایا کہ اپنے محفوظ مقامات پر چلو، ورنہ لشکر کچل دے گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی بات سن کر مسکرا دیے۔ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی انسانی قوتِ سماعت کے قانون کو توڑا کہ چیونٹی کی آواز سن لی اور پھر جواب دیا؛ واہ سبحان اللہ! اب چیونٹی نے جواب سنا بھی اور سمجھا بھی۔ دنیا کا کوئی سائنسدان اس واقعے پر غور کرے اور پھر اس کا جواب تلاش کرے۔ بات یہ تھی کہ چیونٹی کا معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسبت سے ربّ نے دکھایا تو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو سردارِ انبیاء علیہم السلام ہیں، روزِ محشر حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کی شفاعت بھی سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرمائیں گے اس لیے مکھی کا معجزہ دکھایا اور اس شان کا دکھایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ مبارک پر مکھی کبھی نہ بیٹھی۔ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم، جو مہبطِ جبرئیلِ امین علیہ السلام، صدرِ دیوانِ حشر، پیشوائے سبل، امام الرسل ہیں، کے لیے کیا کچھ نہ کرتا۔ وہ ایسی ہستی کہ کثافتِ معصیت لے کر جو نقاشِ چمن کے قریب آتا تو بہارِ صد گلستاں بن کر لوٹتا۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے لیکن زمین منتظر رہی کوئی ایسا آئے کہ فلک بھی میرے آگے جھک جائے کہ اس کی بلندی میرے پستی سے ہے۔ مجھے میرے ربّ نے عاجز و مسکین بنایا ہے اس لیے فلک کا غرور دیکھ کر بھی میں خاکسار بن گئی ہوں۔ کاش وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے کہ عرش منت کرے میری۔

بس ایک رات کا مہماں انھیں بنانے کو
زمیں سے عرش نے کی ہوں گی منتیں کیا کیا (ادیب)

اور جب وہ آ گیا تو زمین نے جتنا ناز کیا، وہ ناز کیا کسی نے کیا ہوگا! خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کیا فرمایا:

نورِ اُو مقصودِ مخلوقات بود
اصلِ معدودات و موجودات بود

خاک در عہدش قوی تر چیز یافت
مسجدے گشت و طہورے نیز یافت

مغل بادشاہ اکبر کے مصاحبِ خاص فیضی، جو شعر کہنے میں جواب نہیں رکھتے تھے، فرماتے ہیں:

اسرارِ ازل خزینۂ اُو
محرابِ ابد مدینۂ اُو
زانوئے زمانہ بر زمینش
دامانِ فلک در آستینش

اور جامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں کہ انھوں نے بھی اس پر ختم کر دیا:

بر دفترِ جمالِ تو، توریت یک ورق
وز مصحفِ کمالِ تو انجیل یک رقم

مُنَوَّرٌ فِي الْبَيْتِ وَالْحَرَمِ

وہ نور ، جس کا اجالا محیطِ کون و مکاں
حرم میں تھا وہ درخشاں، درود تاج میں ہے

مُنَوَّرٌ فِي الْبَيْتِ وَالْحَرَمِ

جاروب شعاعی لیے ہر صبح کو سورج
کرتا تری درگاہ میں جاروب کشی ہے
(حسان الہند اختر اعظم گڑھی)

نور کی تعریف "نور الھدٰی"، "مصباح الظلم"، "نور من نور اللّٰہ" اور "بنورِ جمالہٖ" میں نہایت تفصیل کے ساتھ پیش کی گئی ہے جو آیندہ اوراق میں آپ کے ذوق مطالعہ کی تشنگی دور کر دے گی۔ نور جس طرح خود محدود نہیں اس کے معنی بھی محدود نہیں۔ عالم ہو، فقیہ ہو یا فلسفی و شاعر، کسے باشد، ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ایک دائرہ کھینچ دیا اور فرمایا کہ جو کچھ اس دائرہ فکر میں ہے اسی کو نور کہتے ہیں۔ اس کی دلیلِ علمی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے متعلق یہ ارشاد ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

اس نور کو، جسے عقلِ انسانی کے ذریعے پہچانا نہیں جا سکتا، جہاں ادارک عاجز اور افکار قاصر، تخیل بے بس اور تصور لاچار ہے وہ اس حقیقت کو ذہنِ انسانی کے مطابق سمجھانے کے لیے تمثیلی انداز بیان اختیار کرتا ہے کہ اب اس طرح سمجھ لو کہ میرا نور کیا ہے۔

سورہ نور کی آیات میں ارشاد ہو رہا ہے:

"اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ جیسے

ایک طاق کی۔ اس میں ایک چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک فانوس ہے۔ وہ فانوس گویا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ روشن ہوتا ہے مبارک درخت زیتون سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہوجائے اگرچہ اس کو آگ نہ لگے۔ نور پر نور ہے۔ اللہ ہدایت فرماتا ہے اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے اور لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔ (سورہ نور: آیت ۳۵)

''افصح العرب ﷺ'' کی صحبت کے اثرات:

اس کی تشریح سے پہلے عرض کرتا ہوں کہ عہدِ رسالت مآب ﷺ میں جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہ صرف اہلِ زبان تھے بلکہ عربی لغات پر پورا عبور تھا، صرف ونحو ان کی جھولی میں پڑی ہوئی تھی۔ ایک واقعہ گزشتہ اوراق میں پیش کرچکا ہوں جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک لفظ کے ہجے پر فیصلہ دیا تھا کہ یہ قریش کے ہجے پر لکھیں، اس طرح لغات عرب پر یہاں تفصیل میں جانے کا وقت نہیں، میری گزشتہ تصنیف ''مشکوٰۃ النعت'' میں طویل بحث ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمہ وقت ''افصح العرب ﷺ'' کی بارگاہ میں حاضر ہوا کرتے۔ انھیں اجازت بھی تھی کہ جو مسئلہ سمجھ میں نہ آئے وہ دریافت کرلیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن سے متعلق ہر اس مسئلے کو، جو قابلِ دریافت ہوتا، سرکار مدینہ ﷺ سے دریافت کرتے۔

اس صحبت کا اثر تھا کہ ان کے خطیب کے مقابل کوئی خطیب نہ ٹھیر سکتا، ان کے شاعر (دربار رسالت ﷺ) کے آگے عرب کے دوسرے شاعر اپنے دعوؤں سے دست بردار ہوجاتے۔ زبان و بیان کے تمام معرکے سر کرنے میں ان اصحاب رسول اللہ ﷺ کو کوئی دشواری نہیں تھی اس لیے کہ انھوں نے قرآن کو صاحبِ قرآن سے سمجھا۔ ان سے تابعین اور پھر ان سے تبع تابعین تک یہ سلسلہ رہا۔ قرآن کریم کی تفاسیر کا سلسلہ جب سے شروع ہوا ان میں انھی اصولوں کو پیشِ نظر رکھا گیا جس کا تعین اس طرح ہوا:

۱- عربی زبان سے مکمل واقفیت۔

۲- عربی لغات پر عبور۔

۳- قواعدِ صرف ونحو کا بخوبی جاننا۔

۴- اصول تفسیر سے آگہی۔

آج ہمارے جو مفسرین قرآن کی تفسیر فرماتے ہیں ان کے پیشِ نظر یہ تمام اصول ہوتے ہیں۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد جو آیات پیش ہوئیں ان کی جو تشریح حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی وہ پیش کرتا ہوں۔ اس سے پہلے یہ بھی واضح کردوں کہ عہدِ رسالت ﷺ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں قرآن وحدیث کی بابت کسی ذاتی رائے کا نہ حوصلہ تھا نہ جرأت۔ ایسا مضبوط ایمان تھا۔ چنانچہ اس عہد میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عمر نے یہ تفسیر فرمائی تو یقین کی منزل کو پہنچی، جو شک اور شبے سے بالاتر ہے، فرماتے ہیں:

طاق تو حضور ﷺ کا سینۂ اقدس ہے اور فانوس قلبِ مبارک ہے۔ چراغ وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا ہے۔ وہ نہ شرقی ہے نہ غربی، نہ یہودی ہے نہ نصرانی۔ روشن ہے شجرہ مبارکہ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے۔ نور پر نور ہے یعنی نور قلبِ ابراہیم علیہ السلام پر نور قلبِ مصطفیٰ ﷺ۔

(تفسیر خازن جلد سویم، ص ۲۲۳)

ایک اور قیمتی حوالہ کہ ان آیات کو ایک شعر میں سمیٹ کر تفسیر بیان کردی:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مقام تاریخ میں، تفسیر اور احادیث کے ضمن میں نہایت بلند پایہ ہے لہٰذا پہلا مقام تصدیق انھیں کو قرار دیا۔ بعض حضرات راویوں کی صحتِ بیانی میں الجھا کر اعتراض کا پہلو نکالتے ہیں جب کہ ایسے لوگ تفسیر کے بنیادی اصولوں پر کاربند بھی نہیں ہوتے۔ دنیاوی معاملات میں، خدانخواستہ، آپ کو اگر اپنی بے گناہی کے لیے کسی عدالت میں پیش ہونا پڑے تو آپ شہر کے بہترین قانون دان سے رجوع کریں گے۔ آپ اس وکیل کے ظاہری حسن و جمال اور قدوقامت کو نہیں دیکھیں گے، نہ اس کی خوش لباسی اور خوش گفتاری پر غور کریں گے بلکہ مقدمے کی پیروی کے لیے اس کی مہارت، قابلیت، تجربہ اور بہترین نتائج تلاش کریں گے۔ اسی طرح جب قرآن فہمی کی بات ہوگی تو

آپ ایسی عالم شخصیت سے رابطہ کریں گے جسے عربی زبان، قرآن، علوم حدیث، لغات زبان پر مکمل عبور حاصل ہو، اور کردار کی بلندی کہ زمانہ اس کا احترام اس کے علم و فضل اور اس کے بلند کردار کی وجہ سے کرتا ہو۔ قابلیت کے وہ تمام جوہر اس میں پائے جاتے ہوں جو تمام شکوک اور باطل افکار کا ابطال کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور سورہ نور:

بعض شخصیات ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا مقام علمی القاب و آداب کا محتاج نہیں ہوتا، ان میں برصغیر کی عظیم ہستی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو جتنے علوم پر دسترس ہے وہ ان کے علمی تبحر کی سند ہے۔ ان کی نگاہ بصیرت نے جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ تفسیر دیکھی تو جھوم اٹھے، اور ان کا یہ جھوم اٹھنا عقیدت ہی کے سبب نہ تھا بلکہ اس کے بعد "کنز الایمان" کے اوراق پر جو لکھا وہ اپنی جگہ بے مثال ہے لیکن دو مصرعوں میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام آیات کے مفہوم کو موتیوں کی طرح جوڑ دیا ہے، فرماتے ہیں:

شمع دل ، مشکوٰۃ تن ، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مقصود کائنات، مقصود مخلوقات اور معدودات و موجودات کی اصل ہے اور اسی مخلوق میں بیت اللہ، بیت اللحم، مسجد اقصیٰ و مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں شامل ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جلوہ گر ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب وہ مقامات منور ہو جاتے۔ نور کے متعلق آیندہ اوراق میں تفصیل سے بیان کیا ہے اس لیے یہاں اختصار ملحوظ ہے۔

شمسُ الضُّحیٰ

رُخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ شمسِ الضحیٰ ، وہ چشمہِ نور
صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دیکھ کے حیراں، درود تاج میں ہے

شمس الضحیٰ

جمالِ روئے ترا ہر کہ دید حیراں شد
چہ صورتیست ترا ، لا الٰہ الا اللہ

جلوہ محبوب ربّ ﷺ اور چشمِ اصحاب رسول ﷺ:

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ جمالِ روئے تابانِ مصطفیٰ ﷺ کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال سکے۔ لیکن فکر و خیال اور تصور کے لیے بڑا شرف ہے کہ حتی المقدور ان کے جمالِ جہاں آرا کی تصویر حسرتِ دید میں بہنے والے اشکوں اور جذباتِ عقیدت کے رنگوں سے بنائے۔

اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ کے حسن و جمال بالخصوص چہرہ انور کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے اور بعض نے چودھویں کے چاند سے۔ اردو، فارسی حتیٰ کہ عربی کے شعراء نے بھی اسی روایت کا تتبع کیا ہے۔ اس کے باوجود ہر ایک نے اپنے دل کے ارمان تو نکالے ہیں مگر جو حسن مستور ہے اس تک کوئی نگاہ پہنچ نہ سکی اور یہ خود قولِ نبوی ﷺ ہے۔

پہلے یہ قول ملاحظہ کیجیے جو حسنِ بے مثال کے تذکرے میں جامعیت کا حامل ہے:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کا قول ہے کہ حضور ﷺ کے وجودِ مبارک میں وحیِ الٰہی، معجزات اور دیگر دلائلِ نبوت کا اثر و ظہور نہ بھی ہوتا تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ہی آپ ﷺ کی دلیلِ نبوت کے لیے کافی تھا۔

(زرقانی علی المواہب جلد چہارم، ص ۷۲)

لو لم یکن فیہ آیات مبینۃ
کانت بدیھتہ تکفی عن الخبر

(عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ)

تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے
بخشا گدائے راہ کو تو نے شکوہ قیصری (جوش ملیح آبادی)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ شاعرِ دربارِ رسالت ﷺ ہونے کے ساتھ کاتبِ وحی بھی تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کو عام طور پر شاعرِ دربارِ رسالت کہا جاتا ہے لیکن شاعرانِ دربارِ رسالت میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ (اسد الغابہ)

حضور نبی اکرم ﷺ نے ان خوبصورت الفاظ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو اعزاز بخشا:

''خدا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ پر رحم فرمائے۔ وہ انھیں مجلسوں کو پسند کرتے تھے جن پر فرشتے فخر کرتے ہیں۔'' (اصابہ جلد چہارم، ص ۶۶؛ سیرۃ الصحابہ جلد پنجم، ص ۶۳)

شعراء نے تو حسن و جمال میں رخِ تاباں ہی کی بات کی ہے لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ حسن و جمال میں کیا کہتے ہیں:

الا یا ہاشم الاخیار صبراً
فکل فعالکم حسن جمیل

''اے ہاشمی، جو صبر میں سب سے بہتر تھے، آپ ﷺ کا ہر کام نہایت حسین و جمیل تھا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مارأیت شیأ احسن من رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کان الشمس تجری فی وجھہ۔

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب آپ ﷺ کے چہرے میں چل رہا ہے۔

(ترمذی، مشکوۃ، ص ۵۱۸)

جاں نثارانِ مصطفیٰ ﷺ میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کا ذکر گزشتہ اوراق میں

ہو چکا ہے۔ جن پر مظالم کی داستان بڑی دردناک ہے، جن کے صبر کا مقام بہت بلند ہے، جن کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا وہ پہلی خاتون ہیں جنھیں سرِ بازار نیزہ مار کر اسلام کی تاریخ میں شہید کیا گیا۔ اس عاشقِ صادق نے فرمایا:

لو رایتہ رایت الشمس طالعۃ۔

''اگر تو حضور ﷺ کو دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ سورج چمک رہا ہے۔''

(مشکوۃ شریف، ص ۵۱۷، دارمی)

شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اور جمال مصطفےٰ ﷺ:

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اور کیا خوب صورت بات کہی ہے، بہت کم ایسے شعر نظر سے گزرتے ہیں:

خورشید چوں برآمد، گفتم کہ زرد روئے
گفتا ز شرمِ رویش رنگِ نزار دارم

فرماتے ہیں: آفتاب جب نکلا تو اس کا چہرہ زرد تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا: یہ تجھے کیا ہوا، تیرا چہرہ زرد کیوں ہے (محاورہ ہے چہرہ پیلا پڑ گیا)؟ جواب میں کہنے لگا: جمال روئے تابانِ مصطفیٰ ﷺ کی شرم سے میرا رنگ بیماروں کی طرح زرد پڑ گیا۔

وہ ہستی، جس کے جمال رخ کی شرح میں والضحیٰ آیا، جس کی زلفِ عنبر بو، جس کی کاکلِ مشکیں کے لیے نکتہ والیل بیان ہوا، وہ جمال جہاں آراء، وہ مصحفِ قرآن خود اپنے جمال کے لیے کیا فرماتے ہیں:

حسن و جمال پر حدیث:

فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمالی مستور عن اعین الناس غیرۃ من اللہ عزّوجل ولو ظھر لفعل الناس اکثر مما فعلوا حین راوا یوسف۔

''حضور ﷺ نے فرمایا: میرا جمال لوگوں کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے چھپا رکھا ہے اور اگر آشکارا ہو جائے تو لوگوں کا حال اس سے بھی زیادہ ہو جو یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوا تھا۔''

(دُرالثمین فی مبشرات النبی الامین ﷺ، ص ۷)

یہ ہے حقیقتِ حسن و جمالِ مصطفےٰ ﷺ جسے حق نے غیرت کے سبب پوشیدہ رکھا۔ اب کوئی نگاہ کہاں جو خبر لائے گی!

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور جمال مصطفےٰ ﷺ:

اب اہلِ معرفت، اہلِ دل اور اہلِ محبت کس انداز میں آپ ﷺ کے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہیں، دیکھیے: جن کا یہ قول ہے: قدمی ھذہ علی کل رقبۃ، جنھیں زمانہ غوث اعظم، غوث الثقلین کہتا ہے وہ جمال حق کے لیے اس طرح فرماتے ہیں:

سقانی الحب کاسات الوصال
فقلت لخمرتی نحوی تعالی
ساغر بھرے ہیں عشق نے بزم وصال کے
لا، جس قدر بھی خُم ہیں، شراب جمال کے

وہ حسن و جمالِ مصطفیٰ ﷺ پر فارسی میں عجب ہی انداز سے فرماتے ہیں:

مکن بہرِ خدا عزم گلستاں با چنیں روئے
کہ دانم باغباں شرمندہ از گلزار خواہد شد

ترجمہ: خدا کے واسطے اس رخِ روشن کو لے کر گلستاں کا ارادہ نہ فرمائیں، جانتا ہوں کہ باغباں اپنے گل وگلزار کے رنگ و بو کو دیکھ کر شرمندہ ہو جائے گا۔

امام ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی بحث تشبیہات پر:

اب ''چودھویں کے چاند'' اور ''روشن آفتاب'' کی علیحدہ علیحدہ روایتوں پر ایک دلچسپ بحث پیش کرتا ہوں۔ امام عبدالرحمٰن ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف ''الوفاء باحوال مصطفیٰ ﷺ'' کے حاشیے پر درج ہے:

''فخرِ دو عالم ﷺ کے چہرہ اقدس کی نورانیت اور تابانی کے لحاظ سے چودھویں کے چاند سے تشبیہ دی ہے سورج کے ساتھ نہیں دی ہے۔''

(حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی ایک روایت کی شرح میں، امام جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی ہے، حاشیے پر فرمایا۔)

تو چاند سے تشبیہ کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ چاند کو دیکھا جا سکتا ہے اور سورج کو دیکھا نہیں جا سکتا نیز چودھویں کے چاند سے آنکھوں کو جو لذت حاصل ہوتی ہے اور دل کو جو سرور حاصل ہوتا ہے وہ سورج کو دیکھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی فرق کو واضح کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''انا املح واخی یوسف اصبح۔'' گویا حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ اتنا روشن تھا کہ اس پر نظر جمانا محال تھا، ادھر نظارگی کو وہ ذوق وسرور حاصل ہوتا کہ جو ایک نظر دیکھ لیتے تو پھر چہرہ اقدس سے نظر ہٹانے کو دل نہ چاہتا۔ آنکھوں کے واسطے سے وہ صورت دلپذیر دل میں یوں نقش ہو جاتی کہ پھر وہاں غیر کی گنجائش باقی نہ رہتی اور ان کی زبان ان نغمات کے ساتھ یوں مترنم ہوتی:

آئینہ نیست دل کہ دہد جا بہ ہر کسے
ایں پارہ عقیق بنام تو کندہ است

یہ میرا دل کوئی آئینہ نہیں ہے کہ ہر کسی کے چہرے کو اس میں جگہ دے۔ یہ تو عقیق کا ٹکڑا ہے جس پر آپ ﷺ کا نام کندہ ہے۔ یہی بات حضرت علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو ان کے نعتیہ اشعار کا مقطع ہے:

عالم ز ماہ رویاں گر پُر شود، نہ بینم
با تو ز روز اوّل دارم رہ وفا را

حسین چہروں سے اگر یہ عالم تمام پر ہو جائے لیکن میں تیرے سوا کسی کو نہ دیکھوں کہ روزِ ازل سے رہ وفا تجھ سے اختیار کی ہوئی ہے۔

حضرت امام جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کا بقیہ حصہ:

''البتہ آپ ﷺ کی ذات اقدس کو سطوت وجلال کے لحاظ سے اور جہان کو انوار ذات سے منور و مستنیر کرنے کے لحاظ اور ادراکِ حقیقت اور احاطہ کنہ ذات کے ناممکن ہونے کے اعتبار سے سورج کے ساتھ تشبیہ دینا درست ہے اور صحیح ہے کیوں کہ اس آفتاب آسمانی کے ادراک میں آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتی ہیں، اس آفتاب رحمانی کے ادراک کنہ کی

حقیقت سے عقولِ خلق عاجز اور قاصر ہیں۔'' (ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ)

روئے انور ﷺ کو آفتاب سے تشبیہ دینے کی بحث:

آفتاب سے آپ ﷺ کو صرف شعرائے عرب ہی نے تشبیہ نہیں دی بلکہ صحابہ کرام اور صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی جمالِ رخِ مصطفیٰ ﷺ کو دیکھ کر یہی کہا۔ عرب کی شاعری میں جہاں اور بہت سی خوبیاں تھیں وہاں یہ بات واضح تھی کہ جھوٹ کو شاعری کا طرّہ امتیاز نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ شاعری میں جھوٹ کو ناپسند کیا جاتا۔ وہ فخر و مباہات کی شاعری ہو یا عشقیہ شاعری، بدوی زندگی میں سادگی تھی اس لیے جھوٹ کا گزر نہ تھا۔ عرب کے مشہور عالمِ زبانِ عربی، ماہرِ لسانیات اصمعی نے غالباً کسی بغض یا عناد کے سبب حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی شاعری پر یہ الزام لگایا کہ اسلام میں داخل ہو کر ان کی شاعری بے مزہ ہو گئی ہے اور یہ بھی الزام لگایا کہ خود حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا (استفسار پر) کہ میری شاعری کا حسن جھوٹ سے تھا جسے میں نے چھوڑ دیا۔ اس الزام کی عرب کی شاعری، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بیانات اور ادب عربی کے ماہرین کے حوالوں سے تردید میری پچھلی تصنیف ''مشکوٰۃ النعت'' میں پچاس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

بات یہ کہنا مقصود ہے کسی نے بھی اس روئے تاباں کو شمس الضحیٰ کلام میں زور یا شعر میں حسن پیدا کرنے کے لیے نہیں کہا۔ سچے لوگ تھے، صاحبِ ایمان بھی تھے اور بڑی بات یہ کہ صاحبِ عرفان بھی تھے اور جس کی صحبت اور غلامی سے یہ سب کچھ ملا تھا، یہ جانتے ہوئے کہ وہ دلوں کا بھید بھی جانتا ہے، ان کے منہ پر جھوٹی بات کہنے کی کس کو مجال تھی؟ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علی احمد صابر کلیر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ جیسی اور بے شمار شاہ گو ہستیاں وہ صاحبِ کمال تھیں کہ لوحِ محفوظ پر جب چاہا نظر ڈالی اور دیکھ لیا چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور پھر درجہ بدرجہ، منزل بہ منزل ہمارے عہد کے شعراء انھی حضرات کی تائید و تقلید میں شمس الضحیٰ اور بدر الدجیٰ کہتے آ رہے ہیں۔ گویا اس آفتاب حسن و جمال کی خیرات ذکر اوپر سے تقسیم ہوتی ہوئی ہمارے عہد کے شعراء تک پہنچی ہے:

دلِ محزوں کبھی دردِ آشنا کے ساتھ بھی رہنا
اندھیروں میں رہا، بدر الدجیٰ کے ساتھ بھی رہنا
شبِ تاریکِ بیمِ موجِ ہستی میں سفر کرنا
ذہن میں ہالۂ شمس الضحیٰ کے ساتھ بھی رہنا (غیور احمد غیور)

حضرت امام ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بہترین انداز میں اس بات کو سمجھا دیا کہ ذاتِ اقدس کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اس کا ادراک ممکن نہیں۔ حواس خمسۂ باطنی میں عقل و ادراک اور حواسِ ظاہری میں بصارت ہے۔ عقل کا مرتبہ بصارت سے بلند ہے۔ جب عقل و ادراک عاجز ہیں تو چشمِ آرزو کس طرح اس حقیقت سے آنکھ ملا سکتی ہے اور اس کی مثال، آفتاب میں بھی، اتنا نور نہیں جتنا حضور ﷺ کے جمال میں ہے اور پھر دونوں کو مقابل لا کر کیا نتیجہ پیش کرتے ہیں:

گر ز انوار رُخت یک شعلہ تابد بر فلک
از حیاء مستور گردد آفتاب اندر نقاب

(معین الکاشفی رحمۃ اللہ علیہ، ہمعصر جامی رحمۃ اللہ علیہ)

''اگر آپ ﷺ کے رخِ روشن کے انوار کا ایک شعلہ فلک پر چمکے تو آفتاب حیاء کے سبب نقاب میں چھپ جائے۔''

حضرت غلام امام شہید رحمۃ اللہ علیہ بڑے پائے کے نعت گو شاعر تھے۔ روانی اور برجستگی ان کے کلام کے جزوِ خاص تھے۔ مولودِ شہیدی آپ کی بہت مشہور ہوئی جس میں آپ نے قدسی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر تضمین کی اور ترجیع بند کہا۔ ایک بند آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

قدِ رعنا کی ادا ، جامۂ زیبا کی پھبن
سرمۂ چشم غضب ، ناز بھری وہ چتون
وہ عمامے کی سجاوٹ ، وہ جبینِ روشن
اور وہ مکھڑے کی تجلّی ، وہ بیاضِ گردن
وہ عمامہ عربی اور وہ نیچا دامن

دلربایانہ وہ رفتار ، وہ بیساختہ پن
مردہ بھی دیکھے تو کر چاک گریبانِ کفن
اٹھ چلے قبر سے بے تاب، زباں پر یہ سخن:

"مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی"

ایک انداز یہ بھی ہے جو نظیری نیشاپوری نے اختیار کیا ہے:

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

غلام امام شہید رحمۃ اللہ علیہ نے سرِ اقدس تا قدم مبارک رفتار، گفتار، لباس تمام کا حسن یکجا کرنے کی سعی فرمائی۔ اردو اور فارسی کلام ایسی ارفع و اعلیٰ اور نادر تشبیہات و استعاروں سے لبریز ہے اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے تحت ہو رہا ہے جس میں **درود تاج** کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بن نعمان کا واقعہ:

صحابیِ رسول اللہ ﷺ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ایک شب تاریک میں، جس میں ہر طرف اندھیرا دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور بارش بھی ہو رہی تھی، اس عالم میں مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ محبوب کے دیدار کی آرزو کیسی آرزو ہوتی ہے جو راہ کی تمام دشواریوں کو بصد شوق قبول کر لیتی ہے۔ مکان فاصلے پر تھا، محبت کشاں کشاں لے آئی۔ حضور ﷺ نے اپنے عاشقِ صادق کو ایک نظر دیکھا تو دریافت فرمایا: اے قتادہ اتنی تاریک رات اور بارش کے باوجود تم آئے ہو۔ طالبِ دیدار نے عرض کی: امی و ابی فداک یا رسول اللہ ﷺ! اس تاریکی اور بارش کے سبب مجمع کم ہوگا، میں آسانی سے جی بھر کر دیدار کر لوں گا، چشمِ تمنا کی تشنگی دور کر لوں گا۔ آپ ﷺ مسکرائے۔ جب واپسی کا وقت آیا تو بارش اور گھٹاٹوپ اندھیرے کو دیکھ کر نور من نور اللہ نے فرمایا: اے قتادہ! یہ اپنے ساتھ لے لو (کھجور کی ایک شاخ اٹھا کر دے دی)، پھر فرمایا:

وقال انطلق به فانه سيضي لك من بين يديك عشرا ومن خلفك عشراً فاذا دخلت بيتك فستريٰ سوادا فاضربه حتىٰ يخرج فانه الشيطان فانطلق فاضاء له العرجون حتىٰ دخل بيته ووجد السواد فضربه حتىٰ خرج۔

(شفاء شریف جلد اول، ص ۱۹۵؛ زرقانی علی المواہب جلد پنجم، ص ۱۹۵)

ترجمہ: اور فرمایا اس کو لے جاؤ، یہ تمھارے لیے دس ہاتھ آگے اور دس ہاتھ تمھارے پیچھے روشنی کرے گی اور جب تم اپنے گھر میں داخل ہوگے تو تم ایک سیاہی کو دیکھو گے تو اس کو اتنا مارنا کہ وہ نکل جائے کیوں کہ وہ شیطان ہے۔ پھر قتادہ رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے تو وہ شاخ ان کے لیے روشن ہوگئی یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہوگئے۔ اندر جاتے ہی اس سیاہی کو پالیا اور اتنا مارا کہ وہ نکل گئی۔

اسی فیضانِ نور کی چمک دیکھ کر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

میں حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر پر بات ختم کرتا ہوں:

نعتِ آں روئے والضحیٰ آمد
صفتِ زلف اذا سجیٰ آمد

روئے مبارک کی تشریح کے لیے قرآن میں والضحیٰ کی آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ کی زلف کے بیانِ صفت میں اذا سجیٰ آیا، سبحان اللہ!

بَدرِ الدُّجیٰ

وہ آئنہ، جو دکھائے جمالِ رُوئے رسول ﷺ
وہ مصحفِ رُخِ تاباں درودِ تاج میں ہے

بَدرِ الدُّجیٰ[۱]

آئینہ دار پرتوِ مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمد ﷺ است

(غالبؔ)

وہ بدر الدجیٰ جب مدینے میں آیا:

ذرا اس حسین منظر کو خیال میں لائیے جب سرورِ عالم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب وہ بدر الدجیٰ سرزمینِ مدینہ میں داخل ہوا تو حبشی اپنے چھوٹے چھوٹے نیزوں کے ساتھ کھیلے (یعنی کرتب دکھائے)۔ وہ آپ ﷺ کی تشریف آوری پر مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔ جب رحمتِ عالم ﷺ بنونجار کی بچیوں کے قریب سے گزرے تو وہ گا رہی تھیں:

نحن جوار من بنی النجار
یا حبّذا محمد ﷺ من جار

ہم بنونجار کی بچیاں ہیں اور مبارک ہیں محمدِ عربی ﷺ جیسے پڑوسی۔

آنحضرت ﷺ نے ان کے اظہارِ عقیدت کے جواب میں فرمایا:

"اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں اور تم میرے الطاف و عنایات کا مرکزِ اولین ہو۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب آفتابِ نبوت و رسالت ﷺ نے افقِ مدینہ منورہ پر طلوع فرمایا تو عورتیں، بچے، بچیاں یہ اشعار گا رہے تھے:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ترجمہ: ہم پر بدرِ منیر وداع کی گھاٹیوں سے طلوع ہوا ہے لہٰذا ہم پر اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا شکر یہ ادا کرنا واجب و لازم ہے جب تک کوئی بھی دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے گا (یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ادائے شکر فرض ہے)۔

یہ لفظ معصوم، کم سن بچوں اور بچیوں کی زبان پر (بدرِ منیر) کیا خوب آیا اور اس کی تشریح، کہ انھوں نے بدرِ منیر کیوں کہا اور کیا مفہوم لیا، یہ بھی وہی جانتے تھے اسی لیے اس طلبگارِ رحمت نے عرض کیا:

وہ طلع ، وہ بدر علینا کے نغمے
کہاں ہم ، کہاں وہ ثنائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ادیب)

آئینہ دار پرتوِ مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم است (غالب)

شانِ حق آشکار ز شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم است:

غالب کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی شان حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے آشکار ہے۔ غالب جب کوئی فلسفیانہ خیال پیش کرتے ہیں تو دلیل ضرور لاتے ہیں، وحدت الوجود کا فلسفہ ہو یا وحدت الشہود کی بات ہو، مرگ و حیات کا فلسفہ ہو یا خوشی اور غم۔ مثال کے طور پر:

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ مشکلیں زیادہ ہوں تو تکلیف اور بڑھتی ہی جاتی ہے یہ آسان کیسے ہو سکتی ہیں لیکن اس شعر میں وہ پہلے دلیل پیش کرتے ہیں:

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

دیکھا آپ نے، کیسی مضبوط دلیل پیش کی ہے۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں:

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم ان کے ہیں ، ہمارا پوچھنا کیا

منصور حلاج نے بھی یہی کہا تھا جو غالب کہتے ہیں کہ آپ یہ کیا سوال کرتے ہیں کہ ہم کیا ہیں، کون ہیں؟ سمندر سے قطرے کو جدا کر دیں تو وہ سمندر نہیں کہلاتا ہے اسے قطرہ کہتے ہیں لیکن اگر اس قطرے کو واپس سمندر میں ڈال دیں تو پھر آپ اسے قطرہ نہیں کہتے سمندر کہتے ہیں تو سمجھیے کہ اس سے نکل کر جدا ہو گئے تو اب قطرہ کہلائے، واپس مل گئے تو ہم سمندر ہیں۔ دراصل ہمارا (قطرے کا) دل" میں سمندر ہوں کا اشارہ ہے" اس لیے ہم ان کے ہیں، ہمارا کیا پوچھتے ہو۔

یہی فلسفیانہ انداز نعت کے ہر شعر میں ان کا اول تا آخر ہے۔ ایک مصرعے میں دلیل ہے دوسرے میں خیال ہے۔ ماہتاب درحقیقت آفتاب کے پرتو کا آئینہ دار ہے، آفتاب سے نظریں ملانا ممکن نہیں (جیسا کہ شمس الضحیٰ کی تشریح میں گزرا) اب آفتاب کا پرتو ماہتاب میں اس طرح ہے کہ اس پرتو کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ماہتاب نورِ آفتاب کو متعارف کرا رہا ہے اس لیے شانِ حق تعالیٰ شانِ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آشکار ہے۔

لفظ بدرالدجیٰ کی ایسی فلسفیانہ اور مدلل تشریح ملنی دشوار ہے لیکن اب ہم چودھویں کے چاند کی طرف آتے ہیں۔

لفظ طٰہٰ کی تشریح:

مفسرینِ قرآن نے اس لفظ طٰہٰ کی بابت جو مختلف آراء پیش کی ہیں ان میں سے ایک بمعنی "چودھویں کا چاند" بھی ہے لیکن ہم آپ کی خدمت میں صرف ایک ہی رائے پیش نہیں کریں گے بلکہ آپ کے ذوقِ مطالعہ کے لیے جو کچھ ہماری تحقیق میں آیا پیش کرتے ہیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

ترا عزِ لولاک تمکیں بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسٓ بس است

علامہ فتح محمد تائب مفسرِ قرآن (خلاصۃ التفاسیر) اس لفظ طٰہٰ کی تحقیق میں فرماتے ہیں:

علامہ نے پہلے اس کی قرأت پر بحث کی ہے کہ اسے کس طرح پڑھا جائے۔ اس اختلاف قرأت کو، جس میں کبیر، ابوعمر، ابنِ کثیر، زجاج، حمزہ اور کسائی اہلِ لغات کی بحث کے بعد کہتے ہیں: کبیر نے معالم میں کہا: یہ اللہ کے ناموں میں ایک نام ہے۔ بعض کے نزدیک اس کے معنی ''یارجل'' ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں: یہ لفظ نبطی زبان سے ہے اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے۔ عکرمہ نے کہا ہے کہ یہ حبشی ہے۔ اس کے علاوہ کلبی نے کہا: لغتِ عک ہے (عک ایک قبیلے کا نام ہے)۔ قبیلہ عک اور قبیلہ عکل، ان دونوں قبایل میں، طٰہٰ کے معنی ''یارجل'' کے ہیں (جس سے اس ناچیز کو اتفاق نہیں) جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں ''خلاصۃ التفاسیر'' میں بھی ''یارجل'' ہے جس کے معنی ''اے شخص'' کے ہیں۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ قبیلہ عک میں طٰہٰ ''یاحبیبی'' (اے میرے حبیب) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ کا اسم مبارک ہے۔ بعض نے کہا ہے طٰہٰ میں ''ط'' طہارت اور ''ہ'' ہدایت کے لیے آیا ہے، بطور رمز ذکر ہوا ہے جس کے معنی:

یا طاهرا من الذنوب یا هادی الخلق الیٰ علام الغیوب۔

اے گناہوں سے پاک اور اے خلقِ خدا کے رہنما۔ (قرطبی)

علامہ نظام الدین نیشا پوری اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حساب جمل سے ''ط'' کا عدد نو کا ہے اور ''ہ'' کا عدد پانچ کا ہے جو مل کر چودہ ہوتے ہیں جس کے معنی ہیں ''چودھویں کے چاند''۔ اصل عربی عبارت دیکھیے:

''الطاء تسعه فی الحساب والهاء خمسة ومعناه یا ایها البدر۔''

علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (نیشا پوری کی توجیہ کے حوالے سے):

''فکانه قیل یا بدر سماء عالمِ امکان۔''

(اے عالمِ امکان کے آسمان کے ماہِ تمام، اے فلکِ وجود کے چودھویں کے چاند!)

(روح المعانی/آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ)

سورہ طٰہٰ کی تفصیلی بحث:

ان تمام توجیہات میں جو سب سے زیادہ قرینِ اعتبار ہے وہ حضور نبی اکرم ﷺ سے مخاطب ہے جس کے حق میں مندرجہ بالا سطور میں یارجل (اے شخص)، یاحبیبی (اے میرے حبیب)، طہارت وہدایت ان تمام کی نسبت پر غور فرمایئے اور اگر پھر ایسا ہوتا کہ یہ خطاب کسی اور سے ہوتا لیکن یہاں تو براہ راست اپنے محبوب ﷺ سے ہو رہا ہے اور قرآن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے محبوب ﷺ سے جب بھی خطاب ہوا ''اے شخص'' (یارجل) کہہ کر کبھی نہیں ہوا بلکہ شفقت ومحبت میں ڈوبے الفاظ سے۔ عربی زبان کا سب سے ارفع واعلیٰ معیار قرآن کریم ہے، فصاحت کے تمام اعلیٰ اصولوں کی رہنمائی قرآن ہی سے ملتی ہے۔ موقع اور محل کے اعتبار سے نیز شخصیات کے فرق کے ساتھ خطاب کا فرق حسنِ کلام کا بہترین نمونہ ہے۔ ممکن ہے کوئی صاحب خطاب کا کوئی اور حوالہ دیں جیسا کہ آیات عتاب یا دیگر مواقع پر مختلف انداز ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کو سختی کے لہجے میں کبھی مخاطب نہیں فرمایا۔ سورہ طٰہٰ میں خاص عنایت وشفقت کا ہی پہلو ہے کیوں کہ اس کی ابتدائی آیات میں آپ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے یعنی رب تبارک وتعالیٰ نے جب اپنے محبوب ﷺ کو بے حد پریشان اور آزردہ دیکھا تو ان کی تسلی کے لیے سورہ طٰہٰ نازل فرمائی۔ ان آیات کی شان یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے زمانۂ کفر میں تلوار لے کر اللہ کے محبوب ﷺ کا قصہ تمام کرنے (نعوذ باللہ) کے ارادے سے بڑے غیظ وغضب میں گھر سے نکلے تو راستے میں اپنے بہن بہنوئی کے مشرف بہ اسلام ہونے کی خبر سن کر اس طرف مڑ گئے۔ ان کے گھر پہنچے، جوشِ غضب میں بہن فاطمہ اور بہنوئی کو مار مار کر لہولہان کر دیا، پھر رک کر کہا: اچھا سناؤ تم کیا پڑھتے ہو؟ تو بہن نے بھائی سے کہا: پہلے غسل کرو۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غسل کیا تو آپ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ فاطمہ نے سورہ طٰہٰ کی ہی آیات تلاوت فرمائیں جس نے پتھر کو موم بنا دیا اور آپ سیدھے ہادی برحق کے دراقدس پر پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی واقعے پر کہا:

نمی دانی کہ سوزِ قرأت تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمر رضی اللہ عنہ را

کفار نے دشمنی کی انتہا کر دی تھی، دل آزادی میں کوئی حربہ نہیں چھوڑا، بہتان تراشی، بدزبانی الغرض آپ ﷺ انتہائی حزن وملال میں گرفتار تھے۔ راتوں کو اتنی عبادت کرتے کہ قدم مبارک متورّم ہو جاتے۔ اس حال میں اپنے محبوب ﷺ کو دیکھ کر رب کریم کو بے حد پیار آیا اور نہایت شفقت ومحبت سے خطاب فرمایا:

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى

نہیں اتارا ہم نے آپ ﷺ پر یہ قرآن کہ آپ ﷺ مشقت میں پڑیں۔

قرآن کریم میں جب بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کو مخاطب فرمایا ان خطابات میں جو لہجہ رہا ان میں زیادہ پیار وشفقت لیے ہوئے سورہ طٰہٰ میں ہے اس لیے ''یا رجل'' (اے شخص) کا مفہوم یہاں نہیں لیا جا سکتا، پھر طرز تخاطب واقعات کے خلاف جاتا ہے۔ البتہ علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی بات سے دل کو سرور حاصل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شعراء نے آپ ﷺ کو طٰہٰ کہہ کر اپنے شعر کے شبستان میں چودھویں کے چاند سے رونق بڑھائی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن سمرہ فرماتے ہیں: چاندنی رات تھی، حضور ﷺ حلّہ حمرا اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی حضور اقدس ﷺ کے چہرہ انور کو۔

فاذا هوا احسن عندی من القمر

بالآخر میرا فیصلہ یہی تھا کہ حضور ﷺ چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں۔

(ترمذی شریف، مشکوٰۃ ۵۱۸)

یہ مشہور روایت ہے جسے تمام سیرت نگار حضرات تحریر کر چکے ہیں لیکن ہمارا موضوع ''بدرالدجیٰ'' ہے جس کا اس روایت سے گہرا تعلق ہے اس لیے ہم پیش کر رہے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں چرخہ کات رہی تھی اور حضور اکرم ﷺ میرے سامنے بیٹھے ہوئے اپنے جوتے گانٹھ رہے تھے (پیوند لگا رہے تھے)۔ آپ ﷺ کی پیشانیِ مبارک پر پسینے کے قطرے تھے جن سے نور کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ اس حسین منظر نے مجھ کو چرخہ کاتنے سے روک دیا۔ بس میں آپ ﷺ کو دیکھ رہی تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ! تجھے کیا ہوا؟'' میں نے عرض کیا کہ آپ کی پیشانیِ مبارک پر پسینے کے

قطرے ہیں جو نور کے ستارے معلوم ہوتے ہیں، پھر کہا:

ولورآک ابو کبیر الهذلی لعلم انک احق بشعره حیث یقول

ترجمہ: اگر ابو کبیر ہذلی (عرب کا نامور شاعر) آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ لیتا تو یقین کر لیتا کہ اس کے شعر کا مصداق آپ ﷺ ہی ہیں۔

پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ابو کبیر ہذلی رضی اللہ عنہ کا یہ شعر سنایا:

و اذا نظرت الی اسرّة وجهه
برقت بروق العارض المتهلل

ترجمہ: جب اس کے روئے مبارک کو دیکھتا ہوں تو اس کے رخساروں کی چمک مثلِ ہلال نظر آتی ہے۔

(ابن عساکر، ابونعیم، دیلمی، خطیب، زرقانی علی المواہب جلد چہارم، ص ۲۲۵)

محتشم کاشانی نے اپنے شعر میں بالکل اچھوتا خیال پیش کیا ہے۔ ایسے شعر مشکل سے نظر آتے ہیں، کہتے ہیں:

گر ماہ در رُخت بخیانت نظر کند
چشمش بروں کند بسرِ خنجر آفتاب

ترجمہ: اگر چاند آپ ﷺ کے رخ انور پر خیانت سے نظر کرے یعنی رخ انور سے حسن چرا لے تو آفتاب خنجرِ شعاع سے اس کی آنکھ نکال لے گا۔

بعض شعراء کمال فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بات اچھوتے خیال کی نکل آئی اس لیے یہاں امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر پیش کرتا ہوں، دیکھیے کیا خیال باندھا ہے:

شکم پر سنگِ اسود اور فاقے سے شکم خالی
ہوا ثابت کہ کعبہ بھی مقلّد ہے محمد ﷺ کا

خانہ کعبہ اندر سے خالی ہے، اسے شکم رسول ﷺ سے تشبیہ دی ہے اور چونکہ آپ ﷺ فاقے کے سبب اکثر پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے حجر اسود کو یہی تشبیہ امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ نے دی ہے کہ کعبے نے یہ ثابت کر دیا کہ اس نے اللہ کے محبوب ﷺ کی تقلید میں یہ کیا ہے۔ سبحان اللہ! آئیے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے عرض کریں کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب آتا ہے:

متیٰ یبد فی الیل البھیم جبینہ
یلح مثل مصباح الدجیٰ المتوقد

ترجمہ: جب اندھیری رات میں آپ ﷺ کی پیشانی
ظاہر ہوتی تو تاریکی کے روشن چراغ کی مانند چمکتی۔

(زرقانی علی المواہب جلد چہارم، ص ۹۱)

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اذا سرّ استنار وجھہ حتیٰ کانہ قطعة من القمر۔

(بخاری شریف)

ترجمہ: جب حضور ﷺ شاداں ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ ایسا منور ہو جاتا کہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا۔

کیسے بیاں ہو مرتبہ عالی وقار کا
لاؤں کہاں سے ڈھنگ میں پروردگار کا

(ادیب رائے پوری)

اگر در نطق گویم تا قیامت
نیارم گفت یک وصفِ تمامت

(عطار رحمۃ اللہ علیہ)

صدرِ العُلیٰ[۱]

طیورِ فکر فضا ہائے نیلگوں میں اُڑے
مگر مشاہدہ حیراں درودِ تاج میں ہے

صَدرِ العُلیٰ

اس اوج تک نہ جائے گی پستی شعور کی:

اس نقطۂ وجود کی بلندی، اوجِ قطبِ نجات، نور ازل، چراغ ابد، مسند نشینِ کُن اور مشعلِ بقا کو خالقِ حقیقی نے بلندیوں کا صدر نشین بنایا۔ درود تاج نے اس بلندی کے لیے صدر العلیٰ کا تاج سجایا۔ جو علوئے مراتب ہیں وہ بیان سے باہر ہیں، لفظ و معنی میں وہ سا نہیں سکتے۔ پھر یہی دو سہارے ہیں۔ لفظ و معنی کے بعد انسان کیا لکھ سکتا ہے لیکن جو انتخاب کر سکتا ہے وہ اپنی جگہ لاجواب کر سکتا ہے۔ صدر العلیٰ میں جامعیتِ معنی بھی ہے اور اختصار الفاظ کا کمال بھی۔ ابھی تو قرآن ہی کو مکمل طور پر سمجھ نہ پایا کہ ہر لفظ کے اسرار واقفِ اسرار بتائے تو معلوم ہو۔ وہ لوگ، جو رات دن قرآنِ کریم کی آیات پر غور کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر سے (آیات سے) حجابات اٹھاتا جاتا ہے۔ ایک واقعۂ معراج ہی ایسا ہے کہ چودہ سو برس سے زیرِ بحث آ رہا ہے، سورہ اسریٰ اور سورہ والنجم کے چہروں سے مفسرین و محققین نقاب اٹھانے میں آج تک مصروف ہیں۔ شافعِ محشر، لولاک لما، صاحبِ لواء الحمد، خاتمِ انبیاء اور کتنے اعزازات و مقامات ہیں جو سربستہ راز ہیں۔ اسی لقب کی دقیقہ دانی اور اس دُرِّ یتیم کی سارے جہاں پہ سائبانی عقل و خرد کی حیرانی بنی ہوئی ہے۔

حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ یہ سارا معاملہ عشق کا ہے، ان ظاہری آنکھوں سے نہ ان کا رخِ زیبا دیکھا جا سکتا ہے نہ انھیں سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ کائنات حسن ہیں یا حسنِ کائنات؟ اور جس کو جتنی گہری نظر ملی وہ زیادہ حیران ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس کے لیے دلِ بینا کی طلب کرتے ہیں۔ فیضی سمجھاتا ہے کہ جس کا ظاہر خاکی

ہے اس کی اوجِ منزل مقامِ عرش ہے جو زیرِ نعلینِ پائے اقدس آچکا ہے۔ ظاہر ان کا امی ہے، باطن کتاب خانہ درِ دل ہے۔ یہ سارا علم اسی امی سے اکتسابِ فیض ہے جس کے لیے قاآنی نے کہا:

فیاض و فیض ، علت و معلول ، نور و ظل
نقاش و نقش ، کاتب و خط ، بانی و بناء
معنی و لفظ ، مصدر و مشتق ، مناد و حرف
عین و اثر ، عیان و خبر ، صدق و افتراء

جہاں وہ مقصدِ علم ہے وہاں وہ عالمِ مقصود بھی ہے۔ علم القرآن کی درس گاہ میں وہ عالم ہے اور خانقاہ رحمٰن میں وہ صوفی ہے۔ ازل تا ابد حق نے خواجگیِ دو عالم انھیں بخشی۔ جگر مراد آبادی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ عقل بھلا وہاں کی خبر کیا لائے گی ابھی تو عشق بھی وہاں نہیں پہنچا۔ یہ ذکر و فکر و مراقبہ اس کی تلاش میں سب نارسیدہ ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ نسخۂ کونین کا دیباچہ ہیں۔ تمام عالمِ بندگاں کے لیے خواجگی ان کا علوئے مرتبت ہے۔ نہ تو علم اس کے وقت سے آگاہ ہے، کب سے ہے اور کہاں تک ہے؟ اور نہ ہی عقل کو اس کی خلوت میں راہ ہے۔ ہر کوئی خسرو نہیں جو ان کی محفل میں، جہاں میرِ مجلس ربِ محمد ﷺ ہو، جا پہنچے۔

تیئیس سالہ زندگی میں جو انقلاب آپ ﷺ نے برپا کیا نسلِ انسانی پر آپ ﷺ کا یہ عظیم احسان ہے اور نسلِ انسانی کی بھلائی کے ناطے آپ ﷺ نے جس مقصد کے لیے یہ انقلاب برپا کیا ہمیں اپنے کردار کو اس سانچے میں ڈھالنا ہے، ان کی رضا کے لیے کہ ان کی رضا ہی خدا کی رضا ہے:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

حضور ﷺ کے اختیاراتِ خاص:

جو کچھ ہمیں ان سے ملا اس کو اپنی زندگی بنائیں، ہر سانس ان کا ذکر کرے، دل و

دماغ ان کی خوشبو سے معطر رہیں۔ ہاں یہ کوشش، کہ ان کی حقیقت اور علوئے مرتبت کو جانیں، یہ ممکن نہیں۔ احادیثِ نبوی ﷺ کا ذکر تو سب کرتے ہیں لیکن اس پر غور کوئی کوئی کرتا ہے۔ خداوندِ قدوس نے، جو مالک و مختارِ کل ہے، اپنے محبوب ﷺ کو جو اختیارات عطا فرمائے کہ شریعت کے احکامات کو، جب آپ ﷺ نے چاہا، اپنی مرضی سے تبدیل کر دیا۔ بڑا سخت جملہ کہہ گیا ہوں: ''اپنی مرضی سے'' لیکن تمام احادیث پر نظر ڈالیے کہ ربّ نے کیسے کیسے اختیارات سے نوازا تو حیرت ہوتی ہے، عقل و خرد کے تمام پیمانے یہاں آکر برف کی مانند منجمد ہو جاتے ہیں۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب سے روایت ہے کہ ان کے ماموں ابو بردہ رضی اللہ عنہ بن نیاز نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کر لی۔ جب معلوم ہوا یہ کافی نہیں، عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ، وہ تو میں کر چکا، اب میرے پاس چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اُس کی جگہ اِسے کر دو اور ہرگز اس عمر کی بکری اس کے بعد دوسروں کے لیے کافی نہیں ہوگی۔''

اجعل مکانہ ولن یجزی عن احد بعدک۔

(ارشاد الساری شرح بخاری)

یعنی نبیِ کریم ﷺ نے ایک خصوصیت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو بخشی جس میں دوسرے کا حصہ نہیں۔ اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ان کے پہلے شوہر جعفرِ طیار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے سیّدِ عالم ﷺ نے ان سے فرمایا:

تسلّبی ثلثا ثم اصنعی ماشئت۔

''تین دن سنگھار سے الگ رہو پھر جو چاہو کرو۔'' (طبقات ابنِ سعد)

یہاں دیکھیے کہ آپ ﷺ نے اس حکم سے استثناء فرما دیا کہ عورت کو شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ واجب ہے۔

ابن المسکن میں ابو نعمان ازدی سے مروی ہے: ایک شخص نے ایک عورت کو پیغامِ نکاح دیا۔ سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا: اس کا مہر ادا کرو۔ اس شخص نے عرض کی: میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا:

اما تحسن سورة من القرآن فاصدقها السورة ولا يكون لاحد بعدك مهرا۔

ترجمہ: کیا تجھے قرآن کی کوئی سورۃ نہیں آتی۔ وہ سورۃ سکھانا ہی اس کا مہر کرا اور تیرے بعد یہ مہر کسی اور کو کافی نہیں۔

سونا پہننے کی خصوصی اجازت:

ان احادیث کی تعداد کافی ہے، جستجو شرط ہے اور محبت کا جذبہ لازم ہے۔ ہمارے آقا ﷺ پہ اپنے ربّ کی کیا کیا مہربانیاں ہیں کہ حکمِ شریعت خاص فرما دیا کسی کسی کے لیے اور پھر وہ صرف انھی کے لیے رہا جس کو اجازت مرحمت فرمائی۔ آپ ﷺ کا ہی یہ حکم تھا کہ مرد کو سونا پہننا حرام ہے اور آپ ﷺ ہی کا وہ حکمِ خاص بھی تھا کہ جب ایران فتح ہوا تو امیر المومنین سیّدنا فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سراقہ بن مالک کو سونے کے کنگن پہنائے، کیوں کہ پیشِ نگاہ ایک حکمِ خاص تھا جس میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

كيف بك اذا لبست سوار كسرىٰ.

ترجمہ: وہ وقت تیرا کیسا ہوگا جب تجھے کسریٰ (بادشاہ ایران) کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

کیا شانِ مصطفوی ﷺ ہے کہ جہاں چاہا اختیارِ خاص سے شریعت کے طے شدہ امر کو پلک جھپکتے میں تبدیل کر دیا۔ اب تلاش کرتے رہیے، متضاد تاویلات پیش کیجیے مگر حقیقت پھر بھی حجاب میں رہے گی۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب کا واقعہ بھی ایسا ہی چونکا دینے والا ہے۔ حضور رحمت للعالمین ﷺ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب کو سونے کی انگشتری اپنے ہاتھ سے پہنائی۔ جب کوئی دریافت کرتا کہ تم سونا کیوں پہنتے ہو تو حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب فرماتے: جسے میرے آقا ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے پہنایا میں اسے کیسے اتار دوں۔ عربی میں حدیث کا متن طویل ہے، یہاں بھی کسریٰ کے کنگن کی طرح سونے کی انگوٹھی کے استعمال سے حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب کو مستثنیٰ قرار دیا۔ کیا کسی نبی علیہ السلام اور رسول علیہ السلام کو یہ مقام بلند عطا ہوا؟ یہ تو دیگر امور تھے، آیئے نماز کے معاملے میں دیکھیے۔ احادیثِ مشہورہ میں نمازِ عصر کے بعد (عصر کی نماز ادا کر لینے کے بعد) مغرب کی اذان سے پہلے نماز کی

مخالفت فرمائی۔ اس حکم کی حدیث خود اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں جو سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بخاری اور صحیح مسلم میں ہے لیکن بایں ہمہ اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتی تھیں۔

علماء فرماتے ہیں یہ اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کی خصوصیت تھی کہ سیّدِ عالم ﷺ نے ان کے لیے جائز فرما دیا تھا۔

قاله الامام الجليل خاتم الحفاظ السيوطي في
انموذج اللبيب ثم الزرقاني في شرح المواهب

خیمہ زدہ شرع در جنابش
حبل اللہ المتیں طنابش (خاقانی)

حبل اللہ المتین کی طنابوں کے ساتھ شریعت آپ ﷺ کی بارگاہ میں خیمہ زن ہے۔

توئی مختار کلِ آفرینش
کہ حق بے علتی کرد اختیارت

(فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ)

خدا سے ہم کلامی پر سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ:

میں صدر العلیٰ کے مضمون کو، جہاں فکرِ انسانی نارسا ہے، علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت پر ختم کرتا ہوں جس میں وہ مکالمہ الٰہی کے زیرِ عنوان پہلے قرآن کا حوالہ پیش کرتے ہیں:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ
اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝

(سورہ شوریٰ: آیت ۵۱)

ترجمہ: اور کسی بشر کی تاب نہیں کہ خدا اس سے دو بدو کلام کرے لیکن وحی کے ذریعے سے یا پردے کی آڑ سے یا یہ کہ وہ کسی قاصد کو بھیجے جو اس کے

حکم سے، جو کچھ وہ چاہتا ہے، پہنچا دیتا ہے۔

(سیرت النبی ﷺ جلد سویم، ص ۳۲۶)

اتنا سب کچھ ''مکالمہ الٰہی'' کے ضمن میں تحریر فرما کر پھر یوں بھی لکھتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ کو مکالمہِ الٰہی کے ان تینوں مذکورہ بالا طریقوں سے خدا کی ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ہے بلکہ واقعہِ معراج میں وہ مرتبہ بھی پیش آیا جہاں حبیب و محبوب ﷺ کے درمیان قاصد و پیامبر سرے سے بیگانہ تھے، جہاں زمان و مکاں اور جلوہ و نگاہ کی شرکت بھی مخلِ تنہائی تھی، جہاں نہ کوہ سینا تھا نہ دشتِ ایمن تھا نہ نخلِ وادی۔ صوتِ سرمدی سامعہ نواز تھی اور حقیقتِ محمدی ﷺ سامع: فاوحیٰ الٰی ما عبدہ ما اوحیٰ ۔ پھر اس نے اپنے بندے سے چپ چپ باتیں کیں۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ اس منظر کو یوں پیش کرتے ہیں:

شنید آں کہ کلامے نے باآواز
معانی در معانی ، راز با راز

یعنی اس مقام پر آپ ﷺ نے جو سنا وہاں آواز کے سہارے نہیں تھے اور گفتگو معانی در معانی تھی جو راز ہی راز تھا۔

ان احادیث کی تعداد میرے اندازے کے مطابق تیس یا پچاس سے زاید ہے۔ آپ کا ذوق مطالعہ تلاش کر سکتا ہے۔ البتہ کوئی گمان اختیاراتِ نبوی ﷺ پر گزرے یا کوئی شبہ میں ڈال دے کہ حکمِ ربی اور مشیتِ الٰہی کے بغیر یا اس کے خلاف یہ کیوں کر ممکن ہے تو اس وسوسے کو آسمانوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دور کر لیجیے، جہاں آیتِ قرآنی نظر آجائے گی: وما ینطق عن الھویٰ اور ایک ہی لمحے میں وہ تمام وسوسے، جو پیدا ہوئے ہوں یا پیدا کیے گئے ہوں، کافور ہو جائیں گے کہ یہ آیت ہر زہر کا تریاق ہے۔

جو احادیث پیش کیں، اور جو تعداد میں کثیر ہونے کے سبب پیش نہ کیں، ان کے معتبر ہونے اور ان کی حقیقت پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے یہ جملے، جو اس مضمون

کا آخری حصہ ہیں:

''مشیتِ حقیقیة ذاتیة مستقلة اللہ عزّ و جل کے لیے خاص ہے اور مشیتِ عطائیه تابع لمشیة اللہ تعالیٰ 'اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد کو عطا کی ہے۔''

عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے ضمن میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبھا الصلوٰة والتسلیم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بقول خارج میں متحقق تھی اور وصفِ نبوت بلکہ خاتم النبیین والے وصف سے موصوف تھی اگرچہ وجودِ عنصری کے لحاظ سے ظہور بعد میں ہوا۔ اور حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے جس میں حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر ابنِ الخطاب رضی اللہ عنہ کے اس سوال کے جواب میں، علیحدہ علیحدہ، کہ حضور ﷺ! آپ ﷺ کب سے شرف نبوت کے ساتھ مشرف ہو چکے تھے؟ جواب میں فرمایا صاحبِ لولاک لما نے:

''جب اللہ رب العزت نے زمین کو پیدا فرمایا اور آسمانوں کی طرف قصد فرمایا اور ان کو سات طبقات کی صورت میں تخلیق فرمایا اور عرش کو ان سے قبل ایجاد فرمایا تو عرش کے پائے پر محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء لکھا (ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخر الزماں پیغمبر ہیں)۔ اور جنت کو پیدا فرمایا تو میرا نام نامی جنت کے ہر دروازے پر، اس کے درختوں کے پتوں اور اہلِ جنت کے خیموں پر لکھا حالانکہ ابھی آدم علیہ السلام کی روح و جسم کا باہمی تعلق نہیں ہوا تھا۔ پس جب ان کی روح کو جسم میں داخل فرمایا اور زندگی عطا فرمائی تب انھوں نے عرشِ معظم کی طرف نگاہ اٹھائی تو میرے نام کو عرش پر لکھا دیکھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے انھیں بتایا کہ یہ تمھاری اولاد کے سردار ہیں۔ جب ان کو شیطان نے دھوکا دیا انھوں نے بارگاہ الٰہی میں توبہ کی اور میرے نام سے ہی شفاعت طلب کی یعنی اس کو وسیلہ بنایا۔''

(ترجمہِ حدیث بحوالہ الوفاء باحوال مصطفیٰ، ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس سے منقول مرفوع روایات اور علی الخصوص ''ترمذی شریف'' جیسی کتاب سے منقول روایت کی

صحت میں شک و شبے کی گنجایش نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنا سوال اور سرورِ عالم ﷺ کا جواب نقل فرمایا۔ اگر ان کے نزدیک حضور ﷺ کا وجود عالمِ عناصر کے ظہور سے قبل نہیں تھا تو صحابہ کرام علیہم السلام کا سوال عبث اور آنحضرت ﷺ کا جواب غلط (نعوذ باللہ من ذالک)۔ تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے نورِ فراست سے یہ سمجھ لیا تھا کہ جس ذاتِ اقدس نے عالمِ عناصر میں نمو فرما ہونے کے چالیس سال بعد اعلانِ نبوت فرمایا وہ نبی ﷺ نہ اب بنے ہیں اور نہ ہی چالیس سال قبل وجود میں آئے ہیں بلکہ وہ موجود بھی پہلے سے ہیں اور شرفِ نبوت سے مشرف بھی پہلے سے ہیں اور حضور ﷺ نے ان کی تائید اور تصدیق فرما کر اپنے علوئے مرتبت اور اپنی شان و مقام کی وضاحت فرما دی ہے کہ میں اس وقت سے موجود ہوں جب کہ ابو البشر علیہ السلام کا وجود نہیں تھا اور صرف موجود ہی نہیں تھا بلکہ تاجِ نبوت اور خلعتِ رسالت بھی زیبِ تن کیے ہوئے تھا۔

اکثر معترضین اسے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ یہ بات اللہ کے علم میں تھی اس وقت جب کہ، عرش ہو یا آدم علیہ السلام، کسی کی تخلیق نہیں ہوئی تھی، جس کا ذکر نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا۔ گویا آپ ﷺ کے وجود نہیں بلکہ آپ ﷺ کے وصف کی خبر رکھتا تھا یعنی علمِ باری میں تھا۔ لیکن یہ اعتراض اس لیے درست نہیں کہ اول یہ اس لیے ممکن نہیں کہ علمِ باری تعالیٰ میں صرف حضور رحمت للعالمین ﷺ کی واحد ذات ہی نہیں سارے نبی وصفِ نبوت کے ساتھ ازلاً متصف تھے۔ اس طرح آپ ﷺ کی تخصیص نہیں اور نہ ہی اولیت کی کوئی وجہ اور ثانیاً اس لیے باطل ہے کہ اگر آپ ﷺ کا وصفِ نبوت سے متصف ہونا اس وقت باری تعالیٰ کے علم میں متحقق ہوا جب آدم علیہ السلام کی تخلیق شروع ہو چکی تھی تو اس سے قبل اللہ ربّ العزت کا، العیاذُ باللہ، اس علم سے خالی ہونا لازم آئے گا۔ تمام محدثین، ائمہ کرام، محققین، صوفیاء، مشائخ اس پر ہی متفق ہیں کہ حقیقتِ محمدیہ ﷺ حضرت ابو البشر علیہ السلام سے بہت پہلے متحقق تھی وصفِ نبوت ہی نہیں بلکہ خاتم النّبیین والے وصف سے موصوف تھی۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فاضل بریلوی نے اسی کو اس طرح بیان فرمایا:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

آخری بات یہ کہ حضرت ابو البشر علیہ السلام نے خود بیان فرمایا، جب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں علوئے مرتبت کے موضوع پر بحث چھڑ گئی اور دو گروہ بن گئے۔ بعض حضرت آدم علیہ السلام کو، بعض ملائکہ کو تمام مخلوق سے زیادہ عزت و کرامت کا مالک مانتے تھے۔ جب وہ حضرت آدم علیہ السلام سے اپنی بحث کا ذکر کرنے آئے تو آپ (ابو البشر علیہ السلام) نے فرمایا:

”جب ربِّ کریم نے میرے اندر روح پھونکی اور وہ ابھی میرے قدموں تک نہیں پہنچی تھی کہ میں اٹھ بیٹھا، عرشِ الٰہی مجھ پر منکشف ہوا۔ میں نے اس میں محمد (ﷺ) رسول اللہ (لکھا ہوا) دیکھا لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے مکرّم و معظّم وہی ذاتِ اقدس ہیں۔“

(امام عبد الرحمٰن ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ اقتباس از الوفاء باحوال مصطفیٰ ﷺ)

حضرت شاعر لکھنوی مرحوم نے فرمایا تھا:

میرے آقا ﷺ کی ہے شان سب سے الگ
رحل پر جیسے قرآن سب سے الگ

انبیائے کرام علیہم السلام میں باعتبار مراتب و فضایل سیّدِ عالم ﷺ کے بلند درجات و مراتب کی مثال اس شعر میں بہترین پیش کی گئی ہے۔ آیئے ”صدر العلیٰ“ کی روشنی میں اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ لفظ طائرانہ اس لیے کہا ہے کہ تفصیل میں اگر جائیں تو موضوع کی طوالت ایک مکمل کتاب کی متقاضی ہوگی۔

حق سبحانہ و تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام میں آپ ﷺ کو افضل الانبیاء قرار دیا تو اس کا سبب یہی ہے کہ جمیع الانبیاء علیہم السلام کے خصائص اور شرف ذات والا صفات میں موجود تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور افضل الانبیاء ﷺ:

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا جس

طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو معراج کی شب سیّدِ عالم ﷺ سے کلام فرمایا۔

دوئم فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا تو یہاں اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ سے مشرف فرمایا۔ وہاں فرشتوں نے صرف ایک بار آدم علیہ السلام کی تعظیم کی یہاں قیامت تک ملائکہ درود و سلام بھیجتے رہیں گے۔ یعنی فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا واقعہ ختم ہو چکا، یہاں فرشتوں کا عمل مسلسل جاری ہے اور جاری رہے گا۔

حضرت ادریس علیہ السلام اور افضل الانبیاء ﷺ :

اللہ نے حضرت ادریس علیہ السلام کے لیے فرمایا:

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ ہم نے ان کو بلند مقام کی رفعت بخشی۔ اور سیّدِ عالم ﷺ کو قَابَ قَوْسَيْنِ اور پھر اَوْ اَدْنٰى ۔ یہ قرب کسی کو نہیں ملا۔

حضرت نوح علیہ السلام اور افضل الانبیاء ﷺ :

حضرت نوح علیہ السلام نے نو سو برس تبلیغ کی اور بمشکل ایک سو آدمی سے کم ایمان لائے، باقی نے انکار کر دیا جب کہ سیّدِ عالم ﷺ کو حضرت نوح علیہ السلام کے مقابل صرف تیئیس برس تبلیغ کے لیے ملے جس میں آپ ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے پوری قوم کے لیے بددعا کی اور رحمتِ عالم ﷺ نے اس کے برعکس دعائے خیر فرمائی، حتیٰ کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: جب تک اس کا محبوب ﷺ ان کے درمیان ہے وہ عذاب نازل نہیں فرمائے گا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور افضل الانبیاء ﷺ :

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور آگ سے نجات کا شرف عطا کیا۔ ابونعیم و ابنِ ماجہ نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو میری منزل اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی منزل جنت میں آمنے سامنے ہے۔“

ایک اور روایت ہے، ابونعیم نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہ میں

نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے وصال سے پانچ دن پہلے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے تمھارے آقا ﷺ کو خلیل بنایا ہے۔“

حضور نبیِ کریم ﷺ کا ایک واقعہ نہیں کئی واقعات ہیں جہاں آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا واقعہ تفصیل سے تحریر کر چکا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی دعوت میں جس رومال سے طعام کے بعد اپنے دستِ مبارک صاف کیے وہ رومال دھویا نہیں جاتا تھا بلکہ اگر وہ میلا ہو جاتا تو صحابیِ رسول ﷺ اسے آگ میں ڈال دیتے اور وہ میل کچیل سے صاف ہو جاتا اور آگ اس رومال کو جلاتی نہ تھی۔

حضرت یوشع علیہ السلام اور افضل الانبیاء ﷺ :

حضرت یوشع علیہ السلام جب قوم جبارین سے جنگ کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں آفتاب غروب ہونے سے روک دیا۔ جب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی نمازِ عصر فوت ہوئی تو حضور عالم ﷺ کی دعا سے ڈوبے ہوئے سورج کو واپس لایا گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام اور افضل الانبیاء ﷺ :

حضرت داؤد علیہ السلام کو پہاڑوں کی تسبیح کا معجزہ دیا گیا جب کہ سیّدِ عالم ﷺ کے آگے کنکریاں بول اٹھتیں اور کلمہِ طیبہ سناتیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو پرندوں کی تسخیر کا معجزہ دیا تو سیّدِ عالم ﷺ کو تمام حیوانات کی تسخیر کا معجزہ عطا ہوا۔ اگر وہاں فولاد کے نرم ہو جانے کا معجزہ دیا تو رحمت للعالمین ﷺ کو پتھروں اور چٹانوں کے نرم ہو جانے کا معجزہ دیا۔ خیال رہے کہ فولاد کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ آگ کی گرمی سے پگھل جاتا ہے جب کہ پتھر کسی آگ سے پگھل نہیں سکتا۔ پتھروں کے مختلف مواقع پر پگھل جانے کے واقعات کے لیے معجزات نبوی ﷺ کا مطالعہ کیجیے جن میں کئی واقعات تفصیل سے دیے گئے ہیں۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام علیہم السلام سے معجزات اور ان تمام کا شرف و اعزاز حضور رحمت للعالمین ﷺ کے لیے اللہ نے عطا فرمایا جن میں سے بطورِ حوالہ چند بیان کر دیے۔

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضور ﷺ اس وقت بھی نبی ﷺ تھے جب آدم علیہ السلام آب و گل کے خمیر میں تھے۔ جو یثاق انبیاء علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے لی اس میں آپ ﷺ مقدم تھے۔ جس دن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟) تو سب سے پہلے حضور ﷺ ہی نے ''بلیٰ'' فرمایا۔ تمام کائنات کی تخلیق آپ ﷺ ہی کی وجہ سے ہوئی۔ آپ ﷺ کا اسم شریف عرش، آسمانوں، جنتوں اور تمام چیزوں پر لکھا ہوا تھا جو عالم ملکوت و سماوات میں ہیں، اور فرشتے ہر گھڑی جس کا ذکر کرتے ہیں وہ آپ ﷺ ہی ہیں، اور یہ کہ آپ ﷺ کا اسم شریف حضرت آدم علیہ السلام کے عہد میں اذانوں میں لیا جاتا رہا، اور ملکوت اعلیٰ میں آپ ﷺ کا ذکر ہوتا رہا، اور اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے آپ ﷺ کے لیے عہد لیا، اور کتبِ سابقہ میں آپ ﷺ کے لیے بشارتیں دی گئیں، اور یہ کہ اسمائے الٰہی میں سے ستر اسماء کے ساتھ آپ ﷺ کا اسم شریف رکھا گیا، اور یہ کہ عقل میں تمام انسانوں سے فائق تھے، اور یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن و جمال دیا گیا جب کہ آپ ﷺ کو تمام وکمال حسن و جمال عطا ہوا۔ ان تمام فضائل کا بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث میں ذکر کیا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو بات کہ رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں شمار کی جاتی ہے اس میں سے ایک یہ ہے کہ تمام معجزات وفضائل، جو جدا جدا ہر نبی علیہ السلام کو دیے گئے، وہ سب کے سب حضور اکرم ﷺ کو عطا ہوئے اور آپ ﷺ کے سوا کسی نبی علیہ السلام میں وہ مجتمع نہیں، اسی لیے مصنف **درود تاج** نے آپ ﷺ کے لیے ''صدر العلیٰ'' کا انتخاب کیا۔

اس اوج تک نہ جائے گی پستی شعور کی
بالا ہے ہر خیال سے ہستی حضور ﷺ کی (ادیب)

درود تاج میں جو اوصاف وکمال مصطفوی ﷺ بیان ہوئے ہیں اور اس فقیر نے اس کی شرح میں جو کچھ بھی سپردِ قلم کیا حضور رحمت للعالمین ﷺ کی ذات اقدس ان تمام سے اس درجہ بلند و بالا ہے کہ اس کا بیان ممکن نہیں۔ اپنے اس دعوے کی دلیل میں محدثین ومفکرینِ اسلام کے چند اقوال پیشِ خدمت ہیں۔ **درود تاج** کے الفاظ جن اوصاف کا

آئینہ ہیں انھیں اپنی ناقص عقل کی کوششوں سے غبار آلود کرنے والوں کے لیے یہ اقوال درستیِ ایمان وعقاید کا ذریعہ ہیں۔

ومن وصفه صلى الله عليه وآله وسلم فانما وصفه على سبيل التمثيل والافلا يعلم حقيقة وصفه الاالخالقه ۔

ترجمہ: جس نے آپ ﷺ کے اوصاف بیان کیے ہیں بطور تمثیل ہی کیے ہیں ورنہ ان کی حقیقت سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔

امام ابراہیم بیجوری رحمۃ اللہ علیہ
(المواہب اللدنیہ علی شمائل المحمدیہ ﷺ، ص ۱۹۰)

كانت صفاته صلى الله عليه وآله وسلم الظاهرة لاتدرك حقائقها۔

ترجمہ: آپ ﷺ کی صفات ظاہرہ کے حقایق کا بھی ادراک نہیں کیا جاسکتا۔

امام برہان الدین الحلبی رحمۃ اللہ علیہ
(انسان العیون جلد سویم، ص ۴۳۴)

هذه التشبيهات الواردة فى حقه عليه الصلوٰة والسلام انما هى على سبيل التقريب والتمثيل والا فذاته اعلىٰ۔

ترجمہ: اسلاف نے نبی کریم ﷺ کا جو تذکرہ کیا ہے یہ بطور تمثیل ہے ورنہ آپ ﷺ کی ذات اقدس ومقام ان سے کہیں بالاتر ہے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ
(المواہب اللدنیہ جلد اول، ص ۲۴۹)

''مراد در تکلم در احوال وصفات ذاتِ شریفِ وے وتحقیقِ آں حرجے تمام است کہ آں متشابہ ترین متشابہات است نزدِ من کہ تاویلِ آں ہیچ کس جز خدا نداند وہر کسے ہر چہ گوید برقدر وانداز ۂ فہم ودانش گوید واو ﷺ از فہم و

دانشِ تمام عالم برتر است۔ او برتر است کہ آید بخیال۔ او را چناں کہ است بجز خدا کہ نشناسد چنانکہ خدا و چنانکہ باید جزوے کسے نشناخت۔''

ترجمہ: مجھے آپ ﷺ کے اوصاف و محاسن پر گفتگو کرتے وقت ہمیشہ ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے کیونکہ میرے نزدیک وہ ایسے اہم ترین متشابہات سے ہیں کہ ان کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جس نے بھی آپ ﷺ کی تعریف کی ہے اس نے اپنے فہم و دانش کے مطابق کی ہے اور آپ ﷺ کی ذات اقدس تمام عالم کی فہم و دانش سے بالاتر ہے۔ وہ اس قدر بلند ہے کہ خیال میں آ ہی نہیں سکتی بلکہ وہاں حالت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے سوا ربّ کی حقیقی معرفت کسی کو نہیں اور آپ ﷺ کی حقیقت سے کما حقہ سوائے ربّ کے کوئی واقف نہیں۔

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، شرح فتوح الغیب، ص ۳۴۰)

محدثین و مفسّرین اور ائمۂ اسلام کے بے شمار اقوالِ زریں سے یہ چند مستند حوالے پیش کیے۔

اردو نثر و نظم پر تنقید کرنے والے نقادانِ عصرِ حاضر کے لیے بھی ان اقوال میں رہنمائی ہے جو غیر نعتیہ ادب اور نعتیہ ادب کے اس فرق سے واقفیت کے بغیر نعتیہ اشعار پر تنقید فرماتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک نازک بلکہ نازک ترین مسئلۂ تنقید ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش میں ''نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلاتِ تنقید'' کے عنوان سے، انشاء اللہ، اس نا چیز کا مقالہ شایع ہو کر منظرِ عام پر آنے والا ہے۔

نُورِ الہُدیٰ

قبائے نورِ ہدایت جو شب پہ ڈال گئے
یہ داستانِ مسلماں درودِ تاج میں ہے

نُورِ الھُدٰی

ہدایتِ بندگانِ خدا اور انبیائے کرام علیہم السلام :

ہادی اسے کہتے ہیں جس کا منصبِ جلیلہ ہدایتِ بندگانِ خدا ہو۔ تمام ہی انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں میں اپنے اپنے عہد میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت کے لیے بھیجے گئے۔ ان انبیاء علیہم السلام کے واقعات قرآنِ کریم میں، کوئی واقعہ تفصیل سے اور کوئی اختصار سے، بیان ہوئے ہیں۔ وحیِ الٰہی کے ذریعے رحمت للعالمین ﷺ کو ان آیات میں بتایا جا رہا ہے گزشتہ امتوں کا احوال، ان کی بد اعمالیاں، پھر ان کی ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام و رسل علیہم السلام کا بھیجا جانا، اس کے باوجود ان کی نافرمانیاں اور آخرِ کار خداوندِ ذوالجلال کا پُرجلال فیصلہ، عذاب کے ذریعے ان نافرمانوں کی آبادیوں کو نیست و نابود کر دینا جن میں یہ بصد فخر و غرور، پیکرِ تکبر بن کر اپنے اپنے ہادیانِ برحق کو جھٹلاتے، ان کا مذاق اڑاتے، ان کی توہین کرتے اور یہ سمجھتے کہ ان کی پکڑ کرنے والا کوئی نہیں۔ قرآنی آیات کے ذریعے حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو ہدایت کی تاریخ سنا رہا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ سے جو یہ لوگ نافرمانی کر رہے ہیں آپ ﷺ انھیں یہ تمام واقعات دہرائیں تا کہ ان واقعات کو سن کر جو لوگ ہدایت کو قبول کرلیں وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں، بت پرستی سے منہ موڑ کر معبودِ حقیقی کے آگے سربسجود ہو جائیں۔

سابقہ اُمم کے واقعات مؤرخین نے جس طرح بھی لکھے ہوں لیکن ان واقعات کی صداقت جتنی قرآن سے ملتی ہے وہ کسی اور ذریعے سے نہیں، یعنی کسی مؤرخ کے کسی قول کو جھٹلا دیں لیکن قرآن میں بیان کردہ واقعات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ جنھوں نے ان واقعات کی تکذیب کی انھیں صرف ندامت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت آدم علیہ السلام،

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات، دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کا عبرتناک انجام قرآنِ پاک میں مخصوص انداز میں بیان ہوا ہے۔

بخشا گدائے راہ کو تُو نے شکوہ قیصری:

مکہ اور اس کی پیاسی زمین ایک عرصے سے اپنی گمراہ قوم کے لیے ایک سچے ہادی کی منتظر تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد اس خطے میں ایک زمانے سے کوئی ہادی نہیں بھیجا گیا تھا اس لیے یہاں گمراہی، بے راہ روی اور بت پرستی نے اپنی جڑیں مضبوط کر لی تھیں۔ ابرِ بارانِ رحمت کے نہ برسنے سے عزّوشرف کی کھیتیاں خشک ہوگئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی نجات کا سامان اس طرح فرمایا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ ہدایت کا پودا ایسی سنگلاخ زمین میں لگانا آسان نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہدایت کے فرایض کی ادائگی میں جتنے مصایب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھیلنے پڑے، جتنے کٹھن اور دشوار راستوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گزرنا پڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی علیہ السلام نہیں گزرا۔

تئیس سال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقل کے اندھوں کو ہدایت کا نور عطا کیا، بدوؤں کو جہانگیری کا سبق پڑھایا، عزّوشرف کا تاج پہنا کر متمدن اقوام سے آگے بڑھا دیا۔ صدیوں سے بے آب وگیاہ زمین اس طرح سیراب ہوگئی کہ اس زمین سے رحمت وکرم، محبت وانصاف اور احسان کے چشمے پھوٹے۔ اسی منظر کو ایک شاعر کس طرح بیان کرتا ہے!

اے کہ ترے جلال سے ہل گئی بزمِ کافری
رعشۂ خوف بن گیا رقصِ بُتانِ آذری
چھین لیں تو نے مجلسِ شرک وخودی سے گرمیاں
ڈال دی تو نے پیکرِ لات وہبل میں تھرتھری

تیرے قدم پہ جَبہہ سا روم وعجم کی نخوتیں
تیرے حضور سجدہ ریز چین وعرب کی خودسری
تیرے کرم نے ڈال دی طرحِ خلوصِ بندگی
تیرے کرم نے بند کی رسم و رہ ستم گری
تیرے سخن سے دب گئے لاف وگزاف کفر کے
تیرے نفس سے بجھ گئی آتشِ سحرِ سامری

اور پھر تئیس سالہ انقلاب کا جو حسین نتیجہ نکلا اس پر کہتا ہے:

تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے
بخشا گدائے راہ کو تو نے شکوہ قیصری
بھٹکے ہوؤں پہ کی نظر، رشکِ خضر بنا دیا
راہزنوں کو دی ندا، بن گئے شمعِ رہبری
سلجھا ہوا تھا کس قدر تیرا دماغ حق رسی
پگھلا ہوا تھا کس قدر تیرا دل پیمبری (جوشؔ)

اب تک ہدٰی کی بات ہوئی، اس کا پہلا جزو نور ہے۔

نور انسان کے اندر بھی اور باہر بھی ہے:

نور کے معنی روشنی کے ہیں، یہ انسان کے باہر بھی ہے اور اندر بھی۔ اگر یہ روشنی باہر ہو، اندر نہ ہو تو اس باہر کی روشنی سے زندگی کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ یاد رکھیں زندگی گزارنا اور ہے اور زندگی کا مقصد حاصل کرنا یا اسے پورا کرنا اور ہے۔ ایک انسان وہ ہے جو بصارت سے محروم ہے۔ جہانِ رنگ وبو کی تمام دلربائیوں کا لطف اٹھانے سے محروم ہے۔ ایک بینا انسان اس سے پورا استفادہ کرتا ہے لیکن اگر وہ اندر کی روشنی یعنی بصیرت سے محروم ہے تو وہ اس انسان سے کمتر درجے پر ہے جو اندر سے روشن ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کو آنکھ کا نور بخشا تھا جو دنیا کے بدترین ظالم، جابر، قہار، غارت گر، قزاق، لٹیرے، دشمنِ انسانیت اور خودساختہ خدا بن گئے تھے۔ یہ ظاہری بینائی ان کے کام نہ آئی، اندر کی روشنی نہ ہونے کے سبب ان کو اس محرومی نے انسان ہو کر درندہ، مخلوق میں بھیڑیا اور بے گناہوں میں خداوندِ قہر بنا دیا تھا۔

حضور رحمت للعالمین ﷺ اسی لیے محسنِ انسانیت کے لقب سے بھی سرفراز ہوے کہ آپ ﷺ نے نورِ ایمان کا پودا لگایا جو اس قدر بار آور ہوا کہ اس کی ٹھنڈی چھاؤں میں آپ اور ہم آج بیٹھے ہیں۔ آپ ﷺ کو اہلِ محبت نے بھی اور عام لوگوں نے بھی ''نُورالہدیٰ'' کہہ کر پکارا۔ آپ ﷺ نے ایسے لوگوں کو، جو بینائی سے محروم تھے، اپنے لعاب دہن سے بینائی عطا کر دی، گویا اندر کی روشنی کے ساتھ، جو باہر کی روشنی سے محروم تھے، انھیں بینا کر دیا۔

لعاب دہن نے کھویا ہوا نور واپس لا دیا:

سیرت کی کتابوں میں ایسے واقعات کی تعداد بہت ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ جنگ کے میدان میں اپنے جوہر دکھا رہے تھے کہ دشمنِ اسلام کا ایک تیر آ کر لگا اور آنکھ کا ڈھیلا باہر آ گیا۔ صحابی رضی اللہ عنہ اسی حالت میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپ ﷺ نے لعاب دہن اس ڈھیلے پر لگایا اور اسے اس کی جگہ پر اپنے ہاتھ سے رکھ دیا۔ وہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اب میں اس آنکھ سے اتنا صاف اور شفاف دیکھتا ہوں جتنا دوسری آنکھ سے نہیں۔

لفظی مناسبات کے لیے حق اور معنوی اعتبار سے ہدایت کے لیے نور جتنا موزوں ہے کوئی اور لفظ نہیں۔ ظلمت، تاریکی یا اندھیرا، گمراہی اور بھٹک جانے کی علامت بن گیا جب کہ راستہ دکھانے، رہبری کرنے کے لیے نور کے لفظ کا انتخاب اہلِ جہان نے ہی نہیں حق تعالیٰ نے فرمایا، اپنے لیے فرمایا:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے)

حتیٰ کہ قرآن میں ایک سورۃ کا نام ہی ''نُور'' ہے۔ یہ وہ نُور ہے جو قلب میں داخل ہوتا ہے تو اسرار و رموز کے پردے اٹھتے جاتے ہیں اور وہ کچھ نظر آتا ہے جو ظاہر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔

بابا نانک صاحب اور ہدایت کا نور:

بابا نانک کے قلب میں یہ ہدایت کا نور جب داخل ہوا تو وہ حقیقتِ عبادت کے

اسرار سے آگاہ ہو گئے، پھر یوں فرمایا:

پنج نمازاں ، پنج وقت ، پنجاں پنجے ناؤں
پہلا سچ ، حلال دوجی ، تیجی خیر خدا
چوتھی نیت راس ، پنجویں صفت ثناء
کرنی کلمہ آکھ کے تاں مسلمان سدا
نانک جینے کوڑیا کوڑے کوڑی پا

ترجمہ: پانچ نمازوں کے پانچ وقت ہیں اور پانچ ہی اس کے نام: اوّل سچ بولنا، دوئم حلال کھانا، سوئم خدا کے نام پر خیرات کرنا، چہارم نیت صاف رکھنا، پنجم خدا کی صفت بیان کرنا۔ نیک اعمال کا کلمہ پڑھ کر انسان مسلمان کہلا سکتا ہے، باقی سب جھوٹ ہے۔

یہ صرف ان کا ظاہری قول ہی نہیں تھا بلکہ جب ان کے قلب میں نور ہدایت داخل ہوا تو، جیسا کہ پہلے عرض کیا، وہ کچھ نظر آنے لگا جو ظاہر میں دیکھا نہیں جا سکتا۔ یہ واقعہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

بابا نانک اپنی منزلیں طے کر رہے تھے، ساتھ ہی وہ نواب دولت خان کی ملازمت میں بھی تھے۔ جیسے جیسے آپ کا حال تبدیل ہوتا گیا آپ دنیا سے بے نیاز ہوتے گئے یہاں تک کہ ایک دن بابا صاحب کے غیر حاضر ہونے پر بلوا بھیجا۔ آپ نے جواب بھجوایا کہ میں اب نواب صاحب کا ملازم نہیں خدا کا ملازم ہوں۔ نواب دولت خان نے بابا صاحب کو پھر خبر بھیجی کہ اگر خدا کا ملازم ہے تو مسجد میں آ کر نماز پڑھے۔ بابا صاحب یہ سن کر مسجد میں آ گئے۔ نواب صاحب دولت خان اور ان کے ایک رفیق قاضی صاحب نے نماز ادا کی مگر بابا صاحب دیکھتے رہے۔ نواب صاحب نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا کہ تم نے نماز میں شرکت نہیں کی؟ بابا صاحب نے جواب دیا: اے نواب! تیرا دل نماز میں حاضر نہیں تھا، کابل میں گھوڑوں کی خریداری میں مصروف تھا، میں کس طرح نماز میں شامل ہو جاتا؟ نواب صاحب کو اپنی کمزوری کا احساس ہوا مگر بولے: قاضی صاحب کے ساتھ شامل ہو

جاتے؟ بابا صاحب نے فرمایا: ان کی توجہ اس گھوڑی کے بچے کی طرف تھی جسے یہ کھلا چھوڑ آئے تھے اور ان کو نماز میں یہ فکر دامن گیر تھی کہ وہ بچہ کہیں کنویں میں نہ گر جائے۔ دونوں حضرات یہ سن کر حیران رہ گئے۔ جب نور ہدایت قلب سے تاریکی کو دور کر دیتا ہے تو حجابات دور ہوتے جاتے ہیں۔

بابا صاحب نے ساری زندگی بت پرستی کی مخالفت کی اور واضح الفاظ میں کی۔ بڑے بڑے پنڈتوں نے جب مشہور مندر جگناتھ سوامی کی آرتی اتارنے کے لیے بہت زور لگایا تو بابا صاحب نے فرمایا:

"تمھاری آرتی جھوٹی ہے اور داخلِ بت پرستی ہے۔ یہ چراغ جو تم جلاتے ہو ہوا کے خفیف جھونکے اسے بجھا دیں گے۔"

بابا صاحب نے بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ میں بھی حاضری دی۔ بغداد شریف گئے، سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر بھی رہے۔ حاکمِ بغداد سے ملاقات ہوئی، اس نے مزار مبارک سے ایک چولا مرحمت کیا۔ یہ چولا اب تک ڈیرہ بابا نانک صاحب میں تبرکاً موجود ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ظاہری آنکھ سے دیکھنے والے لاکھوں انسانوں نے بابا نانک صاحب کو دیکھا ہوگا، اللہ سے باطنی آنکھ جس کو ملی اسی نے ان کو دیکھا اور پہچانا۔ یہ سارا اعجاز تھا اس ذاتِ مکرّم و محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا جن کے لیے اقبال نے کہا:

در جہاں شمعِ حیات افروختی　　بندگاں را خواجگی آموختی

ترجمہ: اے نُورالہدٰی! آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی نے حیات کی شمع روشن کی، بندوں کو سکھایا کہ خواجگی کیا ہے۔

سر سیّد علی مشتاق اصفہانی، جن کا سنِ وفات ۱۷۵۸ء ہے، کہتے ہیں:

نُور او را نہ بدایت نہ نہایت باشد
کہ بود نُورِ خداوندِ جہاں عزّوجل

ترجمہ: ان کے نُور کی نہ ابتداء کا تعین ہے نہ انتہا کا کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ اقدس اللہ عزّوجل کے نُور سے ہے۔

کہفِ الورٰی

یہ تیرا سایہ رحمت ، یہ تیری چتر پناہ
ملا جنھیں، وہ ہیں شاداں، درود تاج میں ہے

فتح مکّہ کا دن: مظلوموں اور ظالموں سب پر رحمت:

دنیا کی تاریخ یہی بتاتی ہے عہدِ قدیم میں ظالم قومیں اپنے مفتوحہ علاقے کے باشندوں کے ساتھ کیا کرتی رہیں۔ موجودہ عہد میں یعنی گزشتہ نصف صدی قبل دو جنگوں، جنگِ عظیم اوّل اور دوئم، میں جرمنوں اور جاپانیوں نے اور ان کے مخالفین نے اپنے اپنے مفتوحہ علاقوں میں جس بربریت کا مظاہرہ کیا، آج بوسنیا میں جو ہوا یہ ایک روایت ہے جنگی فتوحات کی، لیکن جنگی فتوحات کی تاریخ میں ایسا انقلاب دنیا نے نہ دیکھا ہوگا کہ وہ بہادر جرنیل، وہ مجاہدِ اعظم، وہ ہادی برحق ﷺ جب مکّے میں داخل ہوئے تو اسے ایک ایک واقعہ یاد آیا، گھر کے آگے کانٹے بچھانے والے یاد آئے، پیٹھ پر بحالتِ سجدہ اوجھری رکھنے والے یاد آئے، طائف میں لہولہان کرنے والے یاد آئے، شعب ابی طالب میں محصور کر دینے اور پتّے کھانے پر مجبور کر دینے والے یاد آئے، گلے میں چادر لپیٹ کر شدت سے بل دینے والے یاد آئے، وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور کر دینے والے یاد آئے۔ اِدھر ایک ایک کر کے جو ظلم اٹھائے وہ یاد آئے، حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبانے والے یاد آئے اور اُدھر ظالموں کو ایک ایک کر کے اپنے کیے کرتوت یاد آئے۔ لیکن وہ صاحبِ عفو و درگزر، وہ سراپا رحمت ﷺ جب مکّے میں فاتح بن کر داخل ہوئے تو خانہ کعبہ کے دروازے کو پکڑ کر فرمایا:

الحمد اللہ الذی صدق وعدہ و نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔

''اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی امداد فرمائی اور تمام کافروں کے لشکروں کو اکیلے شکست دی۔''

تاریخ عالم میں عفو و درگزر کی ایسی کوئی مثال نہیں:

عجیب منظر ہے۔ اِدھر فاتحِ مکّہ سر جھکائے اپنے ربّ کے حضور مصروفِ تشکّر ہیں دوسری جانب ہر وہ ظالم، جس نے آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے رفقاء پر ظلم کے پہاڑ توڑے، پیارے رفیقوں اور ساتھیوں کو اذیتیں دے دے کر شہید کر دیا، سر ندامت سے جھکائے، ناامیدی اور مایوسی کا لباس پہنے اپنی اپنی قضا کا حکم سننے کے لیے مہر بہ لب، لرزتے دل کے ساتھ کھڑا ہے۔ میدانِ حشر کی طرح ان کے اعضاء ان کے جور و ستم کے

گواہ بن کر حواس پر سوار ہیں۔ وہ رحمتِ تمام، بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا، قبایل کو شیر و شکر کرنے والا مخاطب ہوتا ہے۔ سناٹا چھایا ہوا ہے، آواز گونجتی ہے:

ما تظنّون یا معشر قریش۔ (اے گروہ قریش! تم کیا خیال کرتے ہو تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟) کپکپاتے ہوئے ہونٹ اور لرزتے دل فرمانِ موت کے تصور کو اتنا قریب دیکھ کر فریاد کے لہجے میں کہتے ہیں:

قالوا خیراً اخ کریم وابن اخ کریم وقد قدرت۔

''ہمیں آپ ﷺ سے بھلائی کی امید ہے۔ آپ ﷺ کریم النفس ہیں اور شریف الطبع بھائی کے بیٹے ہیں اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قدرت و اختیار بھی دیا ہے۔''

اس التجا نے رحمت کے تار پر مضراب لگائی اور نغمہ رحمت پھوٹ پڑا۔ صفتِ رحمت نے الفاظ کا جامہ پہنا اور ارشاد ہوا:

قال وانا اقول کما قال اخی یوسفُ لا تثریب علیکم الیوم۔

''میں آج تمھارے حق میں وہی فیصلہ کرتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لیے صادر کیا تھا: یعنی تم پر آج کوئی گرفت نہیں، جاؤ، تم سب آزاد ہو۔''

کوئی مثال تاریخ میں اس سے بڑھ کر کہفِ الوریٰ (یعنی مخلوق کے لیے جائے پناہ) کی لائی جا سکتی ہے؟

جلال اتنا کہ حسن میں بھی ہو جس سے شانِ نیاز پیدا
جمال ایسا کہ جس کی تابش سے پتھروں میں گداز پیدا
عطوفت اتنی کہ حاسدِ بے ادب کے سارے گناہ بخشے
مروت ایسی کہ دشمنِ جاں طلب کو بھی وہ پناہ بخشے

(تاجور نجیب آبادی)

صفائے قلب، حسودانِ کینہ خواہ کے ساتھ
دعائے خیر، بداندیش و بدگماں کے لیے

(حالیؔ)

اس لطف وکرم اور تقسیمِ رحمت کا یہ عالم کہ ابوسفیان کو پناہ دی اور فرمایا: جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے آج اس کو بھی پناہ دی۔ اس کا نتیجہ جو نکلا وہ تاریخ کے اوراق پر ثبت ہے۔

شاعر جسے صرف ایک شعر میں یوں کہتا ہے:

محفلِ سفاکی و وحشت کو برہم کر دیا
جس نے خون آشام تلواروں کو مرہم کر دیا

(جوش ملیح آبادی)

ہر شے کو پناہ بخشی:

اس پیکرِ رحمت نے جس کو پناہ دی اس کو صرف پناہ ہی نہ دی عزّ و شرف بھی عطا کیا۔ کہفِ الوریٰ کے معنی ''مخلوق کی جائے پناہ''، مخلوق کا دائرہ کس قدر وسیع ہے، یہ بتانا ضروری نہیں۔

حیوانات، نباتات، جمادات سب ہی کے لیے آپ ﷺ جائے پناہ ہوے۔ فرش وعرش، شجر وحجر، کوہ ودمن، بحر و بر، کیا کچھ اس کی مخلوق میں نہیں۔ زمین کو دیکھیے کہ شرف سجدہ ریزی کی جاء بنا دی۔ خاک کو دیکھیے تیمّم کا وسیلہ بنادیا۔ کوہ وجبل کو دیکھیے زیارت گاہ مومنین۔ کوہ ثبیر، جبلِ نور، جبلِ احد، غارِ ثور اور غارِ حرا جبلِ رحمت بن گئے۔ پرندوں اور جانوروں کا حرمِ نبوی کی حدود میں شکار منع فرما کر ایک خطّے کے جانوروں اور پرندوں کو تحفظ دے دیا۔ استنِ حنانہ کو منبر شریف کے نیچے دفن کر کے درخت کو احترام وتحفظ بخش دیا۔

اس موضوع پر احادیث کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ صحیحین (بخاری ومسلم)، حضرت انس رضی اللہ عنہ، طحاوی رضی اللہ عنہ، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ، عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن زید بن عاصم، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن وقاص، رافع رضی اللہ عنہ بن خدیج، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، ابی قتادہ رضی اللہ عنہ، جابر بن عبد اللہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ، صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ۔

ہماری اطلاع کے مطابق پندرہ احادیث ایسی ہیں یا سولہ۔ اور اگر ہیں تو میرے مطالعے میں نہیں آئیں۔ میں انھیں سے حوالہ پیش کرتا ہوں۔ آٹھ احادیث وہ ہیں جو اپنی زبان وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى سے سنائیں۔ دیگر آٹھ احادیث آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بیان فرمائیں۔ جو آٹھ حدیثیں صاحبِ قرآن نے بیان فرمائیں ان میں سے پانچ وہ ہیں جن میں آپ ﷺ نے اپنے جدِّ کریم حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھی یہی نسبت ارشاد فرمائی ہے۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دینے کے لیے وحی کا نزول ہوا کرتا تھا لیکن یہاں مدینہ منورہ کو آپ ﷺ نے اپنے حکم سے حرم قرار دیا۔ پھر بھی درجہ بدرجہ دیا۔ یہ بحث گزر چکی ہے، انبیاء علیہم السلام کا حصہ اوروں سے زاید ہے اور سردارِ انبیاء علیہم السلام کا حصہ وہ ہے جس کی خبر کسی کو نہیں۔

پہلے وہ حدیث جس میں اپنے جدِّ اعلیٰ کی نسبت شامل ہے (ایسی احادیث پانچ ان میں یہاں صرف ایک پیش کرتا ہوں)۔

صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ نے عرض کی:

اللّٰھم ان ابراھیم حرّم مکه وانی احرّم مابین لابتیھا۔

ترجمہ: الٰہی! بیشک ابراہیم علیہ السلام نے مکّہ معظّمہ کو حرم کر دیا اور ''میں'' دونوں سنگستانِ مدینہ طیبہ کے درمیان جو کچھ ہے اسے حرم بناتا ہوں۔

(بخاری ومسلم احمد والطحاوی فی شرح معانی الآثار عن انس رضی اللہ عنہ)

اب دوسری حدیث (یہ تین ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے، ان میں سے ایک پیشِ خدمت ہے):

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انی احرّم مابین لابتی المدینة ان یقطع عضاھھا اویقتل صیدھا۔

ترجمہ: بے شک ''میں'' حرم بناتا ہوں دو سنگلاخِ مدینہ کے درمیان کو کہ اس کی ببولیں نہ کاٹی جائیں اور اس کا شکار نہ مارا جائے۔

(مسلم واحمد الطحاوی عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)

اب وہ حدیثِ مبارکہ جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے حرم کر دینے سے مدینہ منورہ حرم ہو گیا۔ صحیحین میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حرّم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مابین لابتی المدینة وجعل اثنی عشر میلاً حول المدینة حمی۔

ترجمہ: تمام مدینہ طیبہ کو رسول اللہ ﷺ نے حرم کر دیا اور اس کے آس پاس بارہ بارہ میل تک سبزہ و درخت کو لوگوں کے تصرف سے اپنی حمایت میں لے لیا۔

(بخاری و مسلم واحمد وعبدالرزاق فی مصنفہ ابن جریر)

ایک شبہے کا ازالہ بھی کرتا چلوں، یعنی اگر مدینہ منورہ میں درخت یا اس کی شاخوں کی ممانعت فرمائی تو بکریوں کے لیے غذا کا انتظام کیوں کر ہوگا؟ چنانچہ ایک اور حدیث مبارکہ میں ان مقاصد کے لیے اس حکم کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ وہ احادیث ان سولہ احادیث میں شامل ہیں۔

ان احادیثِ مبارکہ میں آپ غور فرمائیں: پتھروں کو امان دی، جبلِ ثور اور جبلِ رحمت، جبلِ احد اور غارِ حرا کو نہ صرف انسانوں کی مادی ضروریات کے لیے شکست و ریخت کے عمل سے پناہ دی بلکہ انھیں وہ مقامِ عزّ و شرف بخشا کہ قیامت تک اس کی زیارت اہلِ محبت کے لیے سلسلۂ تسکینِ جاں بن گیا۔ آپ نے کھجور کے درخت کا حال بھی پڑھا ہوگا جو مسجدِ نبوی ﷺ میں نیا منبر تعمیر ہو کر اللہ کے محبوب ﷺ سے جدائی پر اتنا زار و قطار رویا کہ مسجدِ نبوی ﷺ میں موجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس آوازِ گریہ کو سنا۔ پھر اس درخت کو، جس کا نام حنانہ تھا، نئے منبر کے نیچے دفن کیا گیا۔ تاریخِ اسلام میں انسانوں کی طرح کسی درخت کی تدفین کا کوئی واقعہ دوسرا ہے؟ یہ منزلِ عشق ہے۔ حضور پُر نور ﷺ، سرورِ کشورِ رسالت ﷺ، صاحبِ لولاک لما ﷺ کے عشق میں جو گرفتار ہوا اسے کیا کیا مراتب عطا ہوئے، یہ اس کی ادنیٰ مثال ہے۔ یہ وہ اسرار ہیں جو عشق کی خود آگاہی سے کھلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رازی رحمۃ اللہ علیہ اور غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات

اور ہیں اور بلال رضی اللہ عنہ و اویس رضی اللہ عنہ کے درجات اور ہیں۔ چیونٹی حضرت سلیمان علیہ السلام سے گفتگو بھی کر لیتی ہے اور دور سے ان کا جواب بھی سن لیتی ہے۔ سلیمان علیہ السلام تو پیغمبر تھے مگر وہ چیونٹی کیا تھی جسے حق نے یہ مقام عطا کر دیا؟ عقل بلاشبہ نور ہے لیکن ہر حجاب نہیں اٹھاتا اسے عشق اٹھاتا ہے۔ معین الکاشفی اپنی تصنیف ''معارج النبوت ﷺ'' میں اس مکڑی سے سوال کرتے ہیں جس نے غارِ ثور میں جالا بنا تھا:

عنکبوتِ زار را گفتم کہ ایں پردہ چہ بود
گفت: مہمانِ عزیز آمد چو کردم دَر سفید

ترجمہ: یعنی مکڑی سے میں نے دریافت کیا کہ غارِ ثور پر یہ پردہ کس لیے ڈالا تو اس نے جواب میں کہا کہ جان سے زیادہ عزیز مہمان آج تشریف فرما ہوئے تو اس خوشی میں دَر کی سپیدی کی ہے۔

مِصباحُ الظُّلَم

وہ معصیت کے شبستاں میں نیکیوں کا چراغ
وہ نورِ پاکیِ داماں ، درودِ تاج میں ہے

مِصۡبَاحُ الظُّلَمِ

(اندھیروں کے واسطے چراغ)

اندھیروں میں وہ قندیلِ ہدایت بن کے آئے تھے
وہ سوکھی کھیتیوں پر ابرِ رحمت بن کے آئے تھے

لفظِ مِصباح کی لغوی بحث:

مِصباح عربی کا لفظ ہے جس کے معنی چراغ کے ہیں۔ علمِ نحو کی ایک کتاب کا نام بھی ہے اور محاورۃً وہ جام جس میں شراب نوش کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ بڑی شان سے آیا ہے:

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ

"اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو، اس میں ایک چراغ ہو۔"

اس آیت کے بعد دوسری مرتبہ تفصیل میں آیا ہے (سابقہ آیت سے تسلسل ہے)

اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ۔ "وہ چراغ شیشے (کے ایک فانوس) میں ہے۔"

(سورہ نور: آیت ۳۵)

وہ چیز جو بصورت قندیل بنائیں اسے زجاج کہتے ہیں۔ فانوس اس کی درست مثال ہے۔ یہی لفظ اگر تشدید کے ساتھ آئے زجاج تو یہی اسمِ فاعل بن جاتا ہے، یعنی شیشہ بنانے والا اور زجاجہ کے معنی ہیں قندیل کے۔ قرآنِ کریم کا بیان بیشتر تمثیلی ہے: کہیں وہ شش جہات بیان کرتا ہے، کہیں مشرق ومغرب کا حوالہ دیتا ہے، کہیں وہ قرب پانے والوں کے

ہاتھ اور پاؤں بن جانے کی مثال دیتا ہے۔ جن کے لیے قرآن نازل ہوا (جن کی ہدایت کے لیے یعنی اہلِ دنیا) ان کا عالم، اجسام کا عالم ہے، یہاں تمثیل کے بغیر کیوں کر سمجھ میں آسکتا ہے؟ بتانا یہ مقصود ہے کہ چراغ کے حوالے سے روشنی کو سمجھنا عالمِ اجسام میں رہنے والوں کے لیے دشوار نہیں۔ سورہ نور کا مکمل مطالعہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح نور کا بیان کیا ہے جسے مفسّرین نے بہتر سمجھا اور بہتر سمجھایا۔

مصنف درود تاج کا کمال انتخاب الفاظ:

مصنف درود تاج کی بزرگی اور عظمت ہے، کمال علم ہے بلکہ کمال معرفت بھی ہے جس لفظ کا وہ انتخاب کرتے ہیں وہ اپنے اندر ان صفات کا احاطہ ہی نہیں کرتا، اس کی معنویت کے ساتھ اس کی صورت بھی حسین ہو کر سامنے آتی ہے۔ آپ اگر گلاب کی خوشبو ہاتھ کی پشت پر لگائیں یا روئی کا پھاہا خوشبو میں تر کرلیں اور اس کی بجائے گلاب کا پھول کسی کو دیں، خوشبو دونوں کی ایک ہی ہوگی لیکن دونوں کا فرق نمایاں ہوگا۔ ایک قوتِ شامہ کی تکمیل ہوگی تو دوسری سے گلاب کی حسین صورت کا بھی پہلو نمایاں ہے۔ چراغ اگرچہ تمثیل کے لیے آیا ہے لیکن ہم اور آپ جس چراغ کو استعمال کرتے ہیں اس پر "مصباح" کو محمول نہ کیا جائے۔ ہمارے گھروں کا چراغ (جب چراغ کا زمانہ تھا) اشیاء کو اندھیروں سے نکال کر جس دم اجالوں میں لاتا ہے تو اس کا دوہرا عمل ہوتا ہے، یعنی اشیاء جو تاریکی میں گم تھیں وہ ظہور میں آجاتی ہیں، اپنی خبر دیتی ہیں، اپنا چہرہ دکھاتی ہیں لیکن اس شے کا سایہ، جو پہلے اندھیروں میں گم تھا، شے کے ساتھ وہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ ایک سمت چراغ ہوتا ہے تو دوسری سمت اشیاء۔ جن کے انھی حصوں پر روشنی پڑتی ہے جو چراغ کے مقابل ہیں۔ پھر انھی اشیاء کا سایہ دوسری جانب پڑتا ہے۔ اللہ کا یہ رسول ﷺ ایسا چراغ ہے کہ جب وہ اپنا نور اندھیروں پر ڈالتا ہے تو سایے کا وجود کہیں باقی نہیں رہتا اور سب سے بڑا کمال اس چراغ کا یہ ہے کہ جس شے کو وہ اپنے نور سے روشن کر دیتا ہے وہاں سے ہٹ جانے کے بعد بھی وہ شے روشن ہی رہتی ہے اور سایے کو اپنے نزدیک آنے نہیں دیتی۔

بول بالا کر دیا:

جب ظلمتِ اوہام میں ساری کائنات ڈوب چکی تھی، مقام بشریت کے پیروں میں

حرص و ہوس کی زنجیر پڑی ہوئی تھی، صداقت و ایمان بے آبرو کیے جا رہے تھے، اخلاق و شرافت کا سر شرم سے سرنگوں تھا، یہ جہانِ رنگ و بو تیرگی کا ایک ہیولا بن گیا تھا، برگزیدہ لوگ سر بریدہ کر دیے جاتے تھے، جو آقا بن گئے وہ صاحبِ عزّ و شرف، جو غلامی کی قید میں آگئے وہ ظلم و جور کا ہدف، بیٹیاں ذلت کا سبب بن کر قبر کی تاریکی میں زندہ اتار دی جاتیں، ایسے جبر و ظلم کے بھیانک ماحول میں وہ نورِ ہدایت بن کر تشریف فرما ہوے۔ پہلے تو ان کے لیے حیرانی کا سبب ہوا، پوری قبایلی قوت کے ساتھ اس چراغ کو بجھانے کے درپے ہوگئے۔ لیکن وہ اپنے عزایم میں ناکام ہوگئے۔ اس ناصر و منصور کو شکست دینا، محرمِ منزل کو راستے سے ہٹانا، جس کی شوکت سے قصرِ کسریٰ متزلزل ہوگیا اسے ارادوں سے باز رکھنا ان کے اختیار میں نہ رہا۔ بت خانوں میں شور الاماں ہوا اور ظلمتِ کفر چھٹتی چلی گئی، مقصودِ کائنات نے مقصدِ حیات حاصل کر لیا، ابلیس کی فوج میں کہرام مچ گیا اور آخر تمام قبایل شیر و شکر ہوگئے، مفاسد زیر و زبر ہوگئے اور اس طرح وہ چراغ نور زینتِ محفلِ حیات بن گیا۔ اسی موقعے پر مولانا ظفر علی خاں نے کہا:

جیت گئے اسلام کے غازی، ہار گئی آخر کفر کی بازی
جھک نہ سکا توحید کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم

اس منظر کو ایک اور انداز سے پیش کرتے ہیں:

دیکھتے ہی ترا جلال، کفر کی صف الٹ گئی
جھک گئی گردنِ ہبل، ٹوٹ گیا طلسمِ لات

ظلمتِ کفر کو جس طرح چراغِ نور نے سرزمینِ مکّہ سے کافور کی طرح اڑا دیا اور چاروں طرف نورِ حق سے اجالے بانٹ دیے جوشؔ اسے مخصوص انداز میں کہتا ہے اور اسی پر ختم کرتا ہوں:

خسروِ خاور نے پہنچا دیں شعاعیں دور دور
دل کھلے، شاخیں بنیں، شبنم اڑی، چھایا سرور

آسماں روشن ہوا ، کانپی زمیں پر موجِ نور
پو پھٹی ، دریا بہے ، سنکی ہوا ، چہکے طیور
نورِ حق فاران کی چوٹی کو جھلکانے لگا
کس ادا سے پرچمِ اسلام لہرانے لگا

جَمِیلِ الشِّیَم

طلوعِ مہر تھی سیرت سیاہیِ شب میں
گنہ کے گھر ہوے ویراں ، درود تاج میں ہے

جمیلِ الشیم

(نیک اطوار کے مالک)

زمیں پہ ٹھیرا ہے ماوائے شاہِ عرش نشیں
رہی نہ اب کوئی فوقیت آسماں کے لیے (حالی)

رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور ان کے اطوار بے مثل نمونہ تھے:

کیا خوبصورت لقب ہے: پہلا جمیل ہے دوسرا شیم، دونوں مل کر کتنے مترنم ہوگئے ہیں اور شاہ بوریا مسند، مقصود ہر دو عالم کے لیے اشارہ بن کر ان لفظوں کو معراجِ معنیٰ نصیب ہوئی۔

خدا جانے خود اس سرکار ﷺ کا کیا مرتبہ ہوگا
غلام بارگہ جس کے کہیں: "ما اعظم شانی" (اقبال سہیل)

کسی کے اطوار و عادات کا جب ذکر آجائے تو یقیناً اس ہستی ہی کے اطوار کا جائزہ لیا جانا چاہیے لیکن مؤرخین کا دستور یہ رہا ہے کہ وہ اس کے خاندانی حالات کا بھی جائزہ لیا کرتے ہیں۔ اس کی پرورش گاہ سے آگہی، اس کے اجداد کی فضیلت کو بھی شاملِ تحقیق کیا جاتا ہے۔ علم و ادب کی دنیا میں یہی دستور چلا آرہا ہے۔ ہم بھی اسی دستور کی پیروی کرتے ہوے آغاز کرتے ہیں۔ دل یہی چاہتا ہے کہ ہر ہر سطر قشقۂ نور ہو اور ہر ہر لفظ لعلِ یمانی ہو جسے پڑھ کر یوں کہیں:

نگاہیں جذب کر لی ہیں بہار عارضِ گل نے
رگِ گل کی حقیقت آج ہم نے جا کے پہچانی (اقبال سہیل)

اب یہ احوال کسی بشر کا نہیں خیر البشر کا ہے، افضل البشر کا ہے، صرف انسان کا نہیں محسنِ انسانیت کا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ سلسلۂ

نسب کی بات اس کی یوں ہے، حاکم نے اپنی صحیح روایت میں بیان کیا ہے، کہ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ کا نام نامی، اسم مبارک عرش پر لکھا دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ یہ آپ ﷺ کی پہلی فضیلت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پہلی خطاء پر اللہ تعالیٰ کے حضور نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگی تو وہ قبول ہوگئی۔ یہ واقعہ تاریخ میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی دوسری فضیلت۔ اگر چہ یہ بھی خاندانی نسب ہی ہے مگر عجیب بات ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ابوالآدم ہیں، ابوالبشر ہیں لیکن خیر البشر حضور ﷺ ہیں!

حضور ﷺ نے اپنا نسب خود بیان فرمایا:

"میں محمد ﷺ ہوں۔ عبداللہ کا بیٹا اور عبدالمطلب کا پوتا۔ اللہ تعالیٰ نے جو مخلوق کو پیدا کیا، عرب میں بنایا۔ پھر عرب میں قبیلے کئی ہیں، مجھ کو سب سے اچھے قبیلے یعنی قریش میں پیدا کیا۔ پھر قریش میں کئی خاندان ہیں اور مجھ کو سب سے اچھے خاندان میں یعنی بنی ہاشم میں پیدا کیا۔ پس میں ذاتی طور پر بھی سب سے اچھا ہوں۔" (حضرت عباس رضی اللہ عنہ)

شروع دفترِ امکاں میں بسم اللہ کے بدلے
قلم نے نام لکھا لوح پر پہلے محمد ﷺ کا
فلک، طاؤس کی صورت جواب تک رقص کرتا ہے
کبھی دیکھا تھا جلوہ ابرو و گیسوئے احمد ﷺ کا (امیر مینائی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور طبرانی کے اقوال:

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
"میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں، بدکاری سے نہیں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک سفاحِ جاہلیت کا کوئی لوث مجھ کو نہیں پہنچا۔ پس میرے نسب میں اس کا کوئی میل نہیں ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے اپنی ذات سے نکل کر اپنے اجداد کے لیے فرمایا: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، سے مرفوعاً روایت ہے، فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے: "میرے بزرگوں میں سے کبھی مرد و عورت بطور سفاح کے نہیں ملے۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو ہمیشہ اصلاب (صلب کی جمع ہے) سے ارحام طاہرہ کی طرف مصفّٰی و مہذب کر کے منتقل کرتا رہا۔"

شرف حاصل ہوا آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو اس سے
نے تنہا فخرِ عالم، فخر تھا اپنے اب و جدّ کا (شہیدی)

طبرانی کا قول: حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی:
میں تمام مشارق و مغارب میں پھرا۔ سو میں نے کوئی شخص محمد ﷺ سے افضل نہیں دیکھا اور نہ کوئی خاندان بنو ہاشم سے افضل دیکھا۔

نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را
بہتر از عالم و آدم علیہ السلام تو چہ عالی نسبی (جان محمد قدسی رحمۃ اللہ علیہ)

محبوب ﷺ کے نسب کی حفاظت خدا نے کی:

جس ہستی کے اوصاف شرافت، اخلاقِ حسنہ، محبت، شفقت، جود وسخا، عفو و درگزر، شجاعت، بہادری، صلہ رحمی، اطاعتِ خداوندی، عدل، انصاف، تسلیم و رضا، صبر و قناعت، دستگیری، فریاد رسی، ایثار اور تمام اعلیٰ بشری خوبیوں کے مالک ہونے کا شرف ہو اس کا خاندانی پس منظر کتنا شاندار ہوگا! جب محبوب ﷺ خالقِ کون و مکاں کا تصور کیجیے تو وہ صاحبِ قدرت، مالک و مختار پل پل اپنے محبوب ﷺ کو نگاہ میں رکھے ہوئے ہے، قدم قدم وہی حفاظت کر رہا ہے، ہر عیب سے بچا رہا ہے اور خوبی سے آراستہ کر رہا ہے۔ لولاک لما، افضل البشر، افضل الانبیاء، امام الانبیاء، صاحبِ معراج، شافعِ محشر، صاحبِ مقام محمود، صاحبِ لواء الحمد، خاتم النبیین جیسے خطابات عطا فرما رہا ہے پھر طرّہ سخن گفتنی میں خود کہہ رہا ہے: وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی۔ اب محبوب ﷺ گھر ہو کہ باہر، بازار ہو کہ گلیاں، مسجد ہو کہ درس گاہ (اصحاب صفہ کا چبوترہ اسلام کی پہلی یونیورسٹی)، لین دین، تجارت، فیصلے، امداد، اعانت، عبادات، الغرض جو بھی عمل سرزد ہو رہا ہے خیر البشر ﷺ کا ہو رہا ہے اور ساتھ ساتھ نگرانی بھی ہو رہی ہے، قدم قدم پر رہبری بھی مل رہی ہے اس لیے آپ ﷺ اس درجہ نیک اطوار تھے کہ آپ ﷺ کی مثل کوئی اور تھا ہی نہیں۔

آپ ﷺ کے اطوار پر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان:

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ نبی ﷺ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے خانوادے سے ہیں اور خاندان کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ لوئی بن غالب کی نسل میں سب سے بڑے اور شریف گھرانے کے فرزند ہیں۔ اس درجہ نیک اطوار کہ خون کے پیاسوں کو معاف کر دے اور قاتلوں کو امان کی ہمیشگی دے دے، سایل کو کبھی واپس خالی نہ جانے دے۔

در رسول ﷺ پر ایسا کبھی نہیں دیکھا
کوئی سوال کرے اور وہ عطا نہ کرے (ادیب)

بد اندیش کے لیے بھی دعائے خیر کرے، قوم سرکش کی ہلاکت میں تاخیر کرے، کینہ خواہوں اور حاسدوں کے لیے صفائے قلب کا مظاہرہ کرے۔ اس کے عدل کا یہ عالم کہ جس کی میزانِ عدالت میں وقارِ تاجِ شہی ہو یا غبارِ مسکنت دونوں برابر ہیں، جس نے آ کر تفریقِ انسانی مٹا دی۔

تم نے دیکھا ہے، بہت دفترِ پیغام اس کا
اور ایسا کوئی گزرا ہو تو لو نام اس کا (جگر مراد آبادی)

نیک اطوار اور حسنِ سلوک کا رخ اس طرح بھی دیکھیے:

جس قوم نے گھر اور وطن تجھ سے چھڑایا
جب تو نے کیا، نیک سلوک ان سے کیا ہے
صدمہ دُر دنداں کو ترے جن سے ہے پہنچا
کی ان کے لیے تو نے بھلائی کی دعا ہے
کی تو نے خطاء عفو ہے ان کینہ کشوں کی
کھانے میں جنھوں نے کہ تجھے زہر دیا ہے
جو بے ادبی کرتے تھے اشعار میں تیری
منقول انھیں سے تری پھر مدح و ثناء ہے
برتاؤ ترے جب کہ یہ اعداء سے ہیں تیرے
اعداء سے، غلاموں کو، کچھ امید سوا ہے (حالی)

شَفِیعُ الاُمَمِ

تمام نبیوں (علیہم السلام) کی امت کے واسطے وہ شفیع ﷺ
تمام نبیوں (علیہم السلام) پہ احساں، درود تاج میں ہے

شَفِیعُ الاُمَم

نسخۂ کونین را دیباچہ اوست　　جملہ عالم بندگان وخواجہ اوست

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہر لقب کی لاج رکھی:

نقطۂ سرِ وحدت، سرِ غیبِ ہدایت، ماہ لاہوتِ خلوت، قاسم کنزِ نعمت، جامع الحسنات، ارفع الدرجات، اکمل البرکات، مہرِ رسالت، مہرِ جلالت، شافعِ محشر، ہادی ورہبر، رحمتِ عالم، شفیع المرسلین، داورِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم۔

ارض وسما میں آیۂ رحمت، روزِ جزاء میں سایۂ رحمت
اس کے لوائے حمد کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم
جتنے فضایل جتنے محاسن، ممکن میں ہوسکتے تھے ممکن
حق نے کیے سب اس میں فراہم، صلی اللہ علیہ وسلم　　(اقبال سہیل)

اس مادی دنیا میں یا مادہ پرستی کی دنیا میں یہ دستور ہے کہ ہر شخص اپنے اچھے نام پر فخر کرتا ہے اور اس کی لاج رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر کسی کو سخی کا خطاب ہے تو اس خطاب کی لاج بخل سے نہیں سخاوت سے رکھے گا، بہادر کا لقب پانے والا بزدلی سے نہیں شجاعت کے ذریعے لاج رکھے گا، الغرض ہر کوئی اپنے نام کی لاج رکھتا ہے پھر جس میں جتنی شرافت ہو، جتنے بلند کردار کا حامل ہو اسی شان کے ساتھ وہ اپنے نام کی لاج رکھتا ہے۔

اقبال سہیل نے چوتھے مصرعہ میں بیان کیا کہ تمام فضایل اور تمام محاسن، ممکن میں جتنے تھے ممکن، سارے حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کردیے بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو القاب ”رحمت للعالمین“ اور ”شفیعِ محشر“ صرف اپنی ہی امت کے لیے نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے لیے ہیں کیونکہ عالمین اس کی دلیل ہے۔ اب جن کے اتنے اوصاف

اور جتنے ان کے نام، تاریخ کا ایک ایک ورق اس کا گواہ ہے کہ ہر ہر لقب کی لاج آپ ﷺ نے اس طرح رکھی کہ دنیا کہتی ہے نام کی لاج یوں رکھتے ہیں۔ اپنی حیاتِ ظاہر میں وہ اپنے تمام القاب کی لاج رکھ چکے اور کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ فلاں لقب کی لاج رہ گئی یعنی رکھی نہ گئی۔ لیکن محشر کا دن ابھی آیا نہیں ہے، شفیع المذنبین، داورِ محشر، شافعِ روزِ جزاء، صاحبِ لواء الحمد، صاحبِ مقامِ محمود کے نام اور القاب کی لاج کس شان سے رکھیں گے، اس پر ہم اہلِ ایمان کو یقینِ کامل ہے۔ بڑا عجیب نکتہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی امت ہو یا موسیٰ علیہ السلام کی، ابراہیم علیہ السلام کی امت ہو یا یوسف علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام کی، جب ان تمام امتوں کی شفاعت کریں گے، جو نہ ان کے عہد میں تھے نہ جن سے واسطہ رہا، تو جو ان کی اپنی امت ہے، جن کے لیے روزِ پیدائش سے پردہ فرمانے تک ایک ہی دعا مانگتے، امتی امتی کہتے کہتے دعا میں تھکتے نہیں یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے انھیں اپنی امت کے حق میں حریص تک فرمایا۔ ہر نبی علیہ السلام کو ایک مخصوص دعا کی اجازت دی، اسی طرح آپ ﷺ کو بھی عطا کی۔ تمام نبیوں نے اس کا فائدہ اس جہان میں اٹھا لیا لیکن آپ ﷺ نے اس حق کو روزِ قیامت کے لیے اٹھا رکھا۔ اللہ کو اپنے محبوب ﷺ کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اس نے بھی اپنے حبیب ﷺ سے وعدہ کیا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ یہ وہی آیت ہے جس کے لیے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''ہم اہلِ بیت کے لیے سب سے بڑی خوشخبری اس آیت میں ہے۔''

قرآنِ کریم میں شفاعت کے لیے بار بار ایک بات آئی ہے کہ اس روز ہم کسی کی سفارش قبول نہیں کریں گے۔ یہ بحث تفصیل سے آیندہ اوراق میں آ رہی ہے جس پر سر سید احمد خان نے دعویٰ کیا کہ روزِ محشر کوئی شفاعت کسی کی قبول نہ ہوگی۔ اس بحث کو ہم یہاں دہرانا نہیں چاہتے، ''شفیع المذنبین'' کی بحث میں دیکھیے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے جن آیتوں میں سفارش کے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے تو کیا اپنے محبوب ﷺ کے سوا کسی اور کو یہ حق دے گا، یعنی محبوب ﷺ سے پہلے؟

کہا خدا نے : شفاعت کی بات محشر میں
مرا حبیب ﷺ کرے، کوئی دوسرا نہ کرے (ادیبؔ)

لہٰذا وہ تمام وعدے شفاعت کے جو قرآن میں اللہ نے کیے:

إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ (سورہ یونس) إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ (سورہ سباء) إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ (الزخرف) إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضٰى (سورہ النجم) مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً (سورہ نساء) إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (سورہ مریم) يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا (سورہ طٰہٰ) إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ (سورۃ الانبیاء)۔

ایک ایک وعدہ پورا کرے گا۔ کیا خوب کسی نے کہا: مجموعۂ کرم کے شیرازے کو اس وقت تک ترتیب نہ دے گا جب تک اپنے محبوب ﷺ کے پیارے نام کو اس کا افسرِ فہرست نہ کر دے۔ مشہورِ زمانہ شاعر عرفی کہتا ہے:

تا نام ترا افسرِ فہرست نہ کردند
شیرازہ مجموعہ نہ بستند کرم را

ان ﷺ کی رحمت نے کسی کو مایوس نہیں کیا:

حضور رحمتِ دو جہاں ﷺ نے ان موحدین کو بھی بخشش کا سہارا دیا ہے جو آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اپنے دامن کو کفر و شرک سے بچا کر رکھتے تھے۔ حاتم، جس کی سخاوت کے چرچے عام ہیں، اس کی بیٹی جب کفار و مشرکین کے گروہ میں گرفتار ہو کر آئی تو آپ ﷺ نے رحمت کا دروازہ اس پر کھول دیا اور اس لیے اس پر کرم فرمایا کہ اس میں ایک رشتہ باپ کے سبب نیکی اور شعائرِ اسلام کا تھا۔ تو جس روز لوائے حمد اسی مقصد کے لیے ان کے دستِ عطا میں دیا جائے گا تو وہی لوائے حمد ہوگا جو آفتابِ حشر کی تمازت سے پناہ دے گا۔

از گرمیِ زبانۂ خورشیدِ آتشیں — روزِ جزاء پناہ لوائے محمد ﷺ است
(قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت آدم علیہ السلام تا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام امتیں اس بارگاہ میں پیش ہوں گی جو تاجدارِ اقلیمِ دو عالم ہے، جو گلزارِ نبوت کا گلِ تازہ ہے، سالارِ صفِ انبیاء ہے، جو اولادِ آدم علیہ السلام میں ہر اعتبار سے سب سے افضل کہ ہر آدم کا سایہ اور یہ بے سایہ سائباں رحمتِ دو

جہاں۔امیر مینائی نے کیا خوب کہا:

آدم علیہ السلام میں ہے محدود، احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے بے حد کا
سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھا، یاں سایہ نہ تھا قد کا

واقعے کے ظہور میں آنے سے پہلے تاریخ لکھ دی گئی:

صاحبِ درود تاج نے قاسم کنزِ رحمت کا لقب شفیع الامم اسی تاریخ کے بیان میں رکھا جو یوم شفاعت کی تاریخ ہے اور دنیا کی تواریخ میں پہلی اور عجیب تاریخ ہے کہ واقعے کے ظہور میں آنے کے بعد مورخ تاریخ لکھتا ہے یہاں تاریخ پہلے تحریر میں آچکی واقعہ حشر کے دن ظہور میں آئے گا۔ ہاں لوح پر قلم نے ضرور لکھا ہوگا لیکن اس تحریر کو اہلِ معرفت ہی پڑھ سکتے ہیں اہلِ دنیا میں ہر کس و ناکس نہیں۔اس تاریخ کا ایک انوکھا پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں ظہور میں آنے والے واقعات کا پیشگی بیان اس خطیب نے دیا جس کی خطابت سن کر منبروں کو وجد آجاتا اور مجلسیں جھوم اٹھتیں۔ جب وہ کسی کو پناہ دیتا تو پناہ لینے والا کہتا: یہ بیت اللہ ہیں، جس میں کوئی خطرہ نہیں۔ وارث زمزم اور ساقیِ کوثر نے جو تاریخ بیان کردی اس کے ایک ایک لفظ کی تصدیق آیات ربانی کے ذریعے خالقِ کائنات نے فرمائی۔ اس کی تصدیق آیات ربانی نے اس لیے کی کہ اعتراض کرنے والوں کی کمی نہیں۔ شفاعت کے مسئلے پر تو بہت ہی اعتراض کیا گیا اس لیے قرآن میں بار بار اس کی تصدیق کی جاتی ورنہ سیّدِ عالم، شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا اتنا معتبر اور اس درجہ مستند ہے کہ اسے کسی تصدیق کی ضرورت نہیں، ضرورت ان پر ایمان کی ہے۔ واقعۂ معراج پر پہلی تصدیق سیّدنا صدیقِ اکبر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کی اور ان کی ہر ہر بات کی تصدیق صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سا ایمان رکھنے والے کرتے رہے اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔

سنا رہے ہیں وہ حال سارا، ہے روزِ محشر جو ہونے والا
ورق ورق پر لگا رہا ہے جو مہرِ تصدیق حق تعالیٰ
اسی کے ہاتھوں میں ہوگا پرچم، اسی کے سایے میں ہوں گے سب ہم
وہاں بھی رکھے گا لاج سب کی، جہاں میں جس نے ہمیں سنبھالا (ادیب)

صَاحِبِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ

کرم کی ان کے نہ حد ہے نہ انتہا کوئی
وہ جانِ رحمتِ رحمٰں، درود تاج میں ہے

صَاحِبِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ

عربوں میں فطری جذبہ سخاوت:

رحمتِ عالم ﷺ نے جس معاشرے میں ہوش سنبھالا وہ کفر کی جہالت اور شرک کے غلبے کے ایک خاص وصف کا حامل معاشرہ تھا۔ جس پر عربوں کو ناز تھا وہ ان کی سخاوت کا پہلو تھا۔ وہ ایسے مہمان نواز تھے کہ اپنے مہمان کے لیے قیمتی شے کو وقعت نہیں دیتے تھے، ایک روایت پیش کرتا ہوں:

''عصرِ جاہلیت کی عربوں کی تاریخ ایک عریاں گردن ہے جس میں ان کا وصفِ مہمان نوازی اور سخاوت اس کا زیور ہیں۔''

یہاں سخاوت اپنے سخی پر ناز کرتی ہے:

ایک سخی وہ ہے جو جذبہ سخاوت پر ناز کرتا ہے کہ اس کی سخاوت نے اہلِ جہاں میں اسے عزت بخشی، شہرت دی، مرتبہ دیا، وقار بلند ہوا اور ایک سخاوت وہ ہے جو اپنے سخی پر ناز کرتی ہے کہ اس کے اندر جود و کرم نے سخاوت کے معیار کو گردِ فرش سے اٹھا کر زینتِ چرخ و عرش بنا دیا، اسے وہ عزّ و شرف عطا ہوا کہ وہ اعلیٰ صفاتِ نبی میں شمار ہوئی۔ سلاطینِ زمانہ اور تاجدارانِ جہاں ان کے در پر گدا بن کر جاتے ہیں۔ وہ بادشاہ، جس کے دربار میں اس کے درباری اس لیے اس کا قصیدہ پیش کرتے ہیں کہ اس کی سخاوت کو ابھار کر انعام و اکرام سے اپنی جھولیاں بھریں، جو کسی بھی خوشی کے موقعے پر شہر بھر کے لوگوں یعنی اپنی رعایا کو انعام و اکرام عطا کرے کیا وہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے گا خواہ کوئی اس شاہ سے بڑا شاہ ہی کیوں نہ ہو؟ لیکن یہ کیسا دربار ہے کہ وہ سلاطینِ زمانہ، جن کے ساتھ وزراء و امراء کا ایک قافلہ

ساتھ ساتھ چلتا ہے، آگے پیچھے مصاحب حلقہ بنا کر چلتے ہیں، جب وہ اس دربار میں آتا ہے تو ایک فقیرِ بے نواء کی طرح۔ آنسوؤں سے چہرہ تر ہوتا ہے، گردن احترام سے خم ہوتی ہے، نگاہیں جھکی ہوئی ہوتی ہیں، ہاتھ بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جاہ وجلال کا پیکر اس دم عجز و نیاز کی تصویر بن جاتا ہے اس لیے کہ اسے یقین ہے یہاں سے کوئی نامراد نہیں گیا۔

جو سخی ہیں شہر بھر کے، وہ گدا ہیں ان کے در کے
کہ کرم کا ان کے ہاتھوں میں نظام آگیا ہے (ادیب)

انسان اپنی بشری قوت اور روئے زمین پر اپنے مالکانہ حقوق اور مال وزر کی استعداد پر سخاوت کا مظاہرہ کرتا ہے، جہاں مالکِ کون ومکاں نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنے خزانوں کی کنجی عطا کر دی ہو، ان کی عطا اور ان کے جود وکرم سے کسی کا کیا موازنہ، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کنجی تمھیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے
محبوب ﷺ کیا، مالک و مختار بنایا

حدیث: سخاوت کے خزانوں کی کنجی میرے پاس ہے۔

یہ صرف اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جو شعر کہتے وہ ترازو میں تول کر کہتے اور ان کا ترازو حدیث وقرآن تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اوتیت مفاتیح کل شیئی۔ (مجھے ہر چیز کی کنجیاں دے دی گئی ہیں)۔
(مسند احمد، طبرانی، خصائص الکبریٰ جلد اول، ص ۱۹۵)

عربی لفظ مفاتیح ہے جو جمع ہے مفتاح کا اور مفاتیح کے واضح معنی کنجیاں ہیں۔ اردو زبان میں قفل بمعنی تالا اور اسے کھولنے کا ذریعہ کنجی ہے۔ تالا اور کنجی خزانوں کے لیے ہی آتا ہے اور یہاں بھی انھیں معنوں میں آیا ہے۔ یہ قول نبی ﷺ ہے، اسے کون جھٹلا سکتا ہے؟ اس قول کے مصدقہ معنی یہی ہیں کہ وہ جب چاہیں، جسے چاہیں، جتنا چاہیں اور جتنی بار چاہیں قدرت کے خزانے سے عطا کر دیں۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے خزانوں میں تصرف کرنے والے رسول

ﷺ نے فرمایا:

انی اعطیت مفاتیح خزائن الارض او مفاتیح الارض۔

ترجمہ: بے شک مجھے زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں۔
(بخاری جلد دویم، ص ۵۵۸، ص ۹۷۵۔ مسلم شریف جلد دویم، ص ۲۵۰)

بخاری ومسلم ہی کی ایک اور حدیث دیکھیے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اوتیت خزائن الارض من فوضع فی یدی۔

ترجمہ: مجھے زمین کے تمام خزانے دیے گئے ہیں اور وہ میرے ہاتھ میں رکھ دیے گئے ہیں۔

جو محبوب ﷺ خدا سے محبت کرتے ہیں وہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی سنت پر چلتے ہیں اور جنھیں یہ دولت نہیں ملی ان کے دل میں ہر بات کھٹکتی ہے اس لیے شبہے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہاں ایک شبہے کا ازالہ کر دوں۔ اب تک صرف تین حدیثوں کا حوالہ دیا گیا۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ہر حدیث کے الفاظ ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں، ایک کیوں نہیں؟ لیکن معترض اس پر غور کرے کہ تینوں احادیث کے راوی مختلف ہیں، اگر راوی ایک ہوتا تو اعتراض بجا ہوتا کہ الفاظ حدیث میں یہ فرق کیوں ہے اور پھر شبہ یقین کی جگہ لے لیتا کہ پہلی حدیث حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر سے مذکور ہے، دوسری حدیث حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور تیسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اللہ کے محبوب ﷺ نے بیک وقت ان سے نہیں فرمایا ورنہ روایت میں جدا جدا کر کے تنہا نام نہ آتے۔ یہ تو اختیارات کی بات ہے۔ اس کی مثال بھی پیش کریں گے کہ ان کنجیوں کے ملنے کے بعد آپ ﷺ نے کیا کیا دیا جو کوئی اور نہیں دے سکتا اور سخاوت کی تربیت کے لیے ایسا بھی کیا کہ پاس کچھ نہیں، سائل آگیا۔ اب سائل کو ''لا'' بھی نہیں کہنا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ''لا'' صرف کلمہ طیب میں ہی کہا ہے پھر تمام عمر کسی سے اس کے سوال پر ''لا'' نہیں فرمایا۔ بات آگے بڑھ جاتی ہے، اگر ایسا مقام آگیا کہ ''نعم'' بھی نہیں کہنا ہے اور ''لا'' بھی نہیں تو آپ ﷺ نے توقف فرمایا اور وحی کا انتظار کیا ہے۔ اب سائل کو لا بھی نہیں کہنا ہے اور اس وقت دینے کے لیے کچھ پاس

نہیں ہے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ تم قرض میں مجھے کچھ دو تا کہ سایل کا سوال پورا ہو جائے۔ جاں نثارانِ مصطفیٰ ﷺ منتظر رہتے کہ ہم سے کوئی خدمت لی جائے، اس طرح سایل کو عطا کرنے میں ثواب کا حق دار ایک اور ہو جاتا۔

ایک اعتراض اور جواب:

یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ جب خزانۂ قدرت کی کنجیاں آپ ﷺ کو دی گئیں تو کیا کمی تھی، کیوں نہ اس سایل کو ان خزانوں سے نکال کر کچھ دے دیا تو اب اس کا جواب سن لیجیے۔ اگر وہ اشارہ کرتے تو ملایک آسمان سے خوانِ نعمت لے کر اتر آتے، ایک سایل ہی کیا مسجدِ نبوی ﷺ میں حاضر تمام جاں نثار فیض یاب ہو جاتے، پھر اس کی مثال گزشتہ اوراق میں گزری، امِّ معبد کی بکری کے تھن کو ہاتھ لگایا۔ اس سوکھے تھن والی بکری کے اسی لمحے اتنا دودھ آیا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ہجرت کرنے والے ساتھیوں نے سیر ہو کر پیا، اس کے بعد امِّ معبد کے گھر کے تمام برتن دودھ سے بھر گئے۔ یہ ایک نہیں ایسے کئی واقعات ہیں جہاں آپ ﷺ نے معجزہ دکھایا ہے۔

سخاوت کے ذریعے تالیفِ قلوب اور تزکیہ نفس کی تربیت:

اب یہ سوال کہ یہاں معجزہ پھر کیوں نہ دکھایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی امت کی تربیت بھی کرنی تھی۔ آپ ﷺ کو سخاوت سے بے حد محبت تھی اور سخاوت کرنے کے لیے آپ ﷺ نے بار بار تاکید فرمائی۔ بخل سے اور بخیل سے آپ ﷺ کو نفرت تھی کہ بخیل وہی ہوتا ہے جس کو مال و زر سے محبت ہو جاتی ہے اور جس کو مال و زر سے محبت ہو جائے اس کے دل سے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نکل جاتی ہے۔ آپ ﷺ کے اس طریقۂ کار کا مطلب ہی یہ تھا کہ مسلمانوں میں سخاوت کا جذبہ میری اتباع کے سبب عام ہو جائے۔ اگر آپ ﷺ ایسا نہ کرتے صرف معجزہ ہی دکھاتے تو آپ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد لوگ سخاوت کے بارے میں یہ کہہ کر اپنی جان آزاد کر لیتے کہ وہ نبی ﷺ تھے، ان کو اللہ نے معجزہ دیا تھا، ہم گنہ گار امتی ہیں اس لیے سخاوت کا مظاہرہ ہمارے لیے ممکن نہیں۔ تالیفِ قلوب اور کیا ہے، تزکیہِ نفس کسے کہتے ہیں؟ سخاوت آپ ﷺ تالیفِ قلوب کے لیے بھی کرتے اور تزکیۂ نفس کے لیے بھی، اب کہاں وہ بشری تقاضوں میں کرتے اور

کہاں اعجازِ نبوت کا مظاہرہ فرماتے یہ سوال کرنے والے آپ اور ہم کون؟ دوئم آپ ﷺ نے کہیں بھی کسی اور بات پر فخر نہیں فرمایا، اپنے خاندانی مراتب جہاں شمار کرائے (گزشتہ اوراق میں احادیث گزری ہیں) وہاں بھی فخر کا لفظ نہیں فرمایا لیکن جب مقامِ فقر کی بات آئی تو آپ ﷺ نے اس پر اپنے فخر کو بیان فرمایا۔ فقر کیا ہے اور اس پر فخر کیوں فرمایا؟ آیندہ تفصیل سے محبّ الفقراء کے زیرِ عنوان تفصیلی بحث دیکھیے گا۔ علامہ اقبال نے مقامِ فقر کو پیر رومی رحمۃ اللہ علیہ کی بدولت سمجھا بھی اور بیان بھی خوب فرمایا۔ فقر کی منزل کیا ہے؟ یہ وہ مضمون ہے کہ اولیائے کرام، صوفیاء و مشائخ بالخصوص حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر خوب کھل کر بیان فرمایا۔ تالیفِ قلوب تبلیغِ دین کا حصہ ہے اور اس کی بنیادی اہمیت ہے۔ آج اس پر اس انداز سے نہ غور ہے نہ عمل، جس انداز سے "مولف القلوب" نے تعلیم فرمائی۔

کسی مسافر کو، جس کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو، غریب الوطن ہو، مہمان بنانا؛ پڑوسی کی خبر رکھنا، اگر ضرورت ہے تو مدد کرنا؛ تعلیم کے خواہاں نادار طلباء کو پروان چڑھانے میں مالی تعاون کرنا؛ بیماروں کی دوا اور ان کے علاج کا بندوبست کرنا؛ بے شمار ضروریات انسانی ہیں، صاحبانِ خیر و صاحبانِ ثروت نے بغیر کسی اشتہار بازی کے خدا اور رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انجام دیں لیکن ہو یہ رہا ہے کہ رضائے حق سے منہ موڑ کر خیرات، زکوٰۃ، چندے، سیاسی اغراض اور نام و نمود کا ذریعہ بنا دی گئیں۔

تالیفِ قلوب کا سبق آموز واقعہ:

(۱)

تالیفِ قلوب کے زیرِ عنوان سخاوت کا ایک ایسا واقعہ سپردِ قلم کر رہا ہوں جو اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے؛ جو سبق آموز بھی ہے، دردانگیز بھی؛ جو ذہن کو شعورِ اسلامی دیتا ہے اور دل میں گداز پیدا کرتا ہے؛ جسے پڑھ کر آنسوؤں کو روکنا مژگانِ چشم کے اختیار میں نہیں۔

"یہ وہ زمانہ ہے جب اسلام باوجود مخالفت کے تیزی سے پھیل رہا ہے۔ مسلمانوں نے طائف کے قلعے کا محاصرہ کر لیا ہے۔ محاصرہ طویل ہو گیا ہے جہاں فتوحات قدم چوم رہی ہیں۔ مالِ غنیمت بھی ہاتھ آ رہا ہے جس کی تقسیم اتنا آسان عمل نہیں ہے۔ ایک طرف مہاجرین ہیں جو ہجرت کی صعوبتیں اٹھا کر محبوب ﷺ ربّ کے ساتھ آئے ہیں تو دوسری جانب انصار

ہیں جنھوں نے مہاجرین کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ اسی محاصرے کے دوران اللہ کے محبوب ﷺ نے خواب دیکھا۔ ایک بڑا پیالہ، جو مکھن سے بھرا ہوا تھا، آپ ﷺ کو ہدیہ پیش کیا گیا۔ اتنے میں ایک مرغ آیا اور اس نے چونچ مار کر پیالے میں سوراخ کر دیا، سارا مکھن بہہ گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے رفیقِ غار سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ سے یہ خواب بیان فرمایا، ابو قحافہ تعبیر دینے کے ماہر تھے، اس کی تعبیر دی کہ طائف اس سال فتح نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے سنا اور فرمایا: میری بھی یہی رائے ہے۔"

(تاریخِ طبری حصہ اول، ص ۴۲۳)

(۲)

"طائف سے روانہ ہو کر ۱۵ ذی قعدہ ۸ ہجری کو رحمتِ عالم ﷺ جعرانہ میں تشریف لائے۔ یہاں آپ ﷺ نے دس یوم قیام فرمایا اور ہوازن والوں کا انتظار کیا کہ شاید وہ اپنے لوگوں، عورتوں اور بچوں کو رہا کرانے آئیں۔ جب کوئی بھی نہ آیا تو مالِ غنیمت کی تقسیم کی خاطر حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کو حکم ہوا کہ لوگوں، اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کا شمار کرو۔"

(رسالت مآب: ترجمہ روضۃ الاحباب حصہ دوئم، ص ۱۰۰)

(۳)

"زمانہ جاہلیت میں فاتح قبیلہ مفتوح قبیلے کے مردوں سے جسے چاہتے قتل کر دیتے جسے پسند کرتے غلام بنا لیتے اور خواتین کو اپنے حرم میں لونڈی بنا کر رکھ لیتے اور مال و متاع پر مکمل قبضہ ہوتا۔ مال و متاع ہو یا زمین و مکانات، باغات اور فصل وغیرہ۔"

"ایک دن نماز ظہر سے فارغ ہو کر صاحبِ جود و سخاوت، رحمتِ عالم ﷺ نے حکم فرمایا کہ اہلِ ہوازن میں سے جو لوگ طائف میں مسلمان ہوئے اور لشکر میں ساتھ ہیں ان کی عورتیں اور مال واپس کر دو۔ ہوازن کے مسلمان ہونے والوں کے لیے دعائے خیر فرمائی اور نہ ہونے والوں کے لیے ہدایت کی دعا مانگی۔"

(البدایہ والنہایہ، ابن کثیر جلد چہارم، ص ۷۵۹)

اس فیاضی اور سخاوت کا مقصد تالیفِ قلوب تھا کہ ہوازن کے لوگوں ہی کو نہیں بلکہ

ان کے ذریعے دوسروں پر بھی یہ حقیقت نمایاں طور پر واضح ہو جائے کہ اسلام وہ دین ہے جس کی پیروی کرنے والے مال و متاع کے لیے جنگ نہیں کرتے بلکہ فاتح بن کر مفتوح قوم اور قبیلے سے ایسا سلوک کرتے ہیں جس کی نہ اُس عہد میں کوئی مثال تھی نہ آج ہمارے عہد میں کوئی مثال ہے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم کا مطالبہ:

"اس موقعے پر لوگوں نے اصرار کیا کہ ہمارا مالِ غنیمت ہم میں تقسیم کر دیا جائے۔ آپ ﷺ وہاں سے چلے تو سب آپ ﷺ کے پیچھے ہو لیے۔ آپ ﷺ کی چادر ایک جھاڑی میں الجھ گئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! میری چادر تو مجھے دے دو۔ فرمایا: اللہ کی قسم! اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کے برابر اونٹ ہوتے تو بھی تقسیم کر دیتا۔ پھر آپ ﷺ اپنے اونٹ کے پاس آئے، اس کی کوہان کے بال مٹھی میں لے کر فرمایا: اس میں میرا صرف پانچواں حصہ ہے، وہ بھی میں تم کو دیتا ہوں۔"

(تاریخِ طبری حصہ اول، ص ۴۲۷)

جو لوگ فتحِ مکّہ کے موقعے پر آئے، دائرہ اسلام میں پناہ لی ان کے قلوب میں ایمان اتنا راسخ نہیں تھا جیسا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا کہ اللہ کے محبوب ﷺ کے ساتھ قدم قدم ناقابلِ برداشت اذیتیں اٹھائیں لیکن دامنِ رسول ﷺ سے وابستہ رہے۔ یہاں تالیفِ قلوب کی ضرورت سے جتنا اللہ کا محبوب ﷺ واقف تھا دوسرا نہ تھا۔ تالیفِ قلوب کے لیے رسول اللہ ﷺ نے (مالِ خمس میں سے) نومسلموں اور معاہد کو حسبِ ذیل عطیات دیے:

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ	۱۰۰ اونٹ
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان	۱۰۰ اونٹ
حضرت یزید رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان	۱۰۰ اونٹ
حضرت حکیم رضی اللہ عنہ بن حزام	۲۰۰ اونٹ
حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو	۱۰۰ اونٹ

حضرت حویطب رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیٰ ۱۰۰ اونٹ

حضرت نضیر رضی اللہ عنہ بن کلدہ ۱۰۰ اونٹ

حضرت قیس رضی اللہ عنہ بن عدی ۱۰۰ اونٹ

غیر ملکی نومسلم سرداروں میں عکرہ رضی اللہ عنہ بن حابس (بنی تمیم) ۱۰۰ اونٹ

عیینیہ رضی اللہ عنہ بن حصن (بنی فزارہ) ۱۰۰ اونٹ

(سیرۃ النبی، شبلی نعمانی حصہ اول، ص ۵۶۱، مطبوعہ ناشرانِ قرآن لمیٹڈ)

یہ بات صرف بھیڑوں، بکریوں یا اونٹوں تک محدود نہیں تھی بلکہ سونا اور چاندی، جو آج کل دنیائے معیشت میں زرِ ضمانت ہے اور دنیا کے معاشی نظام کے استحکام کا بنیادی حصہ ہے، تقسیم میں یہ بھی شامل تھا۔ ابنِ قیم ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں:

''نقدی (چاندی) رسول اللہ ﷺ کے حضور جمع تھی، ایسے میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب آئے اور عرض کیا کہ آج آپ ﷺ قریش میں سب سے زیادہ دولت مند ہیں۔ حضور ﷺ نے تبسم فرمایا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب نے عرض کیا: کیا مجھے اس مال میں سے کچھ عطا نہیں ہوگا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دے دو۔ عرض کیا: میرے بیٹے یزید رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کو بھی کچھ حصہ عطا ہو۔ ان کے لیے بھی اسی قدر عطا کا حکم ہوا پھر انھوں نے اپنے دوسرے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی درخواست کی، انھیں بھی اسی قدر عطا ہوا۔''

(زادالمعاد، ابنِ قیم حصہ دویم، ص ۳۲۲)

سخاوت عربوں کا ایک خاصہ تھا، زمانۂ جاہلیت میں بھی عرب سخاوت کو پسند کرتے اور وجہِ شرف سمجھتے۔ حضور ﷺ کے جود وسخا کی ان دور اندیشیوں اور مصلحتوں کو چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ اسلام میں نئے داخل ہونے والے سمجھ نہ پائے اور اعتراض کر بیٹھے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ حُبِّ رسول ﷺ سے ان کے سینے خالی تھے۔

حضور ﷺ کے ساتھ ایک افسوس ناک واقعہ:

اب میں صحیح مسلم کی وہ روایت پیش کرتا ہوں جو حلقۂ چشم کو اشکوں کی جھیل بنا دیتا ہے:

''مالِ غنیمت سے یہ بخشش وعطا بعض لوگوں کی سمجھ سے باہر تھی، خصوصاً قریش سے یہ فیاضانہ سلوک بعض نوجوان انصار کو گراں گزرا۔ ناخوشی میں کسی نے کہہ دیا کہ عطا کا موقع آیا تو ہمیں پوچھا تک نہیں، نازک وقت پڑا تھا تو سب سے پہلی پکار ہماری تھی۔ ابھی تو ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے، مصیبت کے وقت ہم اور غنیمت کے وقت اپنی قوم۔''

(صحیح مسلم مع شرح نووی جلد ۳، ص ۷۳ تا ص ۷۵)

انصار میں جب یہ چرچا بڑھنے لگا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے ان کے احساسات رسول اللہ ﷺ تک پہنچائے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: تمھارا اپنا کیا خیال ہے؟

ابن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں بھی انھیں کا ایک فرد ہوں۔ ارشاد ہوا: ''اچھا تمام انصار اور صرف انصار ایک جگہ جمع کرو۔ ایک بڑے چمڑے کے خیمے میں سب جمع ہو گئے (عجیب دلدوز منظر تھا: جس نے کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی بخشی، دوزخ کے عذاب سے بچا کر جنت کا حقدار بنا دیا اس کریم النفس، اس مہربانِ خلق کے قلب پر ان جملوں کے نشتروں نے جو کام کیا ان سے آپ ﷺ کے چہرہ اقدس پر ملال کی کیفیت پیدا ہوگئی)۔ حضور ﷺ خیمے میں تشریف لائے، فرمایا: کیا تم میں کوئی غیر ہے؟ عرض کیا: نہیں، مگر ہماری بہن کا لڑکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بہن کا لڑکا قوم میں داخل ہے۔

ہر طرف خاموشی اور سکوت ہے، نگاہیں چہرہ اقدس پر جمی ہیں۔ ایک طرف وہ تمام انصار جمع ہیں جنھوں نے مدینہ منورہ میں اپنے آقا ﷺ کا شاندار استقبال کیا اور مواخات میں اپنے گھر اور مال سب کچھ دے دیا، جو ممکن تھا تقسیم کر دیا؛ میدان کا وقت آیا تو پیش پیش بھی رہے، ان کی شمشیریں اس محبت کی گواہ تھیں لیکن زبان اعتراض کے کلمات ادا کر گئی اور اللہ کے اس محبوب ﷺ کو، جو کبھی اپنے حبیب کو ملول دیکھنا پسند نہ کرتا، دلجوئی کی وحی نازل فرماتا رہتا، وہی محبوب ﷺ ربّ نشترِ اعتراض کا زخم لیے سب کے روبرو جلوہ گر ہے۔

آواز آئی: اے گروہِ انصار! یہ کیا بات ہے جو تمھاری طرف سے پہنچی؟

ان کے (انصار کے) بزرگ اور ذی عقل افراد نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم نے تو کچھ نہیں کہا البتہ چند نوجوانوں کے یہ احساسات ہیں۔ اب خطاب ہوا: اے گروہِ

انصار! کیا تم گمراہ نہیں تھے اور اللہ نے میرے ذریعے تمھیں راہ ہدایت نہیں دکھائی؟ جواب دیا: بے شک یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا احسان ہے۔ فرمایا: کیا تم آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہ تھے؟ اللہ نے میرے سبب تمھارے دلوں میں الفت پیدا نہیں کی؟ جواب دیا: یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کا احسان ہے۔ فرمایا: کیا تم مفلس و نادار نہ تھے، اللہ نے میری وجہ سے تمھیں غنی اور مالدار نہیں بنایا؟

اب ایک ساتھ سب نے کہا: بے شک یہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) ہی کا احسان ہے۔ فرمایا: تم اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ عرض کیا: ہم اس کا جواب کیا دیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا احسان ہی اس کا جواب ہے۔

پھر اچانک آپ کے لہجے میں تیزی آگئی۔ سوالوں کا سلسلہ منقطع کر دیا اور دل ہلانے والے کلمات ادا ہونے لگے۔

قلبِ مصطفی ﷺ کی کیفیت اس خطاب میں چھلک پڑی، جسے سن کر اعتراض کرنے والوں کی آنکھیں بھی چھلک پڑیں۔

''اے انصار کے لوگو! تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ تُو (نبی کریم ﷺ) ہمارے پاس آیا تھا تو ایسی حالت میں آیا تھا کہ لوگوں نے تجھے جھٹلایا تھا۔ ہم نے تیری تصدیق کی۔ تم چاہو، اے انصار، تو کہہ سکتے ہو کہ لوگوں نے تمھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا، ہم نے تیرا ہاتھ پکڑا، مدد دی۔ تم کہہ سکتے ہو کہ لوگوں نے تجھے گھر سے نکال دیا تھا ہم نے تجھے گھر دیا، پناہ دی۔ اے انصار کے لوگو! تم کہہ سکتے ہو کہ تُو مفلس تھا ہم نے تجھے مال دیا، آسودگی دی۔ اگر تم یہ کہو تو تمھاری بات سچ مانی جائے گی، اس کی تصدیق کی جائے گی۔''

انصار کے بوڑھوں کی داڑھیاں اشکوں سے تر ہوگئیں اور جوانوں کے چہرے مغموم ہوگئے۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

''اے انصار کے لوگو! کیا تم متاعِ دنیا کے لیے رنجیدہ و ناخوش ہو؟ میں نے نومسلموں کو اسلام پر جمانے کے لیے ان کی دلداری کی۔ تمھارا اسلام تو

حصار میں ہے۔ قریش نے ابھی ابھی جاہلیت کو چھوڑا ہے، ایک بڑی مصیبت سے ان لوگوں نے نجات پائی ہے۔ میں نے چاہا کہ ان کی دلجوئی اور فریادرسی کروں۔''

پھر آپ ﷺ نے سوالیہ انداز میں فرمایا:

''کیا تم اس سے خوش نہیں کہ لوگ اونٹ، بکریاں اور چوپائے سمیٹ کر لے جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول (ﷺ) کو لے جاؤ۔ خدا کی قسم! تم جو لے کر اپنے گھر جاؤ گے وہ اس سے بہتر ہے جو وہ لے کر گھر جائیں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، اگر ہجرت کا رتبہ بڑا نہ ہوتا تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سب لوگ میدان کی ایک راہ لیں اور انصار ایک گھاٹی کو اختیار کریں تو میں انصار کے ساتھ چلنا پسند کروں گا۔

اے انصار! تم میرا ''شعار'' (استر: جو کپڑے کے نیچے اور بدن سے ملی ہوئی تہ ہوتی ہے) ہو اور دوسرے ''دثار'' (ابری: استر کے اوپر لباس کا بیرونی حصہ) ہیں۔ تم میرے بعد اپنے مقابلے میں دوسروں کی ترجیح کو دیکھو گے تو صبر کرنا، یہاں تک کہ حوضِ کوثر پہ مجھ سے ملاقات ہو۔''

(صحیح بخاری جلد دوئم، ص ۷۶۴۔ حدیث نمبر ۱۴۶۱)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف میں یہ اضافہ بھی کیا:

''میں چاہتا ہوں کہ ایک وثیقہ لکھ دوں کہ میرے بعد بحرین تمھارا ملک ہوگا، جو بہترین مملکت ہے، اور جس کی فتح اللہ تعالیٰ نے میرے لیے مخصوص اور محفوظ رکھی۔'' پھر آپ نے دستِ دعا بلند کر کے فرمایا: ''اے اللہ! انصار پر رحم فرما۔ ان کے بیٹوں پر رحم فرما۔ ان کے بچوں کے بچوں پر رحم فرما۔''

(مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۴۷۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو بھر نہ آئی ہو، کوئی داڑھی ایسی نہ تھی جو اشکوں سے تر نہ ہوئی ہو، کوئی دامن ایسا نہ تھا جو اشکِ ندامت سے بھیگا نہ ہو۔ گریہ بڑھا تو گریہِ پیہم بن گیا، اشک بہے تو ابرِ گہر بار بن گئے، ہچکیاں بڑھیں تو گلے رندھ گئے۔ ہر زبان پر یہی تھا: ہمیں کچھ نہیں چاہیے، ہمیں اس تقسیم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔

صَاحبُ الجُودِ وَ الکَرَم کے تالیفِ قلوب کا یہ واقعہ سیاہی نے نہیں اشکوں نے تحریر کیا ہوگا۔

وَاللّٰہُ عَاصِمُہٗ

نہ مٹ سکا ، نہ مٹے گا کسی سے نقش ترا
خدا ہے تیرا نگہباں ، درود تاج میں ہے

وَاللّٰهُ عَاصِمُهٗ

قرآن کی نگہبانی اور صاحبِ قرآن کی نگہبانی:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جتنے انبیاء ورسل بھیجے ان کی حفاظت خود فرماتا رہا کیونکہ ان کے بھیجنے کا ایک مقصد تھا: اُس قوم کو ہدایت پہنچانا جن میں وہ بھیجے گئے۔ اس کی مشیت کو وہی جانتا تھا اس لیے جب تک وہ اس قوم میں رہے ان کی حفاظت ہوتی رہی۔ حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو گزری یہ بھی اس کی مشیت ہے جسے اس کے سوا نہ کوئی جانتا ہے نہ بیان کرسکتا ہے۔ قرآنِ کریم اللہ کی وہ پہلی کتاب ہے جس کی حفاظت کا وعدہ اسی قرآنِ کریم میں کیا گیا ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (سورہ الحجر: آیت ۹)

”یقیناً ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

بحیثیت مسلمان کے قرآنِ کریم کی اس آیت پر جو یقین ہے اس کے بعد کسی اور حوالے کی ہرگز ضرورت نہیں لیکن بعض عناصر جو دشمنی اسلام کے ساتھ رکھتے تھے اور رکھتے ہیں ان کی یہ کوشش رہی کہ وہ قرآنِ کریم میں تحریف کو تلاش کریں۔ اس کے باوجود کہ ان لوگوں نے اپنی تمام صلاحیتیں اس مقصد پر صرف کردیں لیکن ان کوششوں میں کامیاب نہ ہوسکے۔ یہ از خود حفاظتِ قرآن کا ایک ثبوت ہے اور اس کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ یورپ کے مستشرقین کا تو ذکر بھی اہلِ یورپ کی زبان سے کرایا۔ اس کے دو حوالے پیشِ خدمت ہیں:

تحریفِ قرآن کی ہر کوشش ناکام رہی:

”ہم یہ بات پورے یقین کے ساتھ کامل وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ

قرآن کی ہر آیت اور ہر سورۃ محمد ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک کامل اور مکمل طور پر اپنی اصل اور غیر محرّف شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔"

(بحوالہ دیباچہ لائف آف محمد ﷺ، صفحہ ۲۶، سر ولیم میور)

یہ معجزہ قرآن ہے کہ متعصب ذہن رکھنے والے مستشرقین کے چیلنج کا جواب انھیں میں سے ایک حقیقت پسند سے دلوایا، اگر مسلمان جواب دیتا تو شاید اہلِ مغرب اسے تسلیم نہ کرتے۔

ایک اور حوالہ:

"اس بات کی تسلی بخش اور قابلِ اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے کہ قرآن اِس وقت بھی ٹھیک اُسی صورت میں محفوظ و مامون ہے جس حالت میں اسے محمدِ عربی ﷺ نے پیش کیا تھا۔"

(بحوالہ دیباچہ لائف آف محمد ﷺ، سر ولیم میور)

ایک آخری حوالہ "جادو جو سر چڑھ کر بولے" کا محاورہ دیکھیے:

"یورپ کے جن مصنّفین نے اس بات کے معلوم کرنے میں زبردست جدوجہد اور سعی کی ہے کہ کسی طرح قرآن میں تحریف ثابت کر دیں وہ اپنی اس کوشش میں حیرت انگیز طور پر ناکام رہے ہیں۔"

(بحوالہ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، زیرِ لفظ قرآن)

چند متعصب مستشرقین کے نام:

رینوفرانسیسک، میٹیل، امیل درمنگھم، بیرونوچن، ردولف دلوہیم، نیکولاؤ کیز، قیقش، مراتشی، تجر، بلیانڈر، پریڈو، بروزائل، قنزابیل، پاسکال، انوسان، لیون، گیوم، پاسٹل، رولان، برکلے، مارگیولیس، پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی، سیپال ہیم، ملانک تھن، لوتھر وغیرہ۔

یہ وہ متعصب افراد ہیں جنھوں نے علم کے نام کو بٹا لگایا اور اپنی صلاحیتوں کو تعصب کی بھینٹ چڑھا دیا۔ خدا کی شان کہ سر ولیم میور کی طرح اسی گروہ مستشرقین سے وہ لوگ بھی سامنے آئے جنھوں نے ان متعصب لوگوں کو منہ توڑ جواب دیا۔ ان میں ایڈورڈ گبن، گاڈ فرے، ہنگو،

جان ڈیون پورٹ اور ٹامس کارلائل، سر ولیم میور کے علاوہ قابلِ قدر افراد ہیں۔

(بحوالہ تصانیفِ احمدیہ جلد دویم)

قرآن کی حفاظت سیرت مصطفےٰ ﷺ کی حفاظت ہے:

قرآن کی حفاظت کا ایک اور حسین پہلو یہ ہے کہ سیرت مصطفٰی ﷺ کی حفاظت ہو رہی ہے کیونکہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی قول ہے کہ آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ، آپ ﷺ کی سیرت تمام قرآن ہے۔ گزشتہ اوراق میں یہ بات کہہ چکا ہوں کہ رحمتِ عالم ﷺ کی حیات طیبہ کا مرجع قرآنِ کریم ہی ہے اور قرآن کی حقانیت نے جس طرح مستشرقینِ مغرب سے یہ بات منوائی، کہ قرآنِ کریم میں کبھی تحریف نہیں ہوئی اور وہ اسی طرح آج بھی ہے جس طرح حضرت محمد ﷺ کے عہد میں تھا، وہاں انھیں مستشرقین سے یہ بات بھی منوائی کہ اس کے محبوب ﷺ کی سیرت بھی قرآن میں ہے۔ اور جب قرآن محفوظ ہے تو سیرت بھی محفوظ ہے۔

مستشرقین کیا کہتے ہیں:

یہ سراسر ناانصافی ہوگی کہ مغربی مفکّرین کا ذکر کر کے ہم اپنے مفسّرین اور محققین کا کوئی حوالہ حفظِ قرآن اور حفاظتِ سیرت میں نہ پیش کریں۔ حوالہ پیشِ خدمت ہے:

محمد حسین ہیکل کا بیان:

"حضور اکرم ﷺ کی سیرت کے سلسلے میں اگر کوئی بہترین مرجع و ماخذ ہے تو وہ قرآنِ حکیم ہے کیونکہ آیات قرآنی میں آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ سے متعلق اشارات پائے جاتے ہیں اور کوئی محقق اگر چاہے تو حدیث اور سیرت کی کتابوں کی مدد سے اس ضمن میں تسلی بخش تحقیق کر سکتا ہے۔"

(محمد حسین ہیکل مصری از مقدمہ حیات محمد ﷺ)

علامہ شبلی نعمانی اور سر ولیم میور کے حوالے:

"سب سے پہلی اور سب سے ضروری بات اس ضمن میں یہ ہے کہ حضور ﷺ کی حیات مقدسہ پر قلم اٹھاتے ہوئے قرآنِ کریم کو تمام روایتوں، تمام